UNIVERSAL LIBRARY
OU_224495
UNIVERSAL LIBRARY

OUP—880—5-8-74—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ٨٩١٥ د٣٠٥ معارف   Accession No. U 1308

Author

Title معارف علامہ ١٩١٩ء ١٢—٤ ء

This book should be returned on or before the date last marked below

مجلد سوم | ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق جنوری ۱۹۱۹ء | عدد ہفتم

مضامین

(۱)	شذرات	۳۳۸ - ۳۴۰
(۲)	نظر بندان اسلام	۳۴۱ - ۳۵۳
(۳)	قرآن مجید مین بائبل کے حوالے	۳۵۴ - ۳۶۲
(۴)	فلسفۂ یونان	۳۶۳ - ۳۶۹
(۵)	مسلمانان تاتار اور عربی تعلیم	۳۷۰ - ۳۷۶
(۶)	ایک آیت کی تفسیر	۳۷۷ - ۳۸۲
(۷)	اساس التعلیم	۳۸۳ - ۳۸۹
(۸)	ادبیات	۳۹۰ - ۳۹۱
(۹)	مطبوعات جدیدہ	۳۹۲ -

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD-1

شعر العجم حصہ پنجم
از
علامہ شبلی نعمانی

شعر العجم کا پانچوان حصہ چھپکر تیار ہو گیا، اس حصہ مین بقیہ اصناف سخن، قصیدہ، غزل اور عاشقانہ، صوفیانہ، اخلاقی اور فلسفیانہ شاعری پر تقریظ و تبصرہ ہے، خود مصنف مرحوم کے بیان کے مطابق یہ شعر العجم کی متعدد ضخیم جلدون کا عطر اور خلاصہ ہے، ضخامت ... صفحہ، قیمت سفید دیسی کاغذ [illegible] قیمت سفید ولایتی کاغذ [illegible]، شعر العجم کی چار پہلی جلدون کی قیمتین یہ ہین، جلد اول [illegible] جلد دوم [illegible] جلد سوم [illegible] جلد چہارم [illegible]، مکمل سٹ کے (غیر تاجر) خریدار کو [illegible] مین پانچون جلدین مجلد ملینگی، تاجرون کو ۲۵ فیصدی کمیشن،

شذرات

دسمبر کے قومی ہنگامے ایک ایک کرکے ختم ہو گئے، کانگریس سے لیکر اُردو پریس کانفرنس تک ہرایک مجلس کی روداد عمل ہر شخص کے سامنے آگئی، اس سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم نے بولنا تو سیکھ لیا ہے، آہستہ آہستہ زبانون سے منتقل ہوکر ایک دن ہاتھون تک قوت پہنچ جائیگی، لیکن دعا کیجئے کہ یہ قوت باہم دست و گریبان ہونے مین نہین بلکہ دامن مقصود کے چھونے مین صرف ہو،

اللہ اکبر! چند سالون مین کتنا تفاوت ہو گیا، کانگریس مین ایک مدت سے دو فریق ہو گئے ہین ارباب اعتدال (ماڈریٹ) اور ارباب استعجال (ایکسٹریمسٹ) سورت کانگریس مین جب یہ دونون فریق باہم ٹکراکر الگ ہو گئے تو استعجالیون کو کانگریس کے احاطہ سے نکل جانا پڑا، اور اعتدالی چھ برس تک کانگریس کے تخت پر بلا شرکت غیرے مالک رہے، لکھنؤ کی کانگریس نے بچھڑون کو پھر ملایا، لیکن اس میل ملاپ پر دو برس بھی گذرنے نپائے کہ دلی کی کانگریس نے پھر نزاع قائم کردی لیکن زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ اب استعجالی کانگریس کی عنان حکومت کے مالک ہین اور اعتدالیون کو کانگریس کے احاطہ سے باہر نکل جانا پڑا، تلک الایام نداولہا بین الناس،

مسلم لیگ نے اپنے بارہ برس کی تاریخ مین سب سے پہلی بار اپنے شایان شان وجود کا ثبوت دیا، سچ یہ ہے کہ دلی کے زیر خاک زندون کی ہندوستان کے روے زمین کے مُردون نے آبرو رکھ لی، آنریبل فضل حق اور ڈاکٹر انصاری نے صدارت کے خطبے نہین پڑھے بلکہ ایک نے

ہندوستان کا دل اور دوسرے نے اسلام کا جگر دنیا کے سامنے رکھدیا

شد وقت آن کہ دیدہ چو دل غرق خون کنم | خون نابہ گرہ شدہ از دل برون کنم
آن غصہ کہ پیش نخوردم کنون خورم | وان نالہ کہ پیش نکردم کنون کنم
گویند غافلان کہ رہ صبر اختیار کن | چون اختیار در کف من نیست چون کنم

دلی کی مسلم لیگ بھی نزاع باہمی سے پاک نہین رہی، لیکن لیگ اور کانگریس کی نزاعون مین ایک دقیق فرق ہے، کانگریس مین مایۂ اختلاف رفتار کی تیزی اور سستی ہے، اور لیگ مین نفس رفتار کا عدم یا وجود!

یادش بخیر! ایجوکیشنل کانفرنس تو امسال بچکر سورت نکل گئی، "دکن کی بجلی" صرف مسلم لیگ پر آکر گری، اسکے اجلاس مین علماے کرام بھی تشریف فرما تھے، ایک گوشہ سے آواز آئی!

یارب تو نگہ دار دلِ خلوتیان را | کان مغبچہ مست است و بصومعہ باز ہست

معاصر لکھنؤ کی روایت ہے کہ ان چند لمحون مین ارباب ورق و تسبیح دعاے "رد بلا" کی قرارت مین مصروف رہے

ایجوکیشنل کانفرنس نے کلکتہ کے تجربہ کے بعد یہ طے کر لیا کہ تعلیم اور سیاست ایک ساتھ نہین جمع ہو سکتین، چنانچہ لیگ دلی آئی تو کانفرنس پرے ہٹکر سورت چلی گئی، کانفرنس کا یہ اجلاس متعدد حیثیتون سے کامیاب رہا، چودہ ہزار روپیہ کانفرنس کو وظائف کے لئے ملا، ایک دار الاقامہ کے لئے ۵۰ ہزار کا چندہ ہوا، دار الاقامہ تعمیر ہونے تک ایک باہمت نے اپنی عالی شان عمارت طلبہ کے رہنے کے لئے دیدی،

دو برس کے بعد اردو کانفرنس کا اجلاس دلّی مین ہوا، تقریرین پڑہین، تجویزین دیکھین، مشاعرہ کی غزلین سنین، لیکن یہ نظر نہ آیا کہ دیہاتون سے، تحصیلی اسکولون سے، کچہریون سے، ڈاکخانون سے جس اردو کو شہر بدر کیا جا رہا ہے، اور مسلمان طلبہ اور معاملہ دارون کو ہندی قبول کرنے پر مختلف تدبیرون اور حیلون سے مجبور کیا جا رہا ہے اسکی روک کی کیا صورت ہے؟ اس دفعہ وقت کی تنگی کے باعث صرف ڈہانچ کھڑا کر دیا گیا ہے امید ہے کہ آیندہ کچھ ہو رہے گا، حکیم ناصر الدین صاحب ابن شفاء الملک مرحوم دہلوی کی مسیحائی اس ڈہانچ مین شاید رُوح پھونکسکے،

سنہ ۱۹ء مین دار المصنفین کی طرف سے حسب ذیل کتابین شایع ہونگی، سیرۃ عمر بن عبد العزیزؓ ازمولانا عبد السلام ندوی، روح الاجتماع، لیبان، ازمولانا محمد یونس انصاری فرنگی محلی، مکالمات برکلے ازمسٹر عبد الماجد بی، اے، سیرۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، از سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبوی جلد ثانی کی کتابت ۱۰۰ صفحہ تک ہوچکی، کاغذ کے لئے اہتمام کیا جا رہا ہے، کوشش ہوگی کہ سال کے اندر اندر یہ حصہ چھپکر شائقین کے ہاتھون مین پہنچ جائے، والامر بید اللہ

مقالات

نظربندانِ اسلام

بتقریب رہائی سید الاحرار سید فضل الحسن حسرت موہانی

تا چند بزنجیر خرد بند توان بود

سرمستی و آشوب جنون چند توان بود

دنیا چار برس کی عالمگیر جنگ سے گھبرا اٹھی، لیکن بغور دیکھو تو نظر آئیگا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ایک مسلسل اور غیر منقطع سلسلہ جنگ مین مبتلا ہے، صبح اور شام، دن اور رات، چاندنی اور اندہیری بہار اور خزان، جاڑا اور گرمی یہ کیا ہین؟ اس رزمگاہ عالم کے نبرد آزما حریف ہین!

ہوا اور مٹی، آگ اور پانی دریا اور پہاڑ، زمین اور آسمان کیا ہین؟ عناصر کی باہمی جنگ کے مظاہر ہین بلکہ یہ ساری کائنات انہین عناصر کی فتح و شکست کے نتائج ہین،

جمادات اور نباتات، نباتات اور حیوانات، حیوانات اور انسان غور کرو کیا ان مین موت و حیات کی کشمکش کے لئے ایک دائمی جنگ برپا نہین ہے، آگے بڑہو اشرف المخلوقات کی دنیا مین آؤ، یہان قوت سے قوت، جماعت سے جماعت، قوم سے قوم دست و گریبان ہے،

غرض کائنات سرتاسر جنگ، صلح، اور شکست ہے!!

لیکن سب سے تعجب خیز، سب سے حیرت انگیز، اور سب سے زیادہ تحیر افزا وہ جنگ اور صلح ہے جو اس عالم مادی سے ماورا روحانیات کے عالم مین برپا ہے، صدق اور کذب، حق اور باطل، صواب اور خطا مین دنیا جب سے قائم ہے، ایک غیر فانی نزاع قائم ہے،

لیکن یہ تعجب، یہ حیرت، اور یہ استعجاب اسوقت اور زیادہ ہوجاتا ہے، جب کمزوری قوت سے، شخص، جماعت سے، جماعت قوم سے، اور قوم دنیا سے لڑنے کو آمادہ ہوجاتی ہے، ذرّہ پہاڑ کو، قطرہ سمندر کو، اور چیونٹی سلیمان کو اعلان جنگ دیتی ہے، اور صرف ایک حق اور صداقت کی قوت کو اپنے دست و بازو کا سہارا جانتی ہے،

کہن سال دنیا کے سوانح زندگی کا جتنا تحریری سرمایہ اسوقت موجود ہے، اسکے اکثر اوراق انہین خونین داستانون سے رنگین ہین، اسوقت کرۂ زمین کی ہر قوم سرتاپا آواز ہے کہ اس ضخیم کتاب مین سے میری زندگی کا باب نکال کر پڑھو، لیکن سامان عبرت جواب دیتا ہے کہ مجھکو دنیا کی صرف آخری قوم کی تاریخ کا جائزہ لینا ہے،

اس قوم کی تاریخ مین وہ شہداے ملت بھی ہین جنھون نے میدان حق مین لڑکر جانین دین، وہ بھی ہین جنکی گردنین تلوارون کا امتحانگاہ بنین، وہ بھی ہین جنکے سر سولی پر لٹکاے گئے، وہ بھی ہین جنکے پہلو مین نیزے چبھوے گئے، وہ بھی ہین، جنکی زبانین حقگوئی کے جرم مین تالو سے کھینچ لی گئین، وہ بھی ہین جنکا ایک ایک عضو کاٹکر الگ کردیا گیا،

پھر ان مین ایسے امن پسند تیغ زنون کی بھی کمی نہین جنکے جھونپڑون کی ناتوان آواز برق و صاعقہ بنکر محلون اور ایوانون کو ہلا آئی، جنکے ہاتھون کی ایک کمزور جنبش نے بھی قباے حکومت کے تار تار الگ کردیئے، جنکے چشم وابرو کے ایک اشارہ نے انکے جاہ و جلال کے اوراق پارہ پارہ کردیئے

لیکن اسوقت انکی یاد تازہ کرنا ہے جنکے کارنامے خونین اوراق مین نہین بلکہ خانہ ویرانی کی گردباد اور حلقہاے زنجیر کے شور مین الفاظ بنکر سنائی دیتے ہین کہ اب یہی درس عبرت مستقبل کی درسگاہ مین ہمکو بار بار دہرانا ہے،

مدرسۂ اسلام کی سب سے پہلی کتاب لاؤ اور وہ باب کھولو جسکا عنوان **احسن القصص** ہے،

قرآن پاک کی ہر تمثیل، اور حکایت، حیات انسانی کے مختلف مدارج کے اسباق ہین، سورۂ یوسفؑ ہمارے سامنے اس نمونہ کو پیش کرتا ہے، جب داعی حق طوق و زنجیر سے گرانبار اپنے کو گوشۂ زندان مین پاتا ہے، پیر کنعان کا "نور العین" مصر کے قید خانہ مین سر بزانو ہے، یاران زندانی حلقۂ محفل ہین، معصوم قیدی اس چہار دیواری کے اندر بھی اپنے کاروبار سے غافل نہین، کیونکہ اسکو جو کام کرنا ہے اسکے لئے صرف انسانون کا مجمع درکار ہے، محدود نا محدود رقبۂ زمین نہین، وہ گویا ہے،

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ط تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ
لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ
كٰفِرُونَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَاءِي
إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ
نُشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ط ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ
اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُونَ ۝ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ
مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا
تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ
مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ط أَمَرَ أَلَّا
تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

یہ وہ چیز ہے جسکی تعلیم میرے پروردگار نے مجھے دی ہے
مین نے اس قوم کا مذہب چھوڑ دیا ہے جسکا اللہ پر ایمان نہین،
اور جو دوبارہ زندگی سے منکر ہین اور اپنے باپ دادون
ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے مذہب کا پیرو ہوا، ہمارے لئے
سزاوار نہین کہ ہم خدا کا کسیکو شریک بنائین، یہ خدا کا ہم پر
اور لوگون پر احسان ہے لیکن اکثر لوگ اسکے شکرگذار نہین،
ای یاران زندان! کیا چند الگ الگ خدا اچھے ہین یا ایک
ذوالجلال خدا، اسکو چھوڑ کر تم ان چند نامون کی پرستش
کرتے ہو جنکو خود تم نے اور تمہارے باپ دادون نے رکھ لیا ہے،
اور جنکی کوئی دلیل خدا نے نہین اتاری، حکومت بجز
خدا کے کسیکی نہین، اس نے حکم دیا ہے کہ ہم صرف اُسیکو
پوجین، یہی سیدھا مذہب ہے لیکن اکثر لوگ نہین جانتے،

اسلام کی تاریخ کا آغاز ایک نظر بند کے وجود گرامی کے ساتھ وابستہ ہے، "شعب ابی طالب کا محصور"

علیہ الوف التحیۃ والسلام اپنی ۴۰ کروڑ امت کو یہ تعلیم دے گیا ہے کہ اعلان حق کی راہ مین قید و محبس کی دیوارین تمہاری نافذ الاثر آوازون کو نہین روک سکتین، حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام نے تین برس تک اس گہاٹی مین مع خاندان بنی ہاشم کے محصور رہکر اس طرح گذارے ہین کہ مکہ کی کارفرما طاقتون کی طرف سے یہ قدغن تھی کہ کوئی کہانے پینے کی چیز تک اُنکے پاس جانے نپائے، قبائل نے باہم ایک تحریری معاہدہ کیا کہ "کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے نہ قرابت کریگا، نہ اُنکے ہاتھ خرید و فروخت کریگا نہ اُن سے ملیگا، نہ اُن کے پاس کہانے پینے کا سامان جانے دیگا، جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ نہ کردین[۱]"،

یہ تین سال اسقدر سخت گذرے کہ طلح کے پتے کہا کہا کر گذارے، اس حصار مین آپ تنہا نہ تھے بلکہ ام السادات والمؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری بھی آپکے ساتھ تھین، کمسن صاحبزادیان بھی مان کے آغوش مین تھین، ننھے ننھے بچے جب بھوک سے روتے تو سنگدل انکی آواز سن سن کر ہنستے کہ انکی چشم تر کی بوندین گویا انکے کشت آرزو کا ابر باران تھین، ایک دن حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے تھوڑا سا غلہ اپنی پھوپی کے پاس بھیجا - ابوجہل نے دیکہا تو چھین لینا چاہا،

اسلام کی تبلیغ حق دولت و نعمت مین نہین ہوئی ہے، زور و قوت مین نہین ہوئی ہے، جاہ و جلال مین نہین ہوئی ہے، بلکہ مصائب و خطرات، مظلومیت و بیکسی، فقر و فاقہ مین، اور سب سے آخر قید و بند کی بیڑیون اور زندان و حصار کی چار دیوارین مین، لیکن ان مین سے کوئی چیز داعی اسلام اور مبلغ رسالت کو اپنے فرائض سے باز نہ رکھ سکی۔ آفتاب کا نور گرد و غبار کے دامن سے نہین چھپتا، اور آسمان کا ابر باران زمین کے بخارات سے نہین تھمتا،

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گہاٹی مین مع خاندان بنی ہاشم کے تین برس تک محصور رہے تھے، [۲] سیرۃ النبی صفحہ ۱۲۹

مسیح الاسلام حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخص تھے جنکی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آسمان نے اپنا سایہ ابوذر سے زیادہ کسی حقگو آدمی پر نہین ڈالا، اور نہ زمین نے ان سے کسی زیادہ حقگو آدمی کا بار کبھی اُٹھایا" یہ مکہ مین اسوقت ایمان لاے جب اس سرزمین مین "ایمان" کا لفظ قانونی جرم تہا، چنانچہ اپنے وطن سے چل کر جب یہ مکہ پہنچے اور مخفی مسلمان ہوے آپنے فرمایا کہ تم اپنے قبیلہ مین واپس چلے جاؤ، اور اسوقت کے منتظر رہو جب اسلام کو ملک مین امن وامان نصیب ہو، لیکن اُنکے لئے انتظار مشکل تہا، وہ اب سرتا پا آواز حق تھے، انکا رونگٹا رونگٹا اعلان حق کے لئے بیچین تہا، چنانچہ وہ سیدھے خانہ کعبہ مین آئے، اُس خانہ کعبہ مین جو اسوقت ۳۶۰ بتون کا مسکن تہا، اور آکر لا الٰہ الا اللہ کا اس زور سے نعرہ مارا کہ آس پاس کی پہاڑیان گونج اُٹہین، یہ آواز سن کر قریش چارون طرف سے دوڑ پڑے، حضرت عباس نے آکر بچایا، لیکن یہ جسمانی تکلیف اُنکے روحانی عزم واستقلال کی مضبوطی مین ایک ذرہ انقلاب نہ پیدا کرسکی، دوسرے دن وہی ابوذر غفاری تھے، وہی ۳۶۰ بتون کا کعبہ تہا، اور وہی نعرۂ توحید کی زلزلہ انداز تکبیر تھی، قریش کی طرف سے وہی کل کی طرح آج بھی جواب ملا، تاہم یہ سزا بھی انکو فرض تبلیغ سے باز نہ رکھ سکی،

حضرت ابوذر نے تین خلافتون کا زمانہ دیکھا، زمین بدل گئی، آسمان بدل گیا، فتوحات نے مسلمانون کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے کو رشک ایوان کسریٰ، اور غیرت کاشانۂ فغفور بنا دیا، لیکن ایک ذات تھی جو سونے اور چاندی کا ایک ٹکڑا بھی اپنے گھر رکھنا حرام سمجھتی تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین وہ سرزمین شام مین تھے، جہان رومیون کے اثر سے مسلمان امراء اسلام کی سادگی کو چھوڑکر دولت اور تنعم کے خوگر ہو چلے تھے، امیر معاویہ کا دربار قیصر وکسریٰ کی بارگاہ بن رہا تہا، اُنکے جاہ وجلال کے رعب وداب نے بڑے بڑون کی زبانین گنگ کردی تہین، لیکن جرأت آزادی کی وہ بے نیام تلوار جو ابوذر غفاری کے کام ودہن مین تھی ایک لمحہ کے لئے نہ جھکی، اور ہمیشہ بے پہر دبار

اعلان حق کے لئے چمکتی رہی، آخر اُنکو آستانہ خلافت سے انکے بلوالینے کی درخواست کرنی پڑی، چنانچہ یہ مدینہ بلوالئے گئے، اور یہان سے ربذہ ایک چھوٹے سے گاؤن مین بھیجدیئے گئے، یا خود اپنے لئے وہین رہنا مناسب سمجھا،

ربذہ کا نظر بند ایک کملی خیمہ مین چند اونٹ اور بکریون کے ریوڑ کے ساتھ تمام دنیا سے گوشہ گیر ہو کر بیٹھ گیا، حضرت عثمانؓ نے بیت المال سے انکے اسباب راحت کا سامان کرنا چاہا لیکن قبول نہ کیا،

لیکن تم کیا سمجھتے ہو کہ اس سلطان حق نے اسکے بعد تلوار نیام مین کرلی، وہ اس زمانہ مین فتویٰ دینے کے مجاز نہ تھے، لیکن اسی حالت مین اُنسے ایک شخص نے فتویٰ پوچھا، اُنھون نے جواب دیا، ایک قریشی نے ٹوکا کہ تم فتویٰ دینے کے مجاز نہین ہو، کیون دیتے ہو، تو نہایت جوش کے ساتھ فرمایا "خدا کی قسم اگر تم میری اس گردن پر تلوار بھی رکھدو اور مین اس لمحہ مین سمجھون کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا ایک لفظ بھی ادا کرسکتا ہون تو ادا کرونگا"

آخر اسی مسافرت اور غربت مین اُس طرح جان دی کہ حسب وصیت اور پیشگوئی نبوی جنازہ لاکر سر راہ رکھدیا گیا کہ نو وارد اس رہگذر عام سے کوچ کر جانے والے مسافر کی نماز پڑہین، چنانچہ ایسا ہی ہوا، عبداللہ بن مسعودؓ کا گذر ہوا اور اُنھون نے نماز پڑہائی،

سریۂ رجیع کے دو زندانیون کی داستان بھی ہمکو سنانی ہے، حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ یہ دونون بزرگوار اصحاب صفہ مین سے ہین، یعنی ان لوگون مین سے جو میدان جنگ کے لئے نہین بلکہ منبر و محراب کے لئے تعلیم پا رہے تھے، ایک قبیلہ کی دعوت پر دس واعظین اسلام جنمین یہ دو صاحب بھی تھے، بھیجے گئے، رجیع کے مقام پر پہنچکر کافرون نے بدعہدی کی اور دو سو آدمیون کا دستہ انکی گرفتاری کے لئے بھیجدیا، اکثر نے قید و اسیری کے ننگ کو گوارا نہ کیا، اور لڑکر جانین دین،

خبیب اور زید دو صاحبون نے کفّار کے وعدون پر بھروسا کرکے اپنے آپکو اُنکے حوالہ کردیا، اُنھون نے خلاف معاہدہ اُنکی مشکین کسین، اور مکّہ مین لاکر بیچڈالا، قریش نے بدر کے انتقام کے لئے اُنکو خرید لیا، اور تین مہینے تک قید مین رکھا، ان دونون قیدیون نے زمانۂ قید مین اسلام کی تعلیم کا جو نمونہ پیش کیا وہ مذاہب کی تاریخ مین عدیم المثال ہے،

حضرت خبیب جس گھر مین قید تھے، اسلام کے بعد اس گھرانے کی ایک خاتون نے علی الاعلان گواہی دی کہ خبیب سے بڑھکر کسی قیدی کو ہم نے نیک و سعادتمند نہین پایا" ایکدفعہ اسی خاندان کا ایک بچہ کھیلتا ہوا اُنکے پاس چلا گیا، اُنکو معلوم تھا کہ یہ اس خاندان کا چشم و چراغ ہے جو چند روز مین سولی کی لکڑی پر انکی لاش کو لٹکانے والا ہے، لیکن اُنھون نے پیار سے اس بچہ کو زانو پر بٹھا لیا انکے ہاتھ مین ایک ضرورت سے استرہ تھا، بچہ کی مان کی نگاہ جب اس قیدی پر پڑی تو یہ منظر دیکھکر کہ بچہ قیدی کے زانو پر بیٹھا ہے اور کھلا استرہ اسکے ہاتھ مین ہے، سہم گئی، حضرت خبیب نے فرمایا کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ مین اپنے خون کا انتقام تمہارے بچہ سے لونگا، ہمارا یہ کام نہین" حضرت خبیب نے کافرون سے زمانۂ قید مین جو رعایتین چاہین وہ صرف تین تھین، میٹھا پانی، حرام کھانا مجھکو نہ دیا جائے، قتل کی پہلے سے اطلاع دیجائے،

چند روز کے بعد حضرت خبیب نے حرم کے میدان مین جس بہادری، اطمینان اور سکونِ قلب کے ساتھ مظلومیت کی سولی پر جان دی، وہ تاریخ اسلام کا معروف واقعہ ہے، اخلاق کے اس معجزانہ منظر نے آخر اس خاندان کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا،

دوسرے قیدی حضرت زید بن دثنہ انصاری تین مہینے کی قید کے بعد مقتل مین لائے گئے کفّار کا پرا احاطہ کئے تھا، جلاد کی تلوار نگاہون کے سامنے تھی، سولی کی لکڑی پہلو مین نصب تھی، ابو سفیان نے آگے بڑھکر پوچھا " زید! کیا تم پسند کرتے اگر آج تمہارے بجائے محمدؐ کی لاش اس سولی پر

لٹکتی ہوتی" سرشارِ خمخانۂ محمدی نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم مین یہ پسند کرونگا کہ میری لاش سولی پر لٹکائی جاے اور محمد صلعم کے تلوون مین کانٹا بھی نہ چُبھنے پائے"،

حضرت ابوجندل رضؓ وہ اس جرم پر کہ اسلام لائے تھے مکہ مین پا بزنجیر تھے طرح طرح کی تکلیفین دیجاتی تہین کہ اس نئے مذہب سے توبہ کرو، لیکن وہ ان تمام سختیون کو خوشی سے جھیلتے رہے، سنہ ۶ھ مین عمرہ کی غرض سے جب چودہ سو جان نثارون کے ساتھ آپ نے مقام حدیبیہ مین قیام کیا اور کفار نے آگے بڑھنے سے روکا اور شرائط صلح طے ہونے لگے تو عین اسوقت جب معاہدہ کی سطرین زیر تحریر تہین، ابوجندل کسی طرح قریش کے مجلس سے نکل کر، پاون مین بیڑیان پہنے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے، قریش کے سفیر نے جو خود ابوجندل کا باپ تہا کہا کہ "محمد! یہ پہلا قیدی ہے جسکو تمہین واپس دینا ہوگا"، ابوجندل نے تمام مجمع کے سامنے اپنے زخم دکھائے جو قریش کے جور و ستم کی یادگار تھے، اور کہا "برادران اسلام! مین اسلام لاچکا ہون کیا پھر مجھکو کافرون کے ہاتھ مین دیتے ہو کیا پھر مجھے انکا قیدی بناتے ہو" تمام مسلمان اس دردناک منظر کو دیکھکر تڑپ اُٹھے چہرون پر تیوریان چڑھ گیئن، اخوت اسلامی کی لہر برق بنکر چودہ سو ہادرون کے دل و جگر مین تیر گئی، کہ دفعتہ لبہاے مبارک ہلے اور ابوجندل کی طرف خطاب کرکے فرمایا،

"ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمہارے لئے اور دوسرے مظلومون کیلئے راہ نکالیگا، صلح اب ہوچکی، اور ہم ان لوگون سے بدعہدی نہین کرسکتے"

اس فرمان کو سُنکر ابوجندل نے اطاعت کی گردن جُھکالی، اور مجلس کی قید و زنجیر کو اسلام کی بدعہدی کے داغ پر ترجیح دی،

ضعف اور قوت، اور حق و باطل کی باہمی معرکہ آرائیون مین انبیاے اولوالعزم اور پرورش یافتگان آغوش نبوت نسل مستقبل کے لئے اقتدا اور پیروی کے جو نمونے چھوڑ گئے انکے جانشینون نے سرِمو

ان سے تفاوت نہ کیا، تاریخ ان واقعات سے لبریز ہے، استیلاے باطل کے تاریک عہد نے جب کبھی دنیا کا احاطہ کیا، ائمہ اطہار اور علماے صالحین اسی راستہ پر قدم مارتے چلے گئے، جبین اسلاف کرام اپنے عمل اور کارنامون کے چراغ جلاتے چلے گئے تھے،

بنوامیہ کے عہد حکومت مین اکابر محدثین نے ہر قدم پر انکے جور وستم کو روکا، بہ سر دربار انکی غلطیون کا اظہار کیا، اور اس اعلان حق مین قید وزنجیر بے خانمانی. وجلاوطنی کا باک نہ کیا، حضرت سعید بن مسیب جو تابعین مین سب سے بڑا مرتبہ رکھتے ہین، انکے واقعات حریت طلب دنیا کیلئے نمونہ ہین، انھون نے کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے عطیہ کو قبول کرنا گوارا نہ کیا، اور نہ کبھی سلطنت کا وظیفہ خوار بننا پسند کیا، اسلئے انکی زبان اظہار حق مین ہمیشہ بیباک رہی، ایکدفعہ خلیفہ شام کا قاصد اُن کے سامنے سے گذرا، بلاکر پوچھا کہ "بنی مروان کو تم کس حال مین چھوڑ کر آئے" بولا، "بخیریت" فرمایا تم نے اس حال مین چھوڑا ہے کہ "وہ انسانون کو بھوکا رکھتے ہین اور کتون کو کھلاتے ہین" قاصد کا چہرہ غصہ سے سرخ ہوگیا، لیکن انھون نے کوئی پروا نہ کی، دوستون نے عرض کی، اپنی جان کے درپے کیون ہو، جواب دیا "جب تک مین حق پر ہون خدا مجھکو بے یار ومددگار نچھوڑیگا"۔

آخران آزادگویون کا یہ نتیجہ ہوا کہ کڑاکے کی سردی مین انکے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈالکر انکو کوڑے لگاے گئے، قید کیا گیا، انکے قتل کا سامان ہوا، اور آخر مین یہ فرمان جاری ہوا کہ کوئی انکے پاس بیٹھے، اور نہ کوئی بات چیت کرے، لیکن اس حالت مین بھی انکی سیف زبانی کم نہوئی، ایک قاصد شقہ شاہی لیکر انکے پاس آیا، شقہ کو بکری کے منھ مین دیدیا وہ چبا گئی، فرمایا کہ یہی اسکا جواب ہے

ابراہیم تیمی کوفہ کے ایک حقگو عالم تھے، حجاج کے قیدخانہ مین انھون نے عمر بسر کردی۔

یحیٰی بن عامر کہتے ہین کہ یہ پہلے شخص ہین جنھون نے قرآن مین نقطے لگائے، حجاج نے انکو عراق سے جلاوطن کردیا، آوارہ گرد خراسان پہنچے، وہان کے گورنر نے انکی بڑی تعظیم کی اور قضا کا منصب

پیش کیا، لیکن کچھ دن بھی گذرنے نپائے تھے کہ یہان سے بھی الگ ہونا پڑا،

امام منصور بن معتمر نے محبس جانا اسلئے پسند کیا کہ وہ ایک جابر حکومت کی طرف سے عہدہ قضا قبول کرنا نہین چاہتے تھے،

امام شعبی کی جلالت شان سے کون واقف نہین، کوفہ وطن تہا، مختار کے زمانہ حکومت مین کوفہ سے بہاگ کرانکو مدینہ آنا پڑا، حجاج کے زمانہ مین وہ کوفہ آکر دارالامارۃ مین عزت و تکریم کے ساتھ رہنے لگے، لیکن جب علماے کوفہ نے حجاج کے مقابلہ مین فوج کشی کی تو امام شعبیؔ دونون فوجون کے بیچ مین کھڑے ہوکر حجاج کے مظالم بیان کئے، اتفاق سے علماء کی فوج کو شکست ہوئی، امام شعبی نے گھر پہنچکر کواڑ بند کرلئے، اور نو مہینے اسی حال مین بسر کئے، پھر ایک دن موقع پایا تو فوج مین بھرتی ہوکر خراسان چل دیئے، وہان انکو ایک عمدہ جگہ مل گئی، ابھی پورا اطمنان بھی نہین ہوا تہا کہ حجاج کے مخبرون نے جاسوسی کی، اور والی خراسان کے نام حکم آیا کہ شعبی کو فوراً پکڑلو، اگر وہ بچکر نکل گیا تو تمہین سزا دیجائیگی، والی جو امام موصوف کی شان جلالت سے واقف تہا، اس نے ہرچند چاہا کہ وہ کہین نکل جائین، لیکن اُنھون نے کہا کہ اب بچنا مشکل ہے، آخر پابزنجیر دارالامارۃ کو روانہ کئے گئے، حجاج نے پھر انکو رہا کردیا،

۱۳۲ھ مین جب زمانہ نے کروٹ لی، اور شام اُجڑ کر عراق آباد ہوا، یعنی ملک کی عنانِ حکومت بنو اُمیہ سے نکل کر بنو عباس کے ہاتھ مین آئی، اور سادات نے حجاز مین اپنا علم بلند کیا تو دیگر علماے کبار کے ساتھ امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان نے فتوی دیا کہ منصور عباسی کی بیعت ناجائز ہے اور خلافت نفس زکیہ کا حق ہے، سادات کی ناکامی کے بعد جب منصور نے دوبارہ ملک پر تسلط پایا تو امام کو دربار مین طلب کیا اور منصب قضا کے قبول کرنے پر مجبور کیا، مگر اُنھون نے صاف انکار کیا، منصور نے حکم دیا کہ انکو قید کردیا جائے، امام نے قیدخانہ کے حقیر و تنگ حجرہ کو منصب قضا کے

بلند و رفیع ایوان پر ترجیح دی، چار برس اسی قیدخانہ مین گذارے، اور اس سے اسوقت چھوٹے جب رُوح نے قیدہستی سے رہائی پائی،

امام ممدوح کے فضائل مین یہ امر بھی کچھ کم قابل ستائش نہین کہ جس علم کی خدمت مین اُنھون نے اپنی ساری عمر گذاری تھی، اس قیدخانہ مین بھی اس فرض کی اداسے غافل نہ رہے، یہان بھی سلسلہ تعلیم برابر قائم رکھا، امام محمد۔۔ کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہین، امام کا بھی قیدخانہ انکی تعلیم کا مدرسہ تھا۔

۲۱۸ھ مین مامون نے علما کو اس اعتقاد کی تسلیم پر مجبور کرنا چاہا کہ "قران مخلوق ہے"، جن بزرگون نے پامردی کے ساتھ مامون کی اطاعت سے سرکشی کی ان مین سب سے پہلا نام امام احمد بن حنبل کا ہے، والی بغداد کے نام اُس نے فرمان جاری کیا کہ امام اور دیگر علماء کے اس عقیدۂ خاص کا امتحان لو، امام موصوف سے جب یہ پوچھا گیا کہ قرآن کے مخلوق ہونے کی نسبت کیا کہتے ہو، فرمایا مین یہ صرف یہ کہتا ہون کہ" وہ خدا کا کلام ہے اور بس"۔ محمد صلعم نے اسلام کے تمام عقاید کی تعلیم کی، لیکن کبھی اسپر ایمان کا مطالبہ نہ کیا کہ قرآن کو مخلوق مانا جائے" امام کا یہ جواب مامون کو لکھکر بھیجا گیا، اس نے حکم دیا کہ وہ پابزنجیر دربار مین بھیجے جائین، چنانچہ اسی حال مین انکو رقہ روانہ کیا گیا، ابھی رقہ پہنچے بھی نہ تھے کہ مامون نے رومی سرحد پر وفات پائی اور اسکی جگہ معتصم باللہ سریرآرا ے خلافت ہوا،

اس سوء اعتقاد مین وہ بھی اپنے بھائی کی ضد پر قائم رہا، امام موصوف اس زمانہ مین رقہ مین قید تھے، معتصم جب روم سے واپس پھرا امام کو اپنے دربار مین طلب کیا، اور اپنے ہم عقیدہ علماء سے مناظرہ کرایا، امام نے اپنے دلائل پیش کئے، لیکن معتصم کو جو محض ایک سپاہی آدمی تھا اُنسے تشفی نہوئی، امام کے سامنے دو باتین پیش کین، قیدخانہ یا اپنی غلطی کا اعتراف، امام نے حق کی زنجیرون کو باطل کی آزادی پر ترجیح دی، اور ۳۰ مہینے مختلف قیدخانون مین گذارے، پاؤن زنجیرون سے بوجھل ہوجاتے تو

پاجامہ سے کمربند نکال کر زنجیرون کو باندھکر کمر سے لٹکا لیتے تھے، نماز اور سونے کے اوقات مین بیڑیان علحدہ کردیجاتی ہتین، پھر بدستور ڈالدیجاتی ہتین،

لیکن اس قید و زنجیر کے باوجود امام نے اپنا فرض کبھی فراموش نہ کیا، قیدیون کے ساتھ نماز مین امام بنکر کھڑے ہوتے تھے اور انکو نماز پڑہاتے تھے، طلبہ آتے تھے انکو درس دیتے تھے،

معتصم نے اُن پر دو نگہبان مقرر کئے تھے جو روز آکر پوچھتے تھے کہ تمہاری راے مین کچھ تبدیلی ہوئی، ہر روز جواب ملتا تہا کہ "نہین" آخر ایک روز خفا ہوکر نگہبانون نے حکم دیا کہ ایک کے بجاے امام کے پاؤن مین چار بیڑیان ڈالی جائین، امام نے اس تکلیف کو بھی صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا، معتصم نے انکی اس پامردی و استقلال کو دیکھکر فیصلہ کیا کہ قید و حبس کب تک؟ اب یا تسلیم یا تلوار، انکو پابزنجیر قیدخانہ سے اپنے دربار مین طلب کیا، امام موصوف فرماتے ہین کہ مجھے دربار مین لے چلنے کے لئے ایک سواری پر بٹھایا گیا، میرے دونون پاؤن بیڑیون سے اسقدر بوجھل تھے کہ قدم قدم پر مجھے ڈر تہا کہ منھ کے بل اب گرا اور تب گرا، اسی حالت مین خلیفہ کے دربار تک پہنچایا گیا جلاد ننگی تلوارین اور کوڑے لئے ہوئے سامنے کھڑے تھے، امام سے پوچھا گیا کہ اب بھی تم اپنی راے بدلنے پر طیار ہو، فرمایا "کتاب اللہ اور سنت رسول کے سوا مین اور کوئی چیز نہین قبول کرسکتا" جلادون کو حکم ہوا کہ کوڑے مارو، ہر کوڑے پر امام تسبیح و تہلیل فرماتے تھے، ۱۹ کوڑون پر جاکر غش کہاکر گر پڑے، پیٹھ اور شانون سے خون جاری تہا،

معتصم جسکے زور و قوت نے رومیون کے دل ہلا دیئے تھے، استقلال اور جرأت کے اس فرشتہ کو دیکھکر لرز گیا، اور اسی حالت مین اُنکی آزادی کا پروانہ لکھدیا، (طبقات سبکی)

ذیل مین ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جو ہمارے لئے بہت کچھ سبق آموز ہے، ابن طولون دولت عباسیہ کی طرف سے مصر کا گورنر تہا، خودسری نے اسکو خودمختاری پر آمادہ کیا، مصر کے

قاضی اس زمانہ مین حضرت بکار بن قتیبہ حنفی تھے، ابن طولون انکی بڑی خاطر کرتا تھا، ہر سال ایک ہزار اشرفیون کی تھیلی انکی نذر کیا کرتا تھا، ۲۷۰ھ مین جب خلیفہ سے اس نے بغاوت کا اعلان کیا، قاضی بکار سے درخواست کی کہ خلیفہ کی معزولی کا وہ فتوی دین، قاضی بکار نے اس حکم کے ماننے سے قطعاً انکار کیا، ابن طولون نے کہا اگر تم ہمارے حکم کو تسلیم نہین کرتے تو ہماری اشرفیون کی تھیلی واپس کردو، دنیا یہ سن کر محو حیرت ہو جائیگی کہ قاضی نے امیر مصر کے ایک خرمہرہ کو ہاتھ نہین لگایا تھا، اور اٹھارہ سال کی اٹھارہ تھیلیان اسی طرح سربمہر حجرہ سے باہر نکلوا دین، اس حیرت افزا واقعہ کے مشاہدہ سے ابن طولون شرم سے پانی پانی ہوگیا، اور اسی وقت حکم دیا کہ قاضی کو قید خانہ مین ڈالدو، یہ گوارا کیا لیکن حق کے خلاف خلیفہ کی معزولی کے فتوی پر دستخط نہ کیا،

قاضی بکار اسی قید کی حالت مین دو برس تک رہے، مصر کے علما نے آواز بلند کی کہ اگر قاضی موصوف اسی طرح قید مین رہے تو انکے علم کا خزانہ بھی ہمیشہ کیلئے سربمہر رہ جائیگا، ناچار ابن طولون نے قید خانہ مین ایک کھڑکی کھلوا دی، قاضی موصوف اسی کھڑکی مین بیٹھکر شائقین علم کو درس دیتے تھے، اسی نہج پر عمر گذار دی اور محبس کی تنگ و تار کوٹھری مین قول حق پر زندگی کی آخری سانس توڑی،[۵]

(باقی)

---

۵ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۹۱،

قرآن مجید مین بائبل کے حوالے

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD-7

قرآن مجید نے جابجا یہ دعوی کیا ہے کہ وہ تمام الہامی کتابون کا مصدّق ہے، اس بناپر وہ متعدد آیتون مین ان احکام و مضامین کو بیان کرتا ہے جو تورات وانجیل مین مذکور ہین لیکن کوتاہ نظر عیسائیون کا یہ اعتراض ہی کہ خداے اسلام بائبل سے قطعاً ناواقف تہا، اس لئے اس نے جہان جہان انکے احکام و مضامین کا ذکر کیا ہے وہ انکے مطابق نہین ہین،

اسکا صاف جواب تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے رُوسے بائبل خود محرّف ہے اس بناپر اگر اسمین یہ احکام و مضامین موجود نہین تو یہ خود اسکا نقص ہے، لیکن ہم اس پہلو سے چشم پوشی کرتے ہوئے صرف اسقدر کہتے ہین کہ قرآن مجید کے معجزات مین ایک نہایت عجیب معجزہ یہ ہے کہ اس نے بائبل کی جن آیتون کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تحریف کے گوناگون تغیرات کے بعد بھی اسمین موجود ہین، اور یہ وہ صداقت ہے جسکی تردید مین ایک آواز بھی نہین بلند کیجاسکتی،

اس مقصد کے واضح کرنیکے لئے ہم نے قرآن مجید سے اس قسم کی تمام آیتین جمع کی ہین، اور بائبل کی آیتون سے انکی تطبیق دی ہے، چنانچہ وہ آیتین حسب ذیل ہین،

۱- خداوندتعالےٰ قرآن مجید مین فرماتا ہے،

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس	اور ہم نے ان پر اس (توراۃ) میں لکھدیا ہے کہ جان کے
والعین بالعین والانف بالانف و	بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک
الاذن بالاذن والسن بالسن والجروح	کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور
قصاص .... (مائدہ ۷)	زخمون کا بدلہ ہے،

توراۃ تبلاتی ہے،

"اور اگر وہ اس صدمہ سے ہلاک ہوجاے تو تو جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے دانت، اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤن کے بدلے پاؤن، جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم، اور چوٹ کے بدلے چوٹ، (خروج ۲۱ ع ۲۳ تا ۲۵)

عبارت مذکورہ مین جن فقرون پر خط کھنچا ہوا ہے وہ قرآن مجید مین نہین ہین، اور غالباً تحریف ان فقرون کا اضافہ کیا ہے،

توراۃ مین دوسری جگہ ہے،

"اور وہ جو انسان کو مار ڈالے سو مار ڈالا جائیگا...... اور اگر کوئی اپنے ہمسایہ کو چوٹ لگائے سو جیسا کریگا ویسا ہی پائیگا، توڑنے کے بدلے توڑنا، آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، جیسا کوئی کسیکا نقصان کرے اس سے ویسا ہی کیا جائے" (احبار ۲۴ - ۲۰ تا ۲۰)،

۲ - قرآن مجید مین ہے،

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۔ (انعام)	اور ان لوگون پر جو یہودی ہوے ہمنے ہر ناخن والا جانور حرام کیا ہے،

توراۃ مین ہے،

"کران مین سے جو جگالی کرتے ہین یا کھرا نکے چرے ہوے ہوتے ہین انکو نہ کھاؤ، جیسے

اونٹ وہ جگالی تو کرتا ہے پر کھر اسکا چرا ہوا نہین ہوتا، سو وہ تمہارے لئے ناپاک ہے"

(احبار ۱۱-۴)

"اور سب پرندے جو چار پاؤن پر چلتے ہین وہ تمہارے لئے مکروہ ہین" (احبار ۱۱-۲۰)

چونکہ ظُفر کے معنی ناخن کے ہین اور اسکا اطلاق عربی مین انسان، پرند، ہاتھی، اونٹ، اور بہائم کے ناخنون اور پنجون پر بھی ہوتا ہے، اسلئے قرآن مجید اور توراۃ مین کوئی تخالف نہین،

لسان العرب[۱] مین ہے،

وقوله تعالیٰ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر دخل فی ذی الظفر ذوات المناسم من الابل والانعام لانها کالاظفار لها

خدا کے قول وعلی الذین ہادوا حرمنا مین جو ذی ظفر کا لفظ آیا ہے اسمین اونٹ اور بہائم بھی داخل ہین، کیونکہ اُنکے کھر گویا ناخن ہوتے ہین،

۲- قرآن مجید مین ہے،

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ .... (بقرہ)

تم پر روزے فرض کئے گئے، جس طرح کہ تم سے پہلون پر فرض کئے گئے تھے،

توراۃ مین ہے،

"اور یہ تمہارے لئے قانون دائمی ہوگا کہ ساتوین مہینہ کی دسوین تاریخ تم مین سے ہر ایک خواہ وہ تمہارے دیس کا ہو خواہ پردیسی جسکی بود باش تم مین ہے اپنی جان کو "دکھ" دے اور کسی طرح کا کام نہ کرے" (احبار ۱۶-۲۹)

"اور اس ساتوین مہینہ کی دسوین تاریخ مقدس جماعت ہوگی، اور تم اپنی جانون کو "دکھ" دو اور کچھ کام نہ کرنا" (گنتی ۲۹-۷)

---

[۱] لسان العرب صفحہ ۱۹۰ جلد ۶،

"اور ساتوین مہینہ کی پندرھوین تاریخ تہاری مقدس جماعت ہوگی، اس دن تم کوئی خدمت کا کام نہ کرو، اور سات دن تک خداوند کے لئے عید کرو،" (گنتی ب۲۹ - ع ۱۱)

ان آیتون مین جہان جہان "دکھ" کا لفظ آیا ہے، اس سے روزہ مراد ہے، کیونکہ قدیم صحیفون مین روزہ کے لئے یہی لفظ استعمال کیا جاتا، جدید صحیفون مین روزہ کا لفظ صاف طور پر مذکور ہے، چنانچہ سموائیل (۷ - ۶) مین ہے،

"سو وہ سب مصفاہ مین فراہم ہوے اور پانی بھر کے خداوند کے آگے انڈیلا اور اُسدن روزہ کیا"

یرمیاہ (ب۳۶ - ۶) مین ہے،

"پر توجا اور خداوند کی وہ باتین جو تونے میرے کہے سے اس طومار مین لکھی ہین خداوند کے گھر مین روزہ کے دن لوگون کے سامنے پڑھ سنا"۔

انجیل کی صحیفۂ متی (ب۶ - ۱۶) مین ہے،

"پھر جب تم روزہ رکھو ریاکارون کے مانند اپنا چہرہ اُداس نہ بناؤ"

"پر جب تو روزہ رکھے اپنے سر پر چکنا لگا اور منھ دھو" (متی ب - ۶ ۱۷)

"اور یوحنا اور فریسیون کے شاگرد روزہ رکھتے تھے، انھون نے اس سے کہا کہ یوحنا اور فریسیون کے شاگرد کیون روزہ رکھتے ہین، اور تیرے شاگرد روزہ نہین رکھتے، یسوع نے انہین کہا کہ کیا براتی جب تک کہ دولہا انکے ساتھ ہے روزہ رکھہ سکتے ہین، وہ جب تک دولہا انکے ساتھ ہے روزہ نہین رکھ سکتے، لیکن وہ دن آئین گے جب دولہا اُن سے جدا کیا جائیگا، تب انہین دنون مین وہ روزہ رکھین گے۔" (مرقس ب۲ - ۱۸ و ۱۹ و ۲۰، لوقا ب - ۶ ۳۳ تا ۳۵)

"مگر اس طرح کے دیو بغیر دعا و روزہ کے نہین نکالے جاتے" (متی ب۱۷ - ۶ ۲۱)

۴ - قرآن مجید میں ہے،

اَلَّذِیْنَ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ .... (آل عمران) (وہ پیغمبر) جسکو یہ لوگ اپنے ہان توراۃ وانجیل مین لکہا ہوا پاتے ہین،

توراۃ مین ہے،

"اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیون کے ساتھ آیا، اور اسکے دہنے ہاتھ مین ایک آتشین شریعت انکے لئے تھی" (استثنا ب ۳۳- ۲۶)

"خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا، اسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور اسکی حمد سے زمین معمور ہوئی" (حبقوق ب ۳- ۶)

"میرا دوست نورانی گندم گون ہزارون مین سردار ہے..... اور وہ بالکل محمدؐ یعنی تعریف کیا گیا ہے" (غزل الغزلات ب ۶-۱۰ لغایت ۱۶)

ان آیتون مین آنحضرت صلعم کی نہ صرف کہلی ہوئی مدح بلکہ نام تک نکلتا تہا لیکن افسوس ہے کہ بعد مین بائبل کے جو ترجمے ہوے ان مین ان الفاظ کو علم باقی رکہنے کے بجاے انکا ترجمہ کردیا گیا،

"سب قومون کو ہلا دونگا اور حمد سب قومون کا آئیگا" (حجی ب ۲- ۶ و ۷)

مین انکے لئے اُنکے بہائیون مین سے تجہسا ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اسکے منہ مین ڈالونگا، اور جو کچھ مین اُسے فرماؤنگا وہ سب اُن سے کہیگا، اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتون کو جنہین وہ میرا نام لیکے کہیگا نہ سُنے گا، تو مین اسکا حساب اس سے لونگا، لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جسکے کہنے کا مین نے اسے حکم نہین دیا یا اور معبودون کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جاے" (استثنا ب ۱۸ - ۱۵ و ۱۸)

اس پیشینگوئی مین جن فقرون پر خط کھنچا ہوا ہے وہ بعینہ کلام مجید مین موجود ہین مثلاً:

انا ارسلنا الیکم رسولا شاہدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا — ہمنے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا ہی جو تم پر گواہی دینیوالا ہی جیساکہ ہمنے فرعون کی طرف بھیجا تھا،

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ، — اور وہ اپنی خواہش سے کچھ نہین بولتا، وہ جو بولتا ہی صرف وحی ہوتی ہے،

ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین، — اور اگر وہ اپنے جی سے بعض باتین بنالے تو ہم اسکا ہاتھ پکڑکے اسکی شہ رگ کاٹ دین،

انجیل مین ہے،

"یہ امور مین نے تم سے کہے جبکہ تمہارے ساتھ ہون، لیکن پیریکلیطاس پاک روح جسکو باپ بھیجیگا، میرے نام سے ہر بات تمکو سکھادیگا، اور یاد دلادیگا تمکو تمام وہ باتین جو کہ مین نے تم سے کہی ہین" (یوحنا ب ۱۴ - ۲۵ و ۲۶)

"تاہم مین تم سے سچ کہتا ہون یہ بھلا ہے تمہارے لئے کہ یہان سے مین چلا جاؤن کیونکہ اگر مین نہ جاؤن تو پیریکلیطاس تمہارے پاس نہ آویگا" (یوحنا ب ۱۶-۷)

انجیل کے نئے ترجمون مین پیریکلیطاس کا ترجمہ تسلی دینے والا کیا گیا ہے، اور یہ بالکل صحیح ہے، لیکن بحث اسمین ہے کہ خود حضرت عیسےٰ نے یہ لفظ بولا تھا یا نہین، لیکن چونکہ یہ یونانی لفظ ہے اور حضرت عیسیٰ کی زبان عبرانی تھی، اسلئے یہ بالکل ناممکن ہی کہ انھون نے یہ لفظ استعمال کیا ہو، اسی بنا پر قدیم ترجمون مین یہ لفظ پیریکلیوطاس ہے جو ٹھیک عبرانی لفظ فارقلیط کا ترجمہ ہے، فارقلیط کے صحیح معنی عربی مین "احمد" کے ہین، جسکا تذکرہ قرآن مجید نے اس آیت مین کیا ہے،

واذ قال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی	اور جب عیسی بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری
رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی	طرف خدا کا رسول ہون، تصدیق کرتا ہون تورات کی
من التوراۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی	جو میرے سامنے ہے اور بشارت دیتا ہون ایک
اسمہ احمد (صفت)	رسول کی جو میرے بعد آئیگا، اسکا نام احمد ہے،

آنحضرت صلعم کے متعلق بائبل مین اور بھی بہت سی پیشینگوئیان ہین جنمین سے بعض خود صحابہ نے نکالی ہین[۱]، بعض ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح مین لکھی ہین، باجی زادہ نے الفارق بین المخلوق والخالق مین، مولانا محمد حسن صاحب امروہی نے تفسیر معالمات الاسرار مین، سرسید احمد خان نے خطبات احمدیہ مین، اور مولانا عنایت رسول صاحب چریاکوٹی نے البشری مین انکو مستقل طور پر جمع کر دیا ہے، لیکن چونکہ ان مین صریح طور پر آپکا ذکر نہین ہے، اس بنا پر ہم انکو نقل کرنا نہین چاہتے،

قرآن مجید مین ہے،

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ	اور انکی مثل انجیل مین مثل اس کھیتی کے ہے جس نے
فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ	اپنا ڈنٹھل نکالا، پھر اسکو مضبوط کیا، پھر وہ موٹا ہوا
الزُّرَّاعَ الخ .... (فتح)	پھر اپنے پیرون پر کھڑا ہو کر کسانون کو متعجب کرنے لگا،

انجیل مین ہے،

" آسمان کی بادشاہت خردل کے دانہ کے مانند ہے، جسے ایک شخص نے لیکے اپنے کھیت مین بویا وہ سب بیجون مین چھوٹا ہے، پر جب اگتا تو سب ترکاریون سے بڑا ہوتا، اور ایسا پیڑ ہوتا کہ ہوا کی چڑیان آکے اسکی ڈالیون پر بسیرا کرتین" (متی ۱۳ - ۳۱)

---

[۱] اسد الغابہ صفحہ ۱۶۹ جلد ۳ -

"خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسا ایک شخص جو زمین مین بیج بوئے، اور رات دن وہ سوئے اُٹھے، اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑہے کہ وہ نہ جانے" (مرقس ۴-۲۶)

"اور کچھ اچھی زمین مین گرا وہ اُگا اور بڑہ کے پہلا، بعض ۳۰ گنا، بعض ۶۰ اور بعض ۱۰۰ گنا" (مرقس ۴-۳)

۶ - قرآن مجید مین ہے،

کل الطعام کان حلاً لبنی اسرائیل	تمام کہانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے مگر وہ
الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ من قبل	جنکو اسرائیل نے توراۃ نازل ہونے سے قبل اپنے
ان تنزل التوراۃ..... (آل عمران)	اوپر خود حرام کر لیا تھا،

توراۃ مین ہے،

"تم بنو اسرائیل سے کہو سب چارپایون مین سے جو زمین پر ہین اور جنہین انکا کہانا روا ہے یہ ہین" (احبار ۱۱-۲)

اسکے بعد ان جانورون اور اُن جانورون کی جو حرام کئے گئے ہین تفصیل ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے وہ جانور حلال تھے، ورنہ اب انکے حرام ہونے کے کیا معنی ہوسکتے ہین؟ حضرت اسرائیلؑ (حضرت یعقوبؑ) نے اپنے اوپر جس چیز کو حرام کیا تھا، وہ بالکل مشتبہ ہے، اور ہم نے انکے حالات غور سے پڑھنے کے بعد بھی سخت ناکامی اُٹھائی ہے، تاہم ایک آیت مین یہ اشارہ موجود ہے جو ہماری وشک شوئی کے لئے کافی ہے،

"اس سبب سے بنی اسرائیل اس رگ کو جو ران مین چڑھی ہوئی ہے آج کے دن تک نہین کہاتے کیونکہ اس (خدا) نے یعقوب کی ران کی نس کو جو چڑھی ہوئی تھی چھوا تھا" (پیدائش ۳۲-۳۲)

۷ - قرآن مجید مین ہے،

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (انبیاء)

اور البتہ ہمنے زبور مین ذکر کے بعد لکھدیا ہی کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہونگے،

زبور مین ہے،

" وہ کونسا انسان ہے جو خداوند سے ڈرتا ہے وہ اسکو وہی راہ جو پسند ہے بتائیگا، اسکا جی چین سے رہیگا اور اسکی نسل زمین کی وارث ہوگی" (۲۵ زبور ۱۲)

چونکہ قرآن مجید نے ہمکو بتایا ہے کہ زبور مین وہ عبارت "ذکر" کے بعد ہے، اسلئے ہمکو ذکر کا بیان تلاش کرنا چاہیئے، لیکن سب سے پہلے خود ذکر کے معنی سمجھ لینا نہایت ضروری ہین، مفسرین نے ذکر کے معنی مین سخت اختلاف کیا ہے، سعید بن جبیرؓ وغیرہ کے نزدیک لوح محفوظ، اور قتادہ اور شعبی کے نزدیک تورات مراد ہے، بعضون نے کچھ اور سمجھا ہے، اور امام رازی نے لکھا ہی کہ ذکر کے معنی علم ہین، لیکن ظاہر ہے کہ انمین سے کوئی تاویل مناسب نہین،

ہمارے نزدیک ذکر سے مراد "وعظ و پند" ہے، اور قرآن مجید عموماً اس لفظ سے یہی مراد لیتا ہے، اب یہ معنی ہوئے کہ "ہمنے پند و موعظت کے بعد یہ لکھا ہے" اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ صحیح دوسری تفسیر نہین ہوسکتی، چنانچہ یہ زبور سرتاپا پند و موعظت ہے، جسکا پہلا فقرہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

" بدکارون کے سبب تو مت کڑھ، برے کام کرنے والون سے تو حسد نہ کر"

بہرحال زبور کی وہ آیتین جو ذکر کے بعد ہین، یہ ہین،

" لیکن وہ جو خداوند کے منتظر ہین، زمین کو میراث مین لینگے" (۳۷ زبور ۹) "لیکن وہ جو حلیم ہین زمین کے وارث ہونگے" (" ۱۱) کہ جن پر اسکی برکت ہے، زمین کے وارث ہونگے" (" ۲۲)

"صادق زمین کے وارث ہونگے اور ابد تک اسپر بسین گے" (" ۲۹)

فلسفۂ لیبان

(۴)

از مولانا عبد السلام ندوی

پیروان مذہب | مذہب نے ہمیشہ اپنے ابتدائی زمانہ مین اس حقیر گروہ کے ذریعہ سے نشو و نما حاصل کی ہے جسکی نسبت ایک طرف تو دنیوی جاہ و غرور طنز آمیز لہجہ مین کہتا تھا،

انومن لک واتبعک الارذلون، کفار نے (نوح سے) کہا کیا ہم تجھپر ایمان لائین حالانکہ رذیلون نے تمہاری پیروی کی ہے،

دوسری طرف الہامی زبان بشارت دیتی تھی،

والسبقون السبقون اولئک المقربون، جو لوگ پہلے ایمان لاے وہ مقدم اور مقرب بارگاہ الٰہی ہین،

اگر مذہبی حیثیت سے قطع نظر کیجاے تو دونون آیتین مساویانہ حیثیت رکھتی ہین، اگر مذہبی گروہ کے نزدیک زخارف دنیوی ایک "دہوکا دینے والے سراب ہین" تو جو لوگ دولت و ثروت کے نشہ مین چور ہین، انکے نزدیک جنت کا خیال ایک "امید موہوم" اور ایک دلخوش کن خواب ہے، خود مذہب ان مین کسیکو ترجیح نہین دیسکتا کہ وہی مورد بحث و نظر ہے، البتہ دنیا کی تمدنی تاریخ اس نزاع کا فیصلہ کر سکتی ہے، لیبان نے اس "حقیر گروہ" پر اسی حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور اُسکو دنیا و آخرت دونون کا بادشاہ تسلیم کیا ہے، اُخروی بادشاہت کا تاج تو انجیل مقدس نے پہلے ہی اس گروہ کے سر پر رکھدیا تھا، لیکن لیبان اس تاج مین ایک در موتی کا اضافہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ،

"ضعیف العقل لوگون کے لئے صرف آسمانی ہی بادشاہت کا دروازہ کھلا ہوا نہین ہے

جیسا کہ انجیل نے بار بار بشارت دی ہے، بلکہ اگر وہ لوگ زلزلہ انگیز یقین رکھتے ہین تو

دنیوی سلطنت کا تاج بھی اُنکے سر پر نظر آسکتا ہے"،

لیبان نے جن فلسفیانہ دلائل اور تاریخی شواہد کی بنا پر یہ دعوی کیا ہے، اسکی تفصیل

یہ ہے کہ مذہب ایک عظیم الشان تمدنی اصول ہے، چنانچہ،

"قرون وسطی کی زندگی صرف دو اصول پر قائم تھی، یعنی مذہب اور امرار کی سیادت"

اس لئے، اُس کو تمدنی زندگی کے تمام مراحل طے کرنے پڑے ہین، اور آخر مین

وہ اس نقطہ تک پہنچگیا ہے جسکے آگے ترقی کی کوئی منزل نہین، ان اصول کی

"ترتیب اس طرح شروع ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے ان بلند خیال لوگون کے دماغ سے

جنھون نے اسکو پیدا کیا ہے اُتر کر اُسکے نیچے کے طبقے مین نمایان ہوتے ہین، پھر غالب بدلتا ہوا

اُس سے کم درجہ کے لوگون تک اثر کرتے ہین، یہانتک کہ رفتہ رفتہ تمام قوم پر چھا جاتے ہین،

اب اُنکی کامیابی کا دور ختم ہوجاتا ہے، اور اس حالت مین اُسکو نہایت مختصر الفاظ مین بیان

کیا جاسکتا ہے، یہانتک کہ بعض اوقات صرف ایک لفظ مین اُسکی تشریح کیجا سکتی ہے لیکن

یہ لفظ اسقدر موثر ہوتا ہے کہ دفعتہً دلون کو ہلا دیتا ہے، قرون وسطی مین اس قسم کے الفاظ کی

مثال کے لئے "جنت" اور "دوزخ" سے بہتر لفظ نہین مل سکتا،

ترتیب مدارج کے لحاظ سے اگرچہ یہ ایک تنزل ہے، لیکن تمدنی حیثیت سے درحقیقت

یہ ایک عظیم الشان ترقی ہے، کیونکہ یہ اصول،

"جب ان سادہ لوح لوگون کے قلوب مین مرتکز ہوجاتے ہین جو بغیر بحث و مباحثہ کے

انکو قبول کرلیتے ہین تو پہاڑ کی طرح اٹل ہوجاتے ہین، اور سیلاب کی طرح پھوٹ بہتے ہین،

چنانچہ ہر قوم مین اس قسم کے لاکھون آدمی مل سکتے ہین، جھون نے اپنے اصول راسخہ کیلئے اپنی جانین بیدریغ قربان کی ہین، یہی وہ عالم ہے جسمین وہ عظیم الشان واقعات ظہور پذیر ہوتے ہین جو تاریخ مین انقلاب عظیم پیدا کر دیتے ہین، لیکن اس انقلاب کی سرخیل صرف عوام ہی کی جماعت ہوتی ہے، دنیا مین آج تک انشاپرداز، صناع، اور فلاسفہ کا گروہ نہ کسی عالمگیر مذہب کا علمبردار ہوا نہ ان سلطنتون کی بنیاد ڈالی جو کرۂ ارضی کے اس سرے سے اُس سرے تک پھیل گئین، نہ اس نے وہ مذہبی اور سیاسی شورشین برپا کین، جھون نے یورپ کی کایا پلٹ دی بلکہ ان انقلابات کے بانی صرف وہ اَن پڑھ لوگ ہوئے جھون نے اصول کے اذعان واعتقاد اور انکی حمایت کے مقابل مین اپنی جانون کو ایک متاع حقیر خیال کیا، اسی گروہ کے بل پر بادیہ نشینان عرب نے یونان اور روم کے پرخچے اڑادیے اور دنیا مین ایک ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کرلی جو تاریخ مین یادگار رہے "

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ہر موقع پر زخارف دنیوی کو "فتنہ" کا خطاب دیا ہے،

انما اموالکم و اولادکم فتنہ، تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہین،

کیونکہ مذہب کا سکہ صرف دلون کی ٹکسال مین ڈھلتا ہے، اور جنکی جیب درم و دینار سے پُر ہوتی ہے، انکا پہلو دل سے خالی ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت پناہؐ نے جب اس حقیر گروہ کے ایک فرد سے بے اعتنائی فرمائی تو خدا کی چشم عتاب کی گردش نے اشارون مین کہا

عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَہُ الْاَعْمٰی وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزَّکّٰى،

اس نے منہ بنا دیا اور پیٹھ پھیر لی اس بنا پر کہ اسکے پاس ایک اندھا آیا، تمکو کیا معلوم ہے شاید وہ پاکیزہ باطن ہو جائے،

کیونکہ یہ بے اعتنائی اس "سلسلۂ زرین" کی ایک کڑی کو نظر انداز کر دیتی ہے جو مذہب کی ریڑھ کی ہڈی ہے،

تمدن جدید اور مذہب | لیبان کا خیال ہے کہ

"کسی عقیدہ کی قوت ونفوذ کو صرف وہی عقیدہ ضعیف کرسکتا ہے جو قوت اور نفوذ مین اُسکے برابر ہوگا"

اس بنا پر اسکے نزدیک

"ایمان کا دشمن صرف ایمان ہی ہوسکتا ہے"

اسقدر مسلم ہے کہ اس زمانہ مین بہت سے دشمنان ایمان پیدا ہوگئے ہین اور مذہب کی طاقت بالکل زائل ہوگئی ہے، خود لیبان کو یہ رونا ہے کہ

"اب خدا، نظام حکومت، اور مذاہب سب کے سب گوشہ نشین ہوگئے ہین، اس زمانہ کے تمدن نے تقریبًا ان تمام اصول کو فنا کردیا ہے جن سے عادت اور عقیدہ کو مدد ملتی تھی، اسلئے اُنکا اثر زائل ہوگیا ہے"

کوئی تمدن بغیر اصول کے قائم نہین رہ سکتا، اسلئے سوال یہ ہے کہ موجودہ دور مین کونسا اصول ہے جو مذہب کا قائم مقام ہوسکتا ہے، لیبان کے نزدیک،

"قدیم اصول جو تمدن کا ماخذ تھے اپنے نفوذ و قوت کو کھو چکے ہین اور جدید اصول کو ابتک ثبات واستحکام حاصل نہین ہوا ہے"

اسلئے موجودہ دنیا جن ستونون پر قائم ہے وہ خود متزلزل ہین اور اسلئے،

"جب تک ان اصول کی جگہ جدید اصول نہ قائم ہوجائین، خیالات مین طوائف الملوکی قائم رہیگی"

موجودہ تمدنی اصول مین صرف ایک اصول سب سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہوگیا ہے، یہانتک کہ وہ اپنی کامیابی کے اس دور تک پہنچ گیا ہے، جسمین اصول کی تشریح صرف ایک لفظ مین کیجاسکتی ہے،

" قرون وسطی مین اس قسم کے الفاظ کی مثال کے لئے "جنت اور دوزخ" سے بہتر لفظ نہین مل سکتا، اور مزدوری پیشہ جماعت کے لئے اس زمانہ مین "اشتراکیت" کا لفظ بھی اسی قسم کا عجیب و غریب اثر رکھتا ہے"

موجودہ تمدن نے جو مختلف فرقے پیدا کر دیئے ہین، ان مین قوت ایمان کے لحاظ سے صرف سوشیالسٹ ہی لوگ قدیم مذہبی گروہ کے حریف مقابل ہو سکتے ہین، اِس لئے اس اصول کی بنا پر کہ

" فتح ہمیشہ ایمانداروں ہی کو ہوتی ہے"

اگر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ

" مستقبل صرف اُنکے ہاتھ مین رہیگا تو اسکی صرف یہ وجہ ہے کہ اس زمانہ مین سوشیالسٹ فرقہ کے سوا کسی گروہ کا عقیدہ پختہ اور صحیح نہین ہے،

اس گروہ کی راہ مین صرف ماہران سیاست کا گروہ حائل ہے لیکن،

" وہ اپنی قوت یقین کو اس بیدردی کے ساتھ ضایع کر چکا ہے کہ ان بربرہ کے سیلاب کو بھی نہین روک سکتا جو ہر طرف سے اُمنڈ اُمنڈ کے اُسکا محاصرہ کر لینا چاہتا ہے"

اسلئے اس گروہ کی شکست، اور سوشیالسٹ فرقہ کی فتح یقینی ہے، لیکن کیا ایسا راسخ عقیدہ، ایسا مستحکم مذہب، ایسا قوی گروہ دنیا کے لئے اُن برکات کا خزانہ کھول سکتا ہے، جسکو مذہب نے قرون وسطی مین وقف عام کر دیا تھا؟ لیبان کے نزدیک مذہب ایک مرقع امید ہے کیونکہ،

" مذہب خوف سے نہین بلکہ اُمید سے پیدا ہوتا ہے"

اور اشتراکیت اور فوضویت ہمہ تن یاس و حرمان مین اسلئے

جن لوگون نے ایمان کی قوت کو کھو دیا ہے اور یاس و حرمان نے اُنکے قلوب کا

احاطہ کرلیا ہے وہ انہین دونون الفاظ کا نعرہ بلند کرتے رہتے ہین"

پھر ایسی حالت مین کیا

"ایک یورپین جو ایک دائمی اضطراب مین مبتلا رہتا ہے اور جسکے اعصاب دماغی متزلزل ہوگئے ہین، جو اپنی تقدیر پر قانع نہین ہے، اس مشرقی آدمی کا مقابلہ کرسکتا ہے جو راضی برضاے الٰہی ہے؟

مذہب نے ہمیشہ دنیا کی ہر طاقت کو زندہ رکھا تھا لیکن اشتراکیت موجودہ دور کی سب سے بڑی طاقت کو فنا کرنا چاہتی ہے، اس زمانہ کی متمدن قومون نے

"براعظم یورپ مین مسلح پاسبانون کی ایک قطار کھڑی کردی ہے"

اور یہی انکی سب سے بڑی طاقت ہے لیکن یہاں پوچھتا ہے

"کہ اسکا نتیجہ افلاس کے سوا اور کیا ہوگا؟ اور اگر بالفرض اس فوج گران نے اپنی دولت، اتحاد، اور قوت کا کچھ حصہ محفوظ بھی رکھا تو اشتراکیت جو شخصی حکومتون کو مٹاکر انکی جگہ ایک عام قومی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے اسکو ایک نہ ایک دن ضرور فنا کردیگی"

اور اسکا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ

اقتصادی لڑائیون کے بعد اشتراکیت وحشی قومون کے لئے راستہ صاف کردیگی اور وہ ٹوٹ ٹوٹ کر یورپین قومون پر گرینگی اور انکے تمدن کو نگل جائنگی"

پس موجودہ زمانہ مین کوئی تمدنی اصول صحیح طور پر مذہب کا قائم مقام نہین ہے اور اگر دنیا نے اس اصول کو ہمیشہ یاد رکھا ہے تو اب اسکو اور بھی زیادہ یاد رکھنا چاہیئے کہ

"مرنے والے معبودون سے زیادہ کوئی چیز زیادہ برباد کرنے والی نہین ہے"

موجودہ دور مین مذہبی جذبات بالکل پژمردہ ہوگئے ہین، اور ابتک جدید اصول کا خمیر پختہ

نہین ہوا ہے، اسلئے تمدنی ترقی کا سنگ بنیاد بالکل متزلزل ہے، اور خیالات مین ایک عام طوائف الملوکی پائی جاتی ہے،

البتہ اس طوائف الملوکی کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ بحث ومناظرہ کی متحمل ہوسکتی ہے اس بنا پر ہر انشا پرداز، ہر فلسفی، اور ہر غور وفکر کرنے والے دماغ کو شکر گذاری کے ساتھ اس دور سے سرعت کے ساتھ فائدہ اُٹھانا چاہیئے، اس دور کو اگرچہ انحطاط وتنزل کا دور خیال کیا جاتا ہے تاہم اسمین عقل کو کامل آزادی سے فائدہ اُٹھانیکا موقع حاصل ہے، اسلئے ہر شخص کو اس آزادی سے جلد فائدہ اُٹھا لینا چاہیئے، کیونکہ،

" یورپین قومین ایسے دور کی طرف قدم بڑھا رہی ہین جو بحث ومباحثہ اور حریت آزادی کا متحمل نہین ہوسکتا، جسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی جدید مذہب اسوقت تک استحکام حاصل نہین کرسکتا جب تک اُسمین نقد وبحث کا سد باب نہو جائے، اور قدیم مذاہب کی طرح وہ معارضہ کا متحمل نہو سکے "

لیکن درحقیقت یہ بحث،

" نہایت خطرناک ہے، کیونکہ قومی زندگی پرسبسے زیادہ اساسی اصول کی تغیر وتبدل کا اثر پڑتا ہے، شورش اور جنگ بہت زیادہ موثر چیز نہین، انکی پیدا کی ہوئی خرابیون کی اصلاح ہوسکتی ہے، لیکن ان اصول کے بدلنے سے تمام تمدنی شاخون مین تغیر پیدا ہوجاتا ہے اسلئے جس شورش سے تمام قومون کی زندگی معرض خطر مین پڑجائیگی، وہ صرف وہ شورش ہی جو خیالات وافکار مین پیدا ہوگی "۔

اسوقت دنیا اسی قسم کی تجربہ گاہ بنی ہوئی ہے، اسلئے ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موجودہ تمدن نے مذہب سے آزاد ہوکر دنیا کو ایک عظیم الشان خطرہ مین مبتلا کردیا ہے،

باب التربیۃ والتعلیم

تاتاری مسلمان

اور

تعلیم عربی

از مولانا عبدالسلام ندوی

آجکل ہندوستان مین اصلاح نصاب و اصلاح مدارس عربیہ کی تحریک جاری ہی صرف علماے ندوہ ہی اس بدعت کے موجد نہین بلکہ دوسرے اسلامی ممالک کے علما نے بھی عملاً اس تحریک کی تائید کی ہے، اور جن اسباب نے علماے ندوہ کو اسپر آمادہ کیا ہی انہین نے دوسرے ممالک کے علما کو بھی اس طرف توجہ دلائی ہے،

اسوقت ہمارے سامنے تاتاری مسلمان ہین جو ہندوستان کے مسلمانون سے کہین زیادہ جامد، متعصب، اور تقلید پرست ہین، لیکن زمانہ نے اُنکو بھی اُسی سانچے مین ڈھال لیا ہے، جسمین ہم ڈھلنا چاہتے ہین،

تاتاری مسلمانون مین تعلیم عربی کا نظام نہایت فیاضی اور نہایت وسعت کے ساتھ قائم ہے، اور وہ اسمین حکومت کی سرپرستی و اعانت کے محتاج نہین ہین، بلکہ جب کبھی حکومت نے انکے نظام تعلیم مین مداخلت کرنا چاہا ہے تو انھون نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا ہے،

انھون نے اپنے بچون اور اپنے نوجوانون کے لئے جو مکاتب و مدارس قائم کئے ہین، کیتھرائن کے زمانہ سے پہلے غالباً ان مکاتب و مدارس کی تعداد کم تھی، لیکن جب اُس نے تعمیر مساجد و قیام مدارس کی عام آزادی دی تو اسمین تدریجی ترقی ہوئی، اور رفتہ رفتہ ہر گاؤن،

ہر محلہ، اور ہر مسجد کے پہلو مین مکاتب و مدارس قائم ہوگئے، چنانچہ چھوٹے چھوٹے گاؤن جہان روسی قوانین کے رُو سے مسجد تعمیر نہین کیجا سکتی تھی، وہان اگرچہ مکاتب قائم نہ ہو سکے تاہم خود وہان کے امام کے متعلق یہ خدمت کیگئی کہ وہ وہان کے بچون کو خود اُنکے گھرون پر جاکر تعلیم دے، عیسائی پادریون نے جب نظام تعلیم مین تغیرات کرکے عیسائیت کو پھیلانا چاہا تو بعض صوبون کے مکاتیب کی ایک فہرست مرتب کی جو حسب ذیل ہے،

قازان	۷۳۰	اوفا	۱۰۰۰

ان مکاتب مین جو طلبا تعلیم پاتے تھے انکی تعداد ۴۰۰۰۰ تھی، اگر ان صوبون کی مردم شماری کے لحاظ سے ان مکاتب کی تقسیم اشخاص پر کیجائے تو صوبہ قازان مین ۷۸۰ آدمیون کے حصہ مین ایک مکتب پڑتا ہے اور ان مین ۴۴ آدمی تعلیم پاتے ہین، اسی طرح صوبہ اوفا مین ۷۸۴ آدمیون کے مقابل مین ایک مکتب پڑتا ہے، اور ۲۰ آدمی تعلیم حاصل کرتے ہین، یہ مکاتب ازتا بعدارث علما مین منتقل ہوتے رہتے ہین اور ان مین صرف اخلاقی اور مذہبی تعلیم دی جاتی ہے،

ان مکاتب کے علاوہ بڑے بڑے مدارس ہین جنمین ۱۶ برس کے سن کے لڑکے داخل کئے جاتے ہین، اور اُنکو بھی مسلمانون نے خالص اپنے مصارف سے قائم کیا ہے،

سلطنت کی طرف سے جب انتہائی مداخلت ہوئی تو اس ضد سے روسی مسلمانون مین مساجد کی تعمیر اور مکاتب و مدارس کے قیام کا اور بھی شوق پیدا ہوا، اور دولتمند لوگون مین اسکے متعلق باہم مسابقت پیدا ہوئی، اور ان لوگون نے اپنے ذاتی روپیہ سے بکثرت مدارس و مکاتب قائم کئے اور اُنکے تمام ضروری مصارف کا بار اپنے سر لیا، پہلے معلمین کی تنخواہین صدقہ کے مال سے دیجاتی تھین، اب ان امرا نے اُنکی تنخواہین خود دینا شروع کین جو مدارس

شہرون مین قائم تھے، انکا انتظام بھی انہین امراء کے ہاتھ مین تہا، البتہ گاؤن کے مدارس ومکاتب کا انتظام خود طلبہ کرتے تھے، لیکن ان مدارس مین طلباء کے قیام کا کوئی انتظام نہ تہا چھوٹے بچون مین بعض لڑکے خود مکتب ہی مین قیام کرتے تھے، اور بعض اپنے گھرون پر رہتے تھے، لیکن بڑے طلباء عموماً مکاتب ومدارس ہی مین قیام کرتے تھے، سال مین سات مہینے تعلیم دیجاتی تھی جو اکتوبر سے شروع ہوکر اپریل مین ختم ہوجاتی تھی،

ان بچون کو امام یا مدرس تعلیم دیتا تہا، اور جن مدارس مین اوپر کے درجے کے طلباء ہوتے تھے ان مین چھوٹے بچے ان پر تقسیم کردیئے جاتے تھے اور وہی اُنکو تعلیم دیتے تھے،

بچون کا نصاب اور طریقۂ تعلیم یہ تہا کہ دو سال تک صرف اسقدر تعلیم دیجاتی تھی کہ طلباء مین حروف شناسی اور الفاظ کے صحیح تلفظ کی قابلیت پیدا ہوجائے، اسکے بعد قرآن مجید، اور قرآن مجید کے بعد بعض ترکی رسالے پڑہائے جاتے تھے جو خرافات کا مجموعہ ہوتے تھے، پھر اسکے بعد بعض فارسی اور عربی رسالے مثلاً شروط الصلاۃ، چہل حدیث، لباب، ایک حکایت، تعلیم الصلاۃ، اور تحفۃ الملوک کی تعلیم دیجاتی تھی، اسکے بعد صرف ونحو شروع کرائی جاتی تھی، اور اسمین دو کتابین یعنی بدان، اور شرح عبداللہ فارسی پڑہائی جاتی تھی، اور اسمین تقریباً دو برس کی مدت صرف ہوتی تھی،

اسکے بعد نحو مین عوامل جرجانی، انموذج زمخشری، کافیہ، شرح جامی مع حاشیہ عبدالغفور وعصام ولبیب پڑہائی جاتی تھی، اور اُسپر نحو کی تعلیم کا خاتمہ ہوجاتا تہا، اب منطق کی باری آتی تھی اور اس فن مین شرح ایساغوجی مع حواشی ملا لقمان، ملّا صادق، محی الدین بردعی، اور حاشیہ سیالکوٹی، قطبی مع حاشیہ میر سیالکوٹی اور معنی زادہ پڑہائی جاتی ہتین، اسکے بعد علم کلام شروع کرایا جاتا تہا، اور اُسمین شرح عقاید نسفی، مع حاشیہ خیالی، سیالکوٹی، اور ملّا احمد وغیرہ کی تعلیم دیجاتی تھی،

اسکے بعد پھر منطق کا سلسلہ شروع ہوتا تھا، اور اسمین سلم، قاضی مبارک، حمداللہ، ملاحسن، ملاجلال، میر زاہد پڑہائی جاتی ہیتن،

فلسفہ مین صرف الہیات شرح حکمۃ العین، اور اصول فقہ مین توضیح وتلویح، اور علم کلام مین شرح مواقف کی تعلیم دیجاتی تھی، بعض مدارس مین عقاید نسفی کے بعد شرعۃ الاسلام، طریقہ محمدیہ، اور عین العلم کی تعلیم بھی ہوتی تھی اور انکو فن حدیث کی کتاب خیال کیا جاتا تھا، بعض مدارس مین مختصر الوقایہ اور ہدایہ بھی داخل درس ہیتن، تفسیر وحدیث کی کوئی کتاب داخل درس نہ تھی، بعض اساتذہ مشکوۃ اور بیضاوی البتہ پڑہاتے تھے،

یہ نصاب تعلیم بالکل مدارس بخارا کے طرز پر قائم کیا گیا تھا، اور اس نصاب کے ختم کرلینے کے بعد ہر شخص عالم جید کے لقب کا مستحق ہوجاتا تھا، اور سب سے بڑا عالم وہی خیال کیا جاتا تھا جو ان کتابون کو پڑھ کر دوسرے کو پڑہادے،

ان فارغ التحصیل طلبار کے نزدیک بخارا ہی سب سے بڑا علم کا مرکز تھا، اسلئے تعلیم سے فارغ ہوکر کم از کم ہر مستعد طالب العلم سمرقند اور بخارا کا سفر لازمی طور پر کرتا تھا، اور وہان کم از کم دو تین برس قیام کرتا تھا، بخارا کا یہ علمی سفر اگرچہ نتائج کے لحاظ سے کچھ مفید نہ تھا، تاہم جس شوق سے طلبار اس سفر کا احرام باندھتے تھے، اس سے علماے سلف کے قدیم علمی شوق کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، بہت سے طلبا سر پر اپنی کتابین، اور پیٹھ پر اپنا اسباب لاد کر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ بخارا کو روانہ ہوجاتے تھے، بخارا مین چونکہ مکانات کرایہ پر ملتے تھے، اور ان طلبار کا افلاس اسکو برداشت نہین کرسکتا تھا، اسلئے بہت سے طلبار فتح آباد مین جہان طلباے قازان کو مکانات مفت ملتے تھے اور جو بخارا سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے قیام کرتے تھے، اور وہان سے بخارا مین آکر درس حاصل کرتے تھے، اس طرح انکو

آنے جانے مین روزانہ دو تین میل پا پیادہ چلنا پڑتا تھا، جو طلبا ان تکالیف کی وجہ سے مبتلاے مرض ہوکر انتقال کر جاتے تھے، وہ اس خیال سے کہ اُنھون نے شوق علم مین جان دی ہے اپنے آپکو شہید خیال کرتے تھے،

حکومت نے بعض پولٹیکل مصالح سے طلبار کو بخارا کے سفر سے روکنا چاہا، لیکن یہ روک ٹوک بھی انکے علمی شوق مین خلل انداز نہوئی، اور اب اُنھون نے تجارت کے بہانے سے بخارا کا سفر شروع کیا،

جو طلبار بخارا مین اپنی تعلیم کی تکمیل کر چکتے تھے، ان مین بعض کو امراے بخارا وظیفہ دیکر خود درس و تدریس کے لئے روک لیتے تھے، اور بعض اپنے وطن مین آکر اپنی قوم کے طلبار کو تعلیم دیتے تھے، لیکن جب بخارا و سمرقند روس کے زیر اقتدار آگئے تو روسی مسلمانون کے دل سے انکی علمی وقعت جاتی رہی، اور اُنھون نے دوسرے ممالک کا رخ کیا، خوش قسمتی سے ریل اور جہاز نے راستہ کی مشکلات کو کم کر دیا تھا اسلئے قسطنطنیہ، مصر، اور حرمین کا سفر انکے لئے آسان ہوگیا، اور وہان کے طریقۂ تعلیم و نصاب درس کو پڑھکر اُنھین معلوم ہوا کہ بخارا کو جو کچھ علمی فضیلت حاصل ہے وہ زمانہ گذشتہ کے لحاظ سے ہے، موجودہ حالت مین اسکا علمی پایہ کچھ بلند نہین ہے، اسلئے اکثر طلبا نے بخارا کے سفر کو ترک کر دیا، اور یہ گویا انکی تمام تر اصلاحات کا سنگ بنیاد تھا،

اب مختلف ممالک کے سفر اور مختلف ممالک کے مسلمانون کے میل جول سے انکو معلوم ہوا کہ اُنھون نے جو طریقۂ تعلیم اختیار کیا تھا اسکے ذریعہ سے نہ سلف کی طرح، حدیث، تفسیر، فقہ، اخلاق، اور معانی و بیان مین مہارت پیدا ہوتی، نہ ترقی یافتہ قومون کی طرح علوم جدیدہ مین کمال حاصل ہوتا، اسلئے جبکہ تمام قومین آگے بڑھ رہی ہین، تاتاری اپنا قدم پیچھے ہٹا رہی ہین،

اسی زمانہ مین ابتدائی تعلیم کے بعض جدید اصول کو جو قسطنطنیہ مین رائج تھے، اسمعیل مرزا قریمی نے اپنے ملک مین بھی رائج کیا اور اپنے اخبار ترجمان کے ذریعہ سے انکے فواید کی اشاعت کی، جنکو وہان کے برگزیدہ اصحاب نے قبول کر لیا، اور رفتہ رفتہ انکے مطابق یہان بھی تعلیم کا رواج ہو گیا، اسکے بعد ابتدائی تعلیم کے نصاب مین جو لغو و مزخرف رسالے داخل تھے وہ خارج کر دیے گئے اور اسکے بجاے ایسے رسالے داخل کئے گئے جو اعتقادات، عبادات اور معاملات کے مسائل پر مشتمل تھے، اسکے بعد صرف و نحو کی بعض ابتدائی کتابین تاتاری زبان مین ترجمہ کیگئین، تعلیم کیلئے تنخواہ دار معلمین مقرر کئے گئے جنکا کام تعلیم کے سوا اور کچھ نہ تہا، تعلیم کے اوقات مقرر کئے گئے، نصاب سے غیر مفید کتابین نکال ڈالی گئین، اور ضروری علوم مثلاً معانی بیان بدیع، عروض، تفسیر، اور حدیث کی کتابین داخل کی گئین، بعض جدید علوم مثلاً حساب، جغرافیہ، اور تاریخ کی کتابین بھی داخل نصاب کی گئین،

اصلاح نصاب کے علاوہ اور مختلف قسم کی اصلاحات عمل مین آئین، پہلے مدرسہ مین طلبا کے آنے جانے کا وقت مقرر نہ تہا، اب وقت مقرر کیا گیا، پہلے طلبا اپنا کہانا خود پکاتے تھے، اب کہانا پکانے کے لئے باورچی مقرر کئے گئے، اس طریقہ سے طریقۂ تعلیم اور مدارس عربیہ کی حالت مین ایک محسوس اصلاح ہو گئی، اور یہ طریقہ تمام ملک مین اصول جدیدہ کے لقب سے مشہور ہوا، امراء کو اس طریقہ کے فواید نظر آے تو انھون نے نہایت فیاضانہ طریقہ سے اسکی حوصلہ افزائی کی، اور خود اپنے مصارف سے متعدد مکاتب و مدارس قائم کئے، جنمین اسی اصول کے موافق تعلیم دیجانے لگی، لیکن موافقین کے ساتھ ساتھ علما مین ایک گروہ مخالفین کا بھی پیدا ہوا، جنمین دو قسم کے لوگ تھے، ایک تو محض رشک و حسد سے اس طریقہ کو بدعت، کفر، اور اصول سلف کے مخالف سمجھتے تھے، اور دوسرے لوگ حقیقتہً اپنی جہالت و ناواقفیت سے

اُسکو بُرا سمجھتے تھے، اور اسپر سخت لعن وطعن کرتے تھے، ان لوگون کو مخالفت کا ایک اور موقع یہ ہاتھ آیا کہ فرقہ یزیدیہ کے چند متبعین نے اپنے آپکو اصول جدیدہ کا پیرو مشہور کرکے بعض ایسی باتون کی اشاعت کی جو شریعت کے مخالف ہین، مثلاً یہ کہ اصول جدیدہ ہمکو داڑہی منڈانے موںچھ بڑہانے، راگ باجا سننے، عورتون کو بے پردہ کرنے، تصویر لگانے، اور کفار کی وضع اختیار کرنیکی اجازت دیتا ہے،

اخبار شرق الروس انہین لغویات کی اشاعت کے لئے نکالا گیا، اور اس نے اُن لوگون کے مضامین کو نمک مرچ لگا کر نہایت خوشی سے شایع کرنا شروع کیا، مخالفین کے ہاتھ یہ حربہ لگا تو انھون نے ہر موقع پر اس سے کام لیا، اور عوام مین اس طریقہ تعلیم کے متعلق سخت برہمی پھیلا دی، اسکے مقابلہ مین موافقین نے یہ غلطی کی کہ ان لغویات کا جواب شایع کرنا تضیع اوقات سمجھا، اِسلئے جن لوگون پر ان مضامین کا اثر پڑ چکا تہا وہ اور راسخ ہوگیا، اور وہ یہ سمجھے کہ یہ خاموشی رضا و تسلیم کے مرادف ہے،

جو لوگ مصر، قسطنطنیہ، اور حرمین شریفین کا سفر کرکے آئے، اور جن طلبا نے جدید اصول کے موافق تعلیم پائی، ان مین بعض نے درحقیقت بہت سی باتون مین قولاً وعملاً شریعت کی مخالفت کی اسلئے اُنکے قول وعمل کے ذریعہ سے مخالفین نے عوام کو اور بھڑکایا، اور ہندوستان مین آج جو حالت قائم ہے، بعینہ وہی تاتارین بھی قائم ہوگئی،

باب المراسلة والمناظرة

سورۂ یوسف سے ایک واقعہ کی تفسیر

از جناب ڈاکٹر صادق علی صاحب کپورتھلہ

آیت ذیل کے بارہ مین علماے کرام اور افاضل علام سے مؤدبانہ استفسار کیا جاتا ہے،

قال اللہ تعالی وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَةُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ ط قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ط إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ط فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۵ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا ط إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ط ۵

ان آیات کی تفسیر مین جو کچھ مفسرین رحمہم اللہ نے لکھا ہے اسکا ماحصل یہ ہے کہ زوجۂ عزیز کا ایک غلام پر عاشق ہونے کا اور غلام کے نفرت کرنیکا چرچا ہونے لگا، تو اُس نے چرچا کرنے والی عورتون کی دعوت کی، ہر ایک کے ہاتھ مین چھری دی، یوسف علیہ السلام کو اُنکے سامنے کیا سب نے اُنکے کمال حسن کا اعتراف کیا اور ایسی مدہوش ہوئین کہ اپنے ہات کاٹ ڈالے،

اس تفسیر کی نسبت ایک تو یہی معلوم نہین کہ سند کیا ہے، کتابون مین چند قدماے مفسرین کے حوالے بیشک درج ہین، لیکن قدما کا قول بھی جب تک اُسکے ساتھ روایت و درایت کی سند نہو بروے اصول اسلامی معتبر نہین، دوسرے اس تفسیر پر کئی طرح کا اشتباہ ہوتا ہے کیونکہ اگر چرچا کرنیوالی عورتون کا بھی اعتراض ہوتا کہ زوجۂ عزیز عبرانی غلام کے ساتھ ناجائز تعشق کا جرم کیون کرتی ہے، تو اُن کا یہ اعتراض بجا اور انکا خیال نہایت پاکیزہ ہوتا، مگر قرآن مین اُن کے

خیال" کو "مکر" سے تعبیر کیا گیا، مگر قرآنی اصطلاح مین یا تو فن وفریب کے مذموم معنون مین مستعمل ہے یا کسی پوشیدہ تدبیر کے معنون مین، حالانکہ کسی فعل بد کے ارتکاب کا تذکرہ نہ فن وفریب ہے نہ مخفی تدبیر، اسلئے عورتون کے جس فعل کو مکر کہا گیا ہے وہ صرف زلیخا کے الزام ہی کا تذکرہ نہین، بلکہ اس سے بڑھکر کچھ اور بھی ہوگا، خود مفسرین کو یہ اعتراض سوجھا ہے اور وہ کئی طرح سے تاویل کرتے ہین، مثلاً یہ کہ عورتون نے اس بہانے سے یوسف علیہ السلام کو دیکھنا چاہا ہوگا، اور یہ مکر ہے لیکن جواب یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام پردہ نشین نہ تھے، شہر کے گلی کوچون مین بے تکلف چلتے پھرتے ہونگے، انکو دیکھنا مشکل نہ تھا، اور مصر کی عورتون مین ایسی پردہ نشینی کا بھی ثبوت نہین کہ نہ گھر سے باہر نکلین نہ کھڑکی دروازہ ہین سے باہر جھانک سکین، اور بالفرض وہ ایسی پردہ نشین ہوتین تو گھر مین بلاکر یوسف علیہ السلام کو بے تکلف اُنکے سامنے بلایا بھی نہ جاتا بلکہ کسی حیلہ بہانہ سے چق یا پردہ کے اندر سے اُنہین دیکھنے کا موقع دیا جاتا، لیکن قرآن مین صاف کہا گیا ہے کہ اس نے یوسف کو اُنکے سامنے باہر نکالا،

پھر ہاتھون کو کاٹ لینا اگر بے اختیاری اور شدت حیرت کا فعل ہو تو ایسے افعال دفعتہً سرزد ہوا کرتے ہین اور پہلے سے معلوم نہین ہو سکتا کہ کوئی شخص مختل الحواس ہو جائیگا تو اس سے کس قسم کی حرکت سرزد ہوگی، اگر زوجہ عزیز کو یقین ہوتا کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھکر یہ عورتین ازخود رفتہ ہو جائینگی اور دیوانون کی سی حرکتین کرنے لگین گی تو اسکا خیال اس قسم کے کسی ایک فعل پر مرکوز نہین ہو سکتا تھا، اور یہ یقین کرنیکی کوئی وجہ نہ تھی کہ بدحواس ہوکر وہ ضرور اپنے ہاتھ ہی کاٹین گی، بلکہ وہ گمان کر سکتی تھی کہ ممکن ہے بیہوش ہوکر گر پڑین، ممکن ہے کہ چیخنے چلانے لگین، ممکن ہے شدت اضطراب مین یوسف سے لپٹ جائین اور انکے ہاتھ مین کوئی حربہ دیا جائے تو ممکن ہے ہاتھ کاٹ لین، ممکن ہے کوئی اپنا گلا کاٹ لے، کوئی جسم کے

کسی اور حصہ کو نقصان پہنچا سے اور جو عورت چھری ہاتھ مین لئے ہوے یوسف کو جھپٹ جاے وہ چبھنا چپٹی مین ممکن ہے یوسف ہی کو زخمی کر دے اور ممکن ایک طرف بلکہ ضرور ہے کہ بے اختیاری مین جب حربہ سے کام لیا جاے تو سب سے ایک ہی قسم کا فعل سرزد نہو بلکہ کسی کا ہاتھ کٹے، کسی کی ناک، کسی کا گلا، اور کسی کے ہاتھ سے کسی اور کو نقصان پہنچے، پس یوسف کے جمال کا اعجاز اور دیکھنے والون کے بے اختیار ہونیکا تماشا مقصود ہوتا تو سب کے ہاتھ مین چھری دینے کی ضرورت نہ تھی، بیہوشی اور بدحواسی چھری کے بغیر بھی ثابت ہو سکتی تھی، اور چھری دینے مین اتنے مختلف الاشکال اور خوفناک حادثون کا احتمال تھا، اور بالخصوص خود یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچ جانیکا جسکو زلیخا برداشت نہ کر سکتی، مگر لکھا یہ ہے کہ جس طرح اُنکے فرش و بستر کا اہتمام کیا گیا ہے، اسی طرح سب کے لئے چھری مہیا کرنیکا خاص اہتمام کیا ہے، پس ضرور ہے کہ اُسکی غرض بھی مہتم بالشان اور نتیجہ خیز ہوگی، اگر کہا جائے کہ چھری کو کھانا کھانے مین استعمال کرنا مقصود تھا تو پھر یہ قرین قیاس نہین کہ چھری کے ساتھ کھانیکی چیز سب نے ایک ہی وقت مین کھانی شروع کی ہو، بالخصوص اسوقت مین جب یوسف علیہ السلام اُنکے سامنے آے اور پھر سب عورتون پر جو مختلف الطبایع اور مختلف الاحساس ہونگی اثر بھی ایک ہی ہو کہ کھاتے کھاتے ہاتھ کاٹ لین، نہ کوئی ان مین سے ضبط کر سکے، نہ کوئی زیادہ بیقرار ہو کر کسی اور حرکت کا ارتکاب کرے، نیز حسن و جمال کے نظارہ سے ایسا مدہوش ہونا کہ انسان اپنے تئین زخمی کر لے ابتداے آفرینش سے آجتک ایسا کوئی واقعہ سُننے مین بھی نہین آیا اور خود زوجۂ عزیز جو یوسف علیہ السلام کی سب سے زیادہ عاشق تھی، خود اُسپر بھی ایسا حادثہ نہین گذرا، غرض اس تفسیر مین عورتون کے الزام کو اور اُنکے ہاتھ کاٹنے کو جس شکل مین بیان کیا گیا ہے، غیر منصوص اور خلاف سیاق و سباق ہونیکے علاوہ سراسر خلاف عقل اور غیر مربوط ہے،

اس تفسیر سے قطع نظر الفاظ قرآن سے جو گمان غالب پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ زوجہ عزیز کی نسبت مصر کی چالاک عورتوں میں چرچا یہ ہوا ہوگا کہ عجب نادان ہے، غلام کو اپنی جانب راغب کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی اور مفت میں بدنام ہوتی ہے، جوان آدمی کا پھسلا لینا کیا مشکل ہے، خود جوان عورت ہے خوبصورت ہے، اپنے غلام کے جسم و جان پر ہر طرح کا اختیار رکھتی ہے، ہم اگر اسکی جگہ ہوں تو دم بھر میں سیدھا کرلیں، ویسے نہ مانے تو ڈرا دھمکا کر راہ پر لگالیں، یہ عیاری اور بدمعاشی کی باتیں ہیں جو زلیخا نے سنی ہونگی، اور انکو بلا بھیجا ہوگا یا تو اسلئے کہ انکو یوسف علیہ السلام کی غیر معمولی عصمت کا قائل کرے یا اس خیال سے کہ انکی تدبیر سے خود اسکا اپنا کام بھی بنجائے، چنانچہ وہ آئیں تو ضرور پہلے مشورہ ہوا ہوگا، اور ایک خاص مدعا کو مدنظر رکھکر سب کے لئے بستر اور چھری مہیا کردیگئی ہوگی، پھر یوسف علیہ السلام کو انکے پاس بھیجا ہوگا انہیں اپنے آقا کی بیوی کا حکم بجالانے میں کیا عذر تھا تشریف لیگئے ہونگے، وہاں عورتوں نے پہلے اپنے ناز و کرشمہ سے کام لیا ہوگا، اسکا اثر نہ ہوا ہوگا تو ڈرایا دھمکایا ہوگا، اس سے عاجز آئی ہونگی تو اپنے ہاتھوں پر ایسے زخم لگائے ہونگے، جیسے کوئی ظالم چھری سے حملہ آور ہوا اور مظلوم ہاتھوں پر اسکے وار کو روکے اور زخم کھائے، یہ اسلئے کہ اے ظالم تو ہمارا کہنا نہیں مانتا تو اب یہ زخم دکھا کر تجھکو مجرم بنائینگے کہ تونے ہماری عصمت پر حملہ کرنا چاہا اور ہمنے نہ مانا تو چھری سے حملہ آور ہوا جسکو ہمنے ہاتھوں پر روکا، اب بھی مان جا ورنہ مجرم بنکر سزا پائیگا، یوسف علیہ السلام نے ایک نہ سنی ہوگی تو بے ساختہ انکی زبان سے نکلا ہوگا مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ یہ آدمی نہیں یہ تو فرشتہ ہے،

یہ تفسیر لفظ مکر اور ہاتھ کاٹنے کے واقعہ سے بھی مربوط ہے، اور باقی قصہ میں بھی کسی جگہ سے بھی مطلب متبادر ہوتا ہے،

اول - یوسف علیہ السلام اس واقعہ کے بعد دعا کرتے ہین رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن واکن من الجاھلین، یہان ھنّ کی ضمیر مین سب عورتون کو شامل کرتے ہین اور التجا کرتے ہین کہ جس کام کی طرف یہ سب عورتین بلاتی ہین اُس سے تو قید ہوجانا بہتر، اور اگر تو مجھے انکی چالون سے نہ بچائیگا تو مین انکی طرف مائل ہوجاؤنگا، اور اصب الیھن نص ہے اس مطلب کی کہ سب عورتین یوسف علیہ السلام کو اپنی اپنی طرف بلاتی تہین ورنہ وہ کیون فرماتے کہ مین انکی طرف مائل ہوجاؤنگا، اور جواب مین خدا فرماتا ہے فصرف عنہ کیدھن یہان وہی جمع مونث کی ضمیر ہے اور سب کے کید سے یہی بہکانا اور اپنی جانب مائل کرنا مراد ہوسکتا ہی ورنہ دیکھکر بیہوش ہوجانا کوئی کید نہین،

دوئم - جن لفظون مین زلیخا کے بہکانے کا ذکر ہے، انہین لفظون مین تمام عورتون کے فعل کا ذکر کیا گیا ہے، یوسف علیہ السلام کی درخواست پر بادشاہ نے عورتون سے دریافت کیا ہے تو زلیخا کہتی ہے الان حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ باقی عورتون سے بادشاہ پوچھتا ہے تو وہ بھی یہی کہتی ہین ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسہ جب زلیخا کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ مین نے یوسف کو اپنی طرف بلایا تو بادشاہ کے کلام کا بھی یہی مطلب ہوگا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف بلایا تو اُسے کیسا پایا، یہ الفاظ صاف بتاتے ہین کہ یوسفؑ کے فرمانے سے یا کسی اور طرح سے بادشاہ کو علم ہوگیا تھا کہ انہین ان عورتون نے اپنی جانب مائل کیا تھا، اور یہ وہی واقعہ ہے جبکہ عورتون نے اپنے ہاتھ کاٹے، کیونکہ حضرت یوسف بھی دریافت کرتے ہین، ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن (ان عورتون کا واقعہ ہی جنھون نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے)

سوئم - عورتون نے بہکانے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی عصمت کا اعتراف کیا تو زلیخا کہتی ہے، فذلکن الذی لمتننی فیہ ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم یہان اگر

زلیخا کا یہی مطلب ہوتا کہ عورتین میرے محبوب کو فقط دیکھہ لین اور اُنکے جمال کا اعتراف کرین تو فذلکن الذی لمتننی کہنا کافی تہا، یعنی دیکھو ایسی چیز ہے جسپر مرنے کا تم مجھے طعنہ دیتی ہو اسکے بعد یہ بھی کہنا کہ مین نے اسکو اپنی طرف راغب کیا مگر کامیاب نہوئی بے محل ہے، کیونکہ یہ واقعہ عورتون کو پہلے سے معلوم تہا اور اسی کا وہ طعنہ دیتی تہین، یہ فقرہ چسپان ہوتا ہی تو اسی صورت مین کہ عورتین بھی یوسف علیہ السلام کو اپنی جانب راغب کرنے مین ناکام رہی ہون اور زلیخا کہے کہ دیکھو یہ وہ بہادر ہے جسپر قابو نپانے کا تم طعنہ دیتی تہین، اب تم نے بھی اپنی جانب بلاکر دیکھہ لیا کہ وہ بس مین نہ آیا، اسی طرح مین اُسے بلاتی تھی اور وہ نہین مانتا تہا تو مجھے نادان کیون کہتی ہو،

چہارم - اس واقعہ کے بعد خدا فرماتا ہے ثم بدالہم من بعد ما راؤ الآیات لیسجننہ حتی حین یہان ہم کی ضمیر عزیز اور اُسکے کارپردازون کی جانب راجع ہے اور کہا گیا ہے کہ انھون نے نشانات دیکھنے کے بعد اُسے قید کرنا مناسب سمجہا، یہان نشانات سے مراد اگر معجزات ہون تو اول تو قرآن مین یوسف علیہ السلام سے اس غلامی کے زمانہ کا کوئی معجزہ مروی نہین، ایک شہادت دینے والیکا ذکر ہے جسکی نسبت قرآن کریم مین مذکور نہین کہ وہ شیرخوار بچہ تہا، دوسرے اگر روایات کے بموجب اُسکو شیرخوار بچہ بھی مان لیا جائے جب بھی یہ صرف ایک معجزہ ہوگا، اور یہان آیات جمع کا لفظ ہے، اور معجزہ کے معنی لئے جائین تو کئی معجزے ہونے چاہئین، تیسرے اگر بہت سے معجزات فرض کرلئے جائین تو معجزات کے دیکھنے کے بعد جب اُنکی عظمت مسلّم ہوچکی ہو، قید مین بھیجنے کی تیاری کرنا ناقابل فہم بات ہے، معجزات کو دیکھکر وہی فیصلہ ہونا چاہئیے تہا جو عزیز نے شہادت سُننے کے بعد کیا تہا کہ یوسف کو جدا رہنے کا حکم دیا اور زلیخا کو ملامت کی، پس یہان آیات سے معجزات مراد نہونگے بلکہ وہ

نشانات مراد ہونگے جو عورتون نے مکاری سے حضرت یوسفؑ کو مجرم بنانے کیلئے بنائے تھے،
اور ضرور عورتون نے اپنے زخم دکھا کر یوسف علیہ السلام پر الزام قائم کیا ہوگا جسپر دیکھنے والون نے
کچھ یقین کیا ہوگا کہ زخم موجود تھے، اسلئے فیصلہ کیا ہوگا کہ تھوڑی سزا قید کی دیدو،

پنجم - جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت مین فرمایا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائین
حضرت عائشہ کے کہنے سے حضرت حفصہؓ نے حضرت عمرؓ کی سفارش کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا
انکن صواحب یوسف اس فقرہ مین حضرت حفصہ کی ایک طرح کے غلط مشورہ دینے پر
اور حضرت عمر کے امام بنانیکی ترغیب پر انہین یوسف کی ہمراہی عورتون سے تشبیہ دی ہے
تو ضرور اُن عورتون نے بھی یوسف علیہ السلام کو بری ترغیب دی ہوگی، جمال دیکھکر عشق
ہوجاتین تو انکی یہ تشبیہ موزون نہوتی،

یہ تفسیر جو علماے کرام کی خدمت مین پیش کیجاتی ہے، راقم کے خیال مین قرآن کریم
اور حدیث کی دلالۃ النص ہور اشارۃ النص سے ثابت ہوتی ہے، اور ہر طرح مناسب حال اور مربوط ہے
حضرات علماسے درخواست ہے کہ اُسکی نسبت اپنی رائے مفصل و مدلل تحریر فرمائین اور عند اللہ
ماجور ہون، خدا فرماتا ہے، وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا ؕ

معارف: آپ نے ان آیات کی جو تفسیر کی ہے حضرۃ الاستاذ علامہ **شبلی** نے اپنے حلقۂ درس
قرآن مجید مین بھی یہی تفسیر فرمائی تھی، اس توارد خیال پر غالب کا یہ مصرع یاد آتا ہے،

متاع من ز نہانخانۂ ازل بردہ است

باب التقریظ والانتقاد

اساس التعلیم

از خامہ مولوی عبدالماجد بی۔ اے، ایم آر اے ایس، ایم اے ایس

عام خیال یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کا کام ہر شخص انجام دیسکتا ہے، اور معلم کیلئے اصول تعلیم کی واقفیت بالکل ضروری نہین، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ بے بنیاد کوئی خیال نہین، اسمین شبہہ نہین کہ ہر زمانہ مین صدہا ہزارہا معلّم ایسے ہوتے رہے ہین (اور اب بھی موجود ہین) جنھون نے فن معلمی کی باضابطہ تحصیل کے بغیر اپنے فرائض کو نہایت کامیابی کے ساتھ انجام دیا ہے، لیکن اس سے عام خیال کی صحت ثابت نہین ہوتی، بیشمار انسان ہین جو بغیر کسی طب کی طرف رجوع کئے امراض سے شفایاب ہو جاتے ہین، مگر کیا اس سے فن طب کا غیر ضروری ہونا ثابت ہوتا ہے؟ لاکھون کرورون آدمی بغیر منطق کا ایک حرف پڑھے صحیح نتائج تک پہنچ جاتے ہین، لیکن کیا اس سے فن منطق کی عدم ضرورت پر استدلال کرنا صحیح ہوگا؟

یورپ مین ایک بڑی حد تک اس عام غلط فہمی کی اصلاح ہوگئی ہے، اور فن تعلیم نے ایک مستقل و باضابطہ فن کی حیثیت اختیار کر لی ہے، ہر سال صدہا کتابین اس موضوع پر شایع ہوتی ہین، اور سینکڑون ہفتہ وار و ماہوار پرچے نکلتے ہین، جنمین عام تعلیمی معلومات کے ساتھ تعلیم کے مختلف طریقون پر بحث ہوتی ہے، اور معلمی کے اصول شرح و بسط سے بیان کئے جاتے ہین، صدہا محققین نے اپنی عمرین اسی فن کی تحصیل و مطالعہ کے لئے وقف کر دی ہین، جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تحقیقات کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، اکتشافات ہوتے رہتے ہین،

اور ہر روز جدید کلیات وضع ہوتے رہتے ہین،

ہندوستان مین شاید ابھی وہ دن نہین آیا ہے کہ اس فن کے مجتہدین و محققین پیدا ہون، جو اپنے اجتہادات سے سارے عالم کو سبق دین، لیکن وہ اگر سبق دینے کے قابل نہین تو سبق لینے سے تو معذور نہین، اور کون کہہ سکتا ہے کہ اسکی یہ آج کی شاگردی کل کی استادی کا پیش خیمہ نہین؟ علم و فن کی شمع دنیا مین ہمیشہ یون ہی روشن ہوتی آئی ہے، جس قوم کے سر پر آج استادی کی دستار نظر آرہی ہے، کل اُسے زانوے تلمذ تہ کرنا پڑیگا، جو قوم آج شاگردانہ حیثیت سے درس لے رہی ہے، کل خود اسکے درس کا شہرہ ہوگا، یہ حال جملہ علوم و فنون کا ہے، فن تعلیم اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین،

خواجہ غلام الحسنین پانی پتی غالبًا پہلے شخص ہین جنھون نے (پنجاب یونیورسٹی کے مساعی جمیلہ کے بعد) انجمن ترقی اُردو کے حسب فرمائش اسپنسر کی معرکۃ الآرا کتاب فلسفۂ تعلیم کا اردو مین ترجمہ کیا، جسکے مطالعہ سے خالص اردو دان جماعت کو نظر آسکتا ہے کہ فن تعلیم ایک مستقل فلسفہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور اسکے مسائل کسدرجہ اہمیت رکھتے ہین، سرکاری یونیورسٹیان، ماسٹرون کے لئے جو درسی کتابین تیار کراتی رہتی ہین، اگر اُنسے قطع نظر کیجائے تو فلسفۂ تعلیم کے بعد سے کہنا چاہیے کہ اُردو کی رفتار عمل اس سمت مین بالکل رُک گئی تھی، اور ایک آدھ رسالہ جو اس درمیان مین شائع ہوئے انھین ملک مین کوئی خاص مقبولیت و اہمیت نہ حاصل ہوئی،

ایک عرصہ دراز تک سکون رہنے کے بعد ایک جوان مرد نے پھر اس میدان مین قدم رکھا ہے، منشی عبد الحق بی۔ اے، ال، ال بی، منصف لکھنؤ، ہماری قوم کے ان مستثنیٰ افراد مین ہین جو عدالتی و سرکاری ذمہ داریون کے ساتھ ساتھ اپنی دماغی زندگی کو بھی قائم رکھتے ہین،

اور اس سے بڑھکر یہ کہ اپنے لطف مین اپنے ہم وطنون کو بھی شریک کرنا چاہتے ہین، حال مین اُنھون نے اساس التعلیم[1] کے نام سے جو کتاب شایع کی ہے وہ اُنکے وسیع مطالعہ کا ثمرہ ہے،

اسوقت یورپ مین جو ذات فن تعلیم کی سب سے بڑی ماہر تسلیم کیجاتی ہے، وہ طبقۂ رجال مین نہین بلکہ ایک اطالوی خاتون ڈاکٹر مانٹی سوری ہے، جسکے نظریات نے یورپ کے تعلیمی حلقون مین گویا ایک انقلاب برپا کردیا ہے، اساس التعلیم کا اصلی ماخذ اسی ڈاکٹر مانٹی سوری کی تصنیفات ہین، گو ساتھ ہی بعض دیگر مشاہیر حکما، مثلاً جیمس، اسپنسر، وغیرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے،

مولف، ایک دلچسپ مقدمہ کے بعد باب اول مین جسم کے ان حصون سے بحث کرتے ہین جنکا تعلیم وتربیت سے خاص تعلق ہے، مثلاً دماغ، نخاع، اعصاب وغیرہ، اور جنکے مجموعہ کا نام نظام عصبی ہے، باب دوم مین اسی طرح نفس کے عناصر اصلی کی تشریح وتحلیل کیگئی ہے، باب سوم سے باب پنجم تک نفس کے نشو ونما کے طریقون کا ذکر ہے، جسکے ضمن مین، احساس، اور جبلت ماحول، وغیرہ پر مفصل بحثین ہین، یہانتک کتاب کا نظری یا فلسفی حصہ تھا، باب ششم سے آخر تک کتاب کا عملی جزو ہے، باب ششم مین ڈاکٹر مانٹی سوری کے طریقۂ تعلیم کی توضیح وتشریح ہی باب ہفتم وہشتم مین اُن قواے دماغی پر بحث ہے، جن پر گویا تعلیم وتعلم کا دارومدار ہے، یعنی توجہ وحافظہ، آخری باب مین یہ دکھایا گیا ہے کہ تنبیہ وتحسین، سزادہی وحوصلہ افزائی کا بچون کی طبایع پر کیا اثر پڑتا ہے، اور یہ کن کن صورتون مین اور کس حد تک مناسب ہین،

ڈاکٹر مانٹی سوری کے طریقۂ تعلیم کا اصل الاصول یہ ہے کہ تعلیم الفاظ کے ذریعہ سے نہین بلکہ اصل اشیا کے ذریعہ سے ہونا چاہیئے، قدیم طریقۂ تعلیم مین بغیر اشیا خارجی کی وساطت کے

[1] اساس التعلیم، مولفہ منشی عبدالحق، ضخامت مع دیباچہ ۱۱۰ صفحہ، پتہ: الناظر بک ایجنسی، چوک لکھنؤ، قیمت ۸ر

طلبہ کو الفاظ اور انکے معانی رٹا دیئے جاتے تھے جس سے انکے ذہن مین کوئی صاف مفہومی کیفیت پیدا ہی ہونے پاتی تھی، کنڈرگارٹن طریقۂ تعلیم نے اصلاح کا ایک قدم آگے بڑھایا، اس نے تصاویر، کھلونون اور نمونون کے ذریعہ سے اصل شئے کی ماہیت طلبہ کے ذہن نشین کرنا چاہی، مانٹی سوری کا اصول یہ ہے کہ یہ تصویرین اور کھلونے بھی کافی نہین، بلکہ جہانتک ممکن ہو بچون کو براہِ راست اصل اشیار سے واقفیت پیدا کرانا چاہیئے، فرض کرو، بچہ کے سامنے "انجن" کا لفظ آتا ہے، قدیم طرز کا استاد صرف اسکے معنی بتا دیگا کہ انجن ایک لوہے کی بنی ہوئی خاص قسم کی گاڑی ہوتی ہے جو باقی گاڑیون کو کھینچتی ہے، اس سے زیادہ ترقی یافتہ صورت یہ ہے کہ انجن کی تصویر بچہ کو دکھا دی جاے، اس سے بھی بڑھکر یہ کہ انجن کا کھلونا لاکر بچہ کے سامنے رکھدیا جاے، مانٹی سوری کا طریقہ یہ چاہتا ہو کہ بہت چھوٹی ساخت کے اصل انجن بچہ کے مشاہدہ مین آئین، جنکے کل پرزے مثل بڑے انجنون کے ہون، اور جو انہین کی طرح بھاپ کی قوت سے حرکت کرین، اس طریقہ سے بچہ کو ایک دن مین انجن سے جتنی واقفیت ہوسکتی ہے اتنی ساری عمر انجن کے لفظی معانی ازبر کئے رہنے سے نہین ہوسکتی،

مانٹی سوری کا ایک دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ جہانتک ممکن ہو بچون کے کسی فعل مین مداخلت نہ کیجاے، استاد کا کام صرف یہ ہے کہ ایسا سامان بچہ کے گرد وپیش بہم پہنچادے جس سے وہ ازخود تعلیم حاصل کرے، نہ یہ کہ ہر بات اسے بتاتا رہے، قدیم طرز تعلیم مین اور اسمین جو زمین وآسمان کا فرق ہے اسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے،

مانٹی سوری کا سارا نظام تعلیم اسی قسم کے مجتہدانہ اصول ومسائل پر مبنی ہے، مولف اساس التعلیم کی یہ خدمت کچھ کم وقیع نہین کہ اسکی وساطت سے اردوخوان پبلک بھی ان اہم ومعرکۃ الآرا مباحث ونظریات سے مستفید ہوسکیگی،

مؤلف صاحب اگر طبع ثانی مین امور ذیل کا لحاظ رکہین تو انکی کتاب موجودہ حالت سے بدرجہا زاید مفید و دلچسپ بن سکتی ہے، موجودہ ایڈیشن مین افسوس ہے کہ انکا لحاظ نہین کیا گیا، لیکن آیندہ انہین فروگذاشتون کی بہ آسانی تلافی ہوسکتی ہے،

(۱) کتاب کی زبان اتنی سلیس و شستہ نہین کہ عام ناظرین کو اس سے دلچسپی ہوسکے، مصطلحات سے تو مجبوری ہے وہ تو بہرصورت ایسی ہونگی جو عام ناظرین کو نامانوس معلوم ہونگی، لیکن انکے علاوہ کتاب کا عام طرز بیان زیادہ دلکش اور سلجھا ہوا ہونا چاہیئے،

(۲) نفسیات و بعض دیگر علوم متعلقہ کی بہت سی مصطلحات پیشتر سے اُردو مین رائج ہوچکی ہین، مؤلف نے متعدد مقامات پر یا تو انہین چھوڑکر کوئی جدید اصطلاح استعمال کی ہے، یا انہین کو کسی بالکل جدید مفہوم مین استعمال کیا ہے جس سے ناظرین کے ذہن کو یقیناً وحشت ہوگی،

(۳) مؤلف نے طریقۂ تعلیم، لباس و غذا وغیرہ سے متعلق جہان عملی ہدایات دی ہین، بمشکل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان مین بیٹھکر ہندوستانی بچون کے لئے کتاب لکھ رہے ہین، (جنمین امیر و غریب سب شامل ہین) بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنکے مخاطب اہل یورپ ہین یا صرف وہ ہندوستانی خوشحال گھرانے جنھون نے یورپین طرز معاشرت اختیار کرلیا ہے، کتنے متوسط وادنیٰ طبقہ کے ہندوستانی بچے ایسے ہین جو صبح کے ناشتہ مین دُودھ، نیم برشت انڈا، روے کا حلوا، میلنس فوڈ، مالٹڈ ملک، اور دوسرے اوقات مین انار، انگور، یخنی، نان پاؤ، مکھن، استعمال کرنیکی مقدرت رکھتے ہین؟ اسی طرح ہندوستانی بچون کے لئے یہ ضروری نہین کہ وہ سلیقۂ خانہ داری کی تعلیم خواہ مخواہ میز کرسی وغیرہ مغربی ہی فرنیچر کے ذریعہ سے حاصل کرین، فرش قالین، تخت، گاؤ تکیہ کی وساطت سے بھی انہین سادی درجہ کی خوش سلیقگی آسکتی ہے،

(۴) بعض الفاظ کی صحت نظر ثانی کی محتاج ہے، اعصاب کا واحد "عصب" مستعمل ہے،

"عصبہ" جماعت کے معنی مین آتا ہے" حکم" کی جمع" احکام" کافی ہے" احکامات" کی ضرورت نہین،" اعصابی انحطاط" کے بجاے" عصبی انحطاط" ہونا چاہیئے، وقس علیٰ ہذا۔

(۴) مصطلحات کی فرہنگ مع انکے انگریزی مرادفات کے ختم کتاب پر ضرور ہونا چاہیئے،

کتاب باوجود ان فروگزاشتون کے بحیثیت مجموعی بہت قابل قدر ہے، اور ہر ایسے شخص پر جو اپنی یا اپنے کسی دوست و عزیز کی اولاد کو تعلیم دلانا چاہتا ہے، یا جسے مسالۂ تعلیم سے کچھ بھی دلچسپی ہے، اسکا مطالعہ فرض ہے، ہمین پورا اعتماد ہے کہ مؤلف موصوف کی آیندہ کوشش اس سے بہت زیادہ کامیاب ہوگی،

ارض القرآن حصۂ دوم

اسمین بنو ابراہیم یعنی مدین، قوم ایوبؑ، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الرس، انصار، بنو قیدار، اور قریش کے نسبی، قومی، سیاسی، اجتماعی، اور اخلاقی حالات، تطبیق قرآن مجید و توراۃ و آثار قدیمہ لکھے گئے ہین، اور عربون کی قبل از اسلام تجارت، زبان اور مذہب پر نہایت تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ تحقیقانہ مباحث ہین، شاید ان ابواب پر اس تفصیل و تحقیق کے ساتھ کسی زبان مین اتنے معلومات یکجا ہونگے، لکھائی چھپائی اعلےٰ، کاغذ ولایتی ضخامت ۱۸۵ صفحہ قیمت ۱۲/،

منیجر دار المصنفین

ادبیات

از جناب شوکت علی صاحب فانی بی اے ال ال بی بدایون

ہل گیا زندان مرا ہو نالۂ شبگیر کا
چونک اُٹھا گھبرا کے ہر حلقہ مری زنجیر کا

میری تدبیرون کی مشکل اب تو یارب سہل کر
کیا یہ ساری عمر منت کش رہین تقدیر کا

میرے دل سے پوچھتے ہین آپ کیا وجہ خلش
یاد ہے گم ہو گیا تھا کوئی پیکان تیر کا

عشق کا بھی کیا تصرف ہے کہ دل اب دل نہین
آئینہ ہے غم کی جیتی جاگتی تصویر کا

آپکی آزردگی بے سبب بھی خوب ہے
کیا مزے کا ہے تقاضا عذر بے تقصیر کا

کس نظر سے اُس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف
کانپ اُٹھا ہر ذرہ میری خاک دامنگیر کا

برق خرمن کی بلا سے کیا رہا کیا جل گیا
جل گیا خرمن مین جو کچھ تھا مری تقدیر کا

فکر راحت چھوڑ بیٹھے ہم تو راحت مل گئی
ہمنے قسمت سے لیا جو کام تھا تدبیر کا

نامرادی حد سے گذری حال فانی کچھ نہ پوچھ
ہر نفس ہے اک جنازہ آہ بے تاثیر کا

کم ہے یا بڑھ گئی وحشت ترے دیوانون کی
دامنون کی ہے خبر اب نہ گریبانون کی

فصل گل خیر تو ہے وحشت مین دیوانون کی
دامنون کی خبر آئی نہ گریبانون کی

دل کے تیور تو بجھے یاس کی چھینٹون سے مگر
نہ بجھی آگ لگائے ہوئے ارمانون کی

حسن مجبور تغافل ہے ادب شرط وفا
رہ گئی شرم غم عشق کے افسانون کی

چشم ساقی کی وہ مخمور نگاہی، توبہ!
آنکھ پڑتی ہے چھلکتے ہوئے پیمانون کی

طوق منت کے بڑھا ہوگئی منت پوری | بیڑیاں موت نے کاٹیں ترے دیوانوں کی
اب جفا ہی نہ وفا یاد وفا باقی ہے | تھی جہاں شمع وہاں خاک ہی پروانوں کی

دل میں رگ رگ سے کھنچ آئی ہیں لہو کی بوندیں
دعوتیں سینۂ فانی میں ہیں پیکانوں کی

مانا کہ بات وعدۂ فردا پہ ٹل گئی | اور ہو فا جو کل بھی نہ یہ آج کل گئی
اس خانہ خراب کی بربادیاں نہ پوچھ | یاد ش بخیر آہ بھی دل سے نکل گئی
تم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں بیحجاب | اچھا ہوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی
کچھ کر کے چارہ ساز نے تسکین دی تو ہی | سنتا تو ہوں کہ اب مری حالت سنبھل گئی
آتی ہی خاکِ جادۂ ہستی سے بوئے دل | کس آرزو بھرے کی تمنا کچل گئی
دل کیوں شب فراق تڑپ کر ٹھہر گیا | کیوں اضطراب کیا تری صورت بدل گئی
ان گردشوں کو روک کہ دل خون ہو گیا | اے آسمان ٹھہر مری حسرت کچل گئی
تعمیر آشیاں کی ہوس کا ہے نام برق | جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی
اللہ ری نوک نشتر غم کی نگاہ دیں | اک اک لہو کی بوند پہ ظالم مچل گئی

فانی کے دل سے آیۂ لاتقنطو کے بعد
زاہد وہ دل فریبیٔ حسنِ عمل گئی

مطبوعات جدیدہ

طریق تسمیہ، علم کیمیا کے اصطلاحات اردو مین کس اصول پر قائم کئے جائین، اس بحث پر جامعۂ عثمانیہ کی طرف سے چودہری **برکت علی** صاحب بی ایس سی کا ایک رسالہ شایع ہوا ہے، بے شایبۂ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ چودہری صاحب کی تحقیق اور طرز ادائے مطالب اور نفس تجویز طریقۂ تسمیہ اسقدر اعلیٰ ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کو اس کامیاب کوشش پر مبارکباد دینی چاہیئے اور وہ عین اس توقع کے مطابق ہے جو ملک کو چودہری صاحب کی ذات سے ہے، ایسے خشک اور بے لطف مضمون کو اس فصیح، متین اور دلنشین عبارت مین ادا کیا ہے کہ ٹھوس علمی مسئلہ کا بار دماغ کو مطلقاً محسوس نہین ہوتا،

طریق تسمیہ کی نسبت چودہری صاحب کی تجاویز کا ماحصل یہ ہے کہ وہ اردو زبان کی اصطلاحات اور ہندوستان کے مزاج السنہ کے مطابق ہون جو اضافت، صفت اور دیگر صرفی و نحوی تغیرات مین بآسانی ہمارا ساتھ دیسکین، تیسرے یہ کہ انکے مخففات استعمال کئے جاسکین، یہ رسالہ غالباً معرض فروخت مین نہین آئیگا،

لآلی الحکم، عربی درسگاہون کے چھوٹے درجون کے لئے قصہ کہانیون کے منتخبات پڑھائے جاتے ہین، جو معنوی حیثیت سے کچھ مفید نہین، مولوی **عبدالرحمن** صاحب ندوی مدرس مدرسۃ الاصلاح سرائمیر نے اس ضرورت کے لئے احادیث نبویہ مین سے مختصر اخلاقی نصائح مختلف عنوانات کے تحت مین جمع کئے ہین جنمین ادبیت کے ساتھ اخلاق و معاشرت کی تعلیم کا لحاظ بھی رکہا گیا ہے، یہ رسالہ اس لائق ہے کہ لوگ ابتدائی تعلیم ادب کے لئے اسکو اپنے نصاب مین داخل کرین، قیمت ۴ر،

مجلد سوم | ماہ جمادی الاولی سنہ ۳۷ھ مطابق فروری سنہ ۱۹ع | عدد ہشتم

مضامین

(۱) شذرات — ۳۹۴ - ۳۹۶

(۲) نظربندانِ اسلام — ۳۹۷ - ۴۰۵

(۳) معرفت — ۴۰۶ - ۴۱۴

(۴) ابن یمین اور انکی شاعری — ۴۱۵ - ۴۲۴

(۵) فلسفۂ لیبان — ۴۲۵ - ۴۳۲

(۶) عرب ایک مستشرق کی نگاہ مین — ۴۳۳ - ۴۳۵

(۷) نامۂ پارسی — ۴۳۶ - ۴۴۰

(۸) عفت المسلمات — ۴۴۱ - ۴۴۲

(۹) ادبیات — ۴۴۳ - ۴۴۶

(۱۰) مطبوعات جدیدہ — ۴۴۷ - ۴۴۸

برکلے اور اُسکا فلسفہ

از پروفیسر عبدالباری ندوی

برکلے جسکی معرکۃ الآرا تصنیف "مبادی علم انسانی" پہلے شایع ہو چکی ہے اسکے دلچسپ و پر معلومات سوانح زندگی، اسکی فلسفیانہ تصنیفات کی ناقدانہ تلخیص، اسکے فلسفۂ تصوریت کی تشریح و تنقید، اور مسئلہ تصورات کلیہ پر ایک مجتہدانہ محاکمہ، کتاب کا مختصر نام صرف "برکلے" ہی، ضخامت ۱۳۰ صفحے، کاغذ سفید ولایتی لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت عہ

شذرات

اعظم گڈھ صوبہاے متحدہ کا ایک نہایت چھوٹا اور مفلس، ضلع ہے، (از راہ عنایت اسکی دولتمندی کا اندازہ قرضۂ جنگ کی میزان سے نہ لگائیے) تاہم یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اسکے احاطہ مین عربی کے چار بڑے مدرسے ہین، مدرسۃ الاصلاح سرائمیر، دار العلوم مئو، مدرسۂ عالیہ مئو اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ مبارکپور، چھوٹے چھوٹے مدارس اسکے علاوہ ہین، ان سب کی بنیاد مسلمانون کے عام چندون پر ہے، ہر ایک مین ابتدائی و انتہائی طلبہ ۵۰ اسے ۲۰۰ تک ہین، پہلے مدرسہ مین جدید نصاب و طریقۂ تعلیم کے مطابق تعلیم ہوتی ہے، اور بقیہ مین قدیم نصاب اور کسیقدر الہ آباد یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کے مطابق تعلیم دیجاتی ہے،

تعلقات گوناگون کے سبب سے سرائمیر جانے کا تو اکثر اتفاق ہوتا ہے، لیکن مئو کے مدرسون کا دیکھنے کا اس دفعہ پہلا موقع تھا، یہ دیکھکر خوشی ہے کہ علماے مدرسین اور عام عربی خوان طلبہ کے خیالات مین اب ہر جگہ بین انقلاب کے آثار نمایان ہین، اور وہ اب ملک اور ملت کے حقوق اور طریقۂ خدمت سے واقف ہوتے جاتے ہین، لفظی اور سطحی مباحث سے گذر کر اب حقیقی علوم کے طالب ہین، ہم تو اپنے آریہ دوستون سے خوش ہین کہ انکے جوش مخالفانہ نے قدیم عربی مدارس کے حجرہ نشینون مین بھی سرگرمی پیدا کردی، ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد،

لڑکون کے عربی مدارس تو عموماً علماے کرام کے زیر اہتمام ہین، لیکن ابھی لڑکیون کی منظم تعلیم کی

طرف انکی توجہ ملتفت نہین ہوئی ہے، ملک مین جو زنانہ اسلامی مدارس اسوقت قائم ہین، وہ یا سرکاری اور مینوسپل ہین اور یا جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے مساعی جمیلہ کے نتائج ہین، لیکن تمام ہندوستان کے طول وعرض مین ہمکو صرف ایک زنانہ مدرسہ ایسا ملا جو خالص علماے مقدسین کے زیراہتمام وتعلیم قائم ہے، اور وہ **مدرسۃ البنات** مئو ہے، ہمین اس مدرسہ کو دیکھکر جو گو ابھی ابتدائی حالت مین ہے سخت حیرت ہوئی، یہان لڑکیون کو اُردو، فارسی، حساب، خوشخطی، دینیات اور قرآن مجید کی تعلیم دیجاتی ہے، مئو کے علماے اہل حدیث کی اس سنت کی تقلید اگر ہندوستان کے دوسرے شہرون کے علماے اہل حدیث جائز سمجھین تو منازعات تقلید وعدم تقلید سے کسقدر بہتر ہے،

معارف جس طرح اور جس شان سے نکل رہا ہے، ہمارے اکثر کرمفرما تو اسپر قانع ہین اور اسکو وہ اس حیثیت مین بھی اردو رسائل کی صف مین پہلی کرسی دینے پر تیار رہین، لیکن ہمارے حلقۂ احباب مین ان سے بلند نظر اصحاب بھی ہین جو کہتے ہین،

ما باین قدر از تو راضی نیستیم اندر سخن   شبلیا! سحر است این، اعجاز می بایست کرد

اس جماعت کے سرگرم ممبر، ہماری مجلس کے رکن اعظم جناب مولوی **عبدالماجد** صاحب بی اے ہین ؑ انکا خیال ہے کہ معارف اگر یورپ کے علمی رسالون کے لگ بھگ نہ نکل سکے تو کم سے کم ہندوستان کے انگریزی رسالون کے قریب قریب تو ہو، اسکی ضخامت ۱۰۰ صفحے ہو، مضامین مین دنیا کی موجودہ علمی رفتار کا ساتھ دیا جائے، اگر ملک کے دوسرے اخبارات ورسائل یہ بتاتے ہین کہ دنیا کی پالٹیکس کہان سے کہان جارہی ہے تو ہم یہ بتائین کہ علمی حیثیت سے دنیا ہر مہینہ کسقدر بدل رہی ہے اور بدلتی جاتی ہے،

انھون نے ہمارے اکثر دوستون کی طرح صرف زبانی نصیحت ووصیت پر قناعت نہین کی بلکہ

ہماری عمارت کی کمزوری کے اصلی رخنون کو سمجھے اور اُسکے لئے اُنھون نے سرگرمی سے تعمیر و تاسیس کی کوشش شروع کردی ہے، یہ معلوم ہے کہ بغیر خاص مالی اعانتون کے یہ عظیم الشان کام سرانجام نہین پاسکتا، اردو خوان طبقہ شاید ابھی اس جنس گران کا خریدار بھی نہین ہوسکتا تاہم کسی طرح اسکو ادہر ملتفت کرنا ہے

ملک مین اسوقت تک جتنے بڑے بڑے علمی اور قومی کام انجام پارہے ہین، وہ سب دردمند امرائے ملّت کے دست کرم کے سہارے چل رہے ہین، اگر یہ سہارا ہٹا لیا جائے تو دفعةً نہ علی گڈھ کالج رہے، نہ کانفرنس نہ دارالعلوم رہے، نہ ندوہ، نہ حمایت اسلام رہے نہ دیوبند، نہ انجمن ترقی اُردو رہے نہ دارالمصنفین، ایسی حالت مین اگر اُردو کے ایک بلندترین علمی رسالہ کا سوال اُٹھایا جائے جسکی آمدنی یقیناً اُسکے مصارف کی کفیل نہین ہوسکتی تو گذشتہ علمی اور تعلیمی کاروانون کے نقش قدم پر چلے بغیر کامیابی ممکن نہین،

ہمکو خوشی اور مسرت ہے کہ اس تجویز کے اعلان عام سے پہلے ہم اس قابل ہوچکے ہین کہ چند دریادل ارباب فیض کے دست کرم کا شکریہ ادا کرین، خصوصاً یادگار نسل بانیان نواب سالار جنگ بہادر سابق وزیر اعظم دولت آصفیہ حیدرآباد دکن، مہاراجہ یمین السلطنت سرکشن پرشاد سابق مدارالمہام دولت آصفیہ حیدرآباد دکن، اور خاتمة الکرام راجہ سر محمد علی محمد خان والی محمودآباد، اب بھوپال، اور رامپور کی طرف ہماری نگاہین اُٹھی ہین،

بنیم این کہ خواستہ، کردگار چیست

اسوقت تک ۵۰۰ روپیے انگلینڈ، امریکہ اور ہندوستان کے انگریزی ماہوار علمی رسائل کی خریداری مین صرف ہوچکے ہین،

مقالات

نظر بندانِ اسلام

بتقریب رہائی سیّد الاحرار سیّد فضل الحسن حسرتؔ موہانی

تا چند بزنجیرِ خرد بند توان بود

سرمستی و آشوبِ جنون چند توان بود

(۲)

صفحۂ کاغذ آج پھر اُن تصویرون کا مرقع ہے، جنکے خط و خال عیش و نعمت کے رنگ و روغن سے نہین بلکہ آوارہ وطنی اور قید و حبس کے سواد المصائب سے بنائے گئے ہین، بخارا کا یتیم فرزند ایک مدت کے بعد امام بخاری بنکر وطن لوٹا تو تمام شہر نے اس جوش سے خیر مقدم کیا کہ دولت طاہریہ کے ارکان متزلزل ہو گئے، دُور دُور سے طلبہ اور علم کے سائل قطار در قطار چلے آتے تھے، حلقۂ درس کی نشست مین امیر و غریب اور ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق مراتب نہ تھا، امیر بخارا نے خواہش کی کہ امام موصوف ایوان امارت مین آکر اپنی تصنیفات کی سند عطا فرمائین، امام نے فرمایا مین بیشک گدائے بے نوا ہون لیکن جس علم کا خدمتگذار ہون اسکو ذلیل نہین کرسکتا، امیر کو اگر شوق علم ہو تو خود میری مسجد یا غریبکدہ مین آسکتے ہین، امیر نے کہلا بھیجا مین آسکتا ہون لیکن اسوقت عام لوگ حلقۂ درس مین نہون امام نے فرمایا "اس بوریا نشین کے ہان شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہین" امیر نے پیام بھیجا کہ اگر یہ منظور نہین تو میری حکومت کے دائرے سے نکل جاؤ، امام نے اسی وقت صبر و شکر کے ساتھ بستر لپیٹا، اور رختِ تنگ نام

لہ خراسان اس زمانہ مین خاندان طاہریہ کے زیر حکومت تھا،

ایک قریہ مین چلے گئے،

افسوس کہ یہ قریہ بھی امن کا گھر نہین رہا، دل شکستگی کے عالم مین گھر سے نکلے تھے، خرتنک پہنچکر سخت علیل ہوگئے، ابھی بستر علالت پر تھے کہ امیر بخارا کا فرمان یہان سے بھی نکل جانیکے لئے صادر ہوا، اسی حالت مین دو آدمیون نے سہارا دیکر بستر سے اٹھایا، اور سواری پر بٹھانا چاہا، امام نے فرمایا ضعف سے اب قدم اٹھانا مشکل ہے، مجھے لٹا دو، لوگون نے لٹا دیا مگر وہ ایسے لیٹے کہ پھر نہ اٹھے، عبرت نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا کہ آہ! جسکی یاد سے آج کروڑون مسلمانون کے قلوب معمور ہین اور قیامت تک رہین گے، تیرے سایہ مین اسکو کہین قدم دھرنے کی جگہ بھی نہ مل سکی،

سلجوقیون کی حکومت کا وہ زمانہ شاید لوگون کو یاد ہو جب امام الاشاعرہ ابوالحسن الاشعری کو برسر منبر گالیان دیجاتی تھین، سلطان طغرل سلجوقی اسوقت بلاد روم سے لیکر چین کی سرحد تک تنہا فرمانروا تھا، ابونصر کندری وزیر تھا، جسکے ہاتھ مین تمام ملک کے نظم و نسق کی باگ تھی، مذہباً یہ بدعقیدہ شخص تھا، لیکن اپنے کو حنفی کہتا تھا، استاذ ابن الموفق اس زمانہ کے ایک صاحب علم امیر تھے، مذہباً وہ شافعی اور اشعری تھے، لوگون مین انکو نہایت ہردلعزیزی حاصل تھی، ابونصر کو خیال تھا کہ اگر وزارت کے منصب مین کوئی میرا حریف ہوسکتا ہے تو وہ یہی ابن الموفق ہے، سلطان طغرل فقہ حنفی کا پیرو تھا، وزیر نے اس سے اجازت لیکر یہ فرمان جاری کیا کہ آیندہ خطبون مین بدعتیون پر لعنت کیجائے اس حیلہ سے علی الاعلان شوافع اور اشاعرہ پر لعنت پڑھی جانے لگی، دفعتہً مملکت سلجوقی مین اس سرے سے اس سرے تک آگ سی لگ گئی، بڑے بڑے علما، ائمہ، قضاۃ اپنے اپنے گھرون سے نکل آئے، سیکڑون علماے اشاعرہ نے اپنے وطنون کو خیرباد کہا اور حجاز کا رخ کیا، کہتے ہین کہ اس سال یعنی ۴۵۵ھ مین اسقدر ارباب عمائم میدان عرفات مین جمع ہوگئے تھے کہ گنے گئے تو ۴۰۰ صرف قاضیون کی تعداد نکلی، بڑے بڑے علما جنکو امامت کا درجہ حاصل تھا، اپنے عہدون سے معزول ہوکر شہر بدر ہوئے،

یا قید ہوگئے، خاص فرمان سلطانی صادر ہوا کہ استاذ فراتی، استاذ ابن الموفق، امام الحرمین ابو المعالی (امام غزالی کے استاذ) امام ابو القاسم قشیری (شیخ الصوفیہ) قید کئے جائین یا جلا وطن ہو جائین اور آیندہ اُنہین مجمعون مین آنیکی اجازت نہو، امام الحرمین اور امام بیہقی اس ذلت کو گوارا نہ کرسکے، منصب اور وطن کو خیر باد کہا، اور سلجوقیون کی وسیع حکومت کے احاطہ سے باہر نکل گئے،

امام قشیری اور استاذ فراتی کو سر بازار گھسیٹا گیا، اور قہندز کے محبس مین قید کردیا گیا، ایک مہینہ اس قید مین بسر کیا، استاذ ابن الموفق نے حکومت کو اعلان دیا کہ ان بزرگون کو قید و بند سے آزاد کیا جائے، ورنہ بزور قیدخانہ سے اُنکو نکالا جائیگا، حکام نے اس اعلان کی پروا نہ کی، بلکہ خود استاذ کو گرفتاری کی دہمکی دی، استاذ نے اپنے رفقا کا ایک دستہ تیار کیا، اور رات کو شہر کے پہاٹک مین گھس گئے، کوچہ و بازار مین سرکاری سپاہیون اور استاذ کے ہمراہیون مین لڑائی ہوئی، سپاہیون نے شکست کہائی، قیدخانہ توڑکر قیدی نکالے گئے، سلطان کو خبر ہوئی تو استاذ ابن الموفق کو انکی اس جرأت پر سزا دی وہ پابزنجیر دربار مین حاضر کئے گئے، انکی تمام دولت و جائداد ضبط ہوگئی اور وہ خود ایک قلعۂ سلطانی مین قید کئے گئے،

امام بیہقی نے عبد الملک کو اور امام قشیری نے تمام دنیاے اسلام کے نام ایک فریادنامہ لکہا، آخر چار برس کے بعد زمانہ نے پلٹا کہایا، طغرل کی جگہ الپ ارسلان نے تخت حکومت پر قدم رکہا، ان فتنون کا بانی ابونصر کندری کیفر کردار کو پہنچا، اور نظام الملک نے قلمدان وزارت اپنے ہاتھ مین لیا، سمندر پھر اپنے رخ پر بہنے لگا، اور آفتاب پھر اپنے افق سے طلوع ہوا،

اُمیہ بن عبد العزیز اندلس کے ایک عالم تھے، معقول اور منقول دونون ملکتون مین انکی زبان و قلم کا سکہ چلتا تہا، ۵۱۰ھ مین وہ اندلس سے اسکندریہ آئے، افضل شاہنشاہ مصر کا فرمانروا تہا، اُس نے کسی سبب سے انکو قید کردیا، برسون اسی قید کے عالم مین گذارے، لیکن علم و فن کے کارزار کا

فاتح اس تنہائی مین بھی اپنے مفتوحات کی توسیع مین کوشان رہا، ہیئت مین عمل بالاصطرلاب اور کتاب الوجیز، طب مین کتاب الادویۃ المفردہ، منطق مین تقویم الذہن، فلسفہ مین کتاب الانتصار اسی قیدخانہ کی تنگ کوٹھری مین بیٹھکر تصنیف کی، ۵۸۳ھ مین شاہنشاہ نے مقر سے جلاوطن کردیا تو وہ مراکش کی طرف چلے گئے، آخر کہین اسی طرف ۵۹۲ھ مین اس عالم سے چل بسے[۱]

علامہ ابن حزم ظاہری بھی اسی سرزمین کی خاک سے اُٹھے تھے، جہان چھ سو برس تک اسلام کی بہار غیرت ارم بنی تھی، یعنی ارض اندلس، علامہ ممدوح ان اشخاص مین ہین جنکے فضل و کمال پر صرف مسلمانون کو نہین بلکہ دنیا کو ناز ہوسکتا ہے، وہ ایک مدت تک وزارت اور تدبیر و سیاست کے فرائض خاندانی انجام دیتے رہے، لیکن دفعۃً اس منصب کو اپنے رتبہ سے فروتر سمجھکر کنارہ کش ہوگئے، اور علم کے دربار کی خدمتگذاری مین اپنی بقیہ عمر صرف کی اور ۴۰۰ تصنیفات اپنے بعد یادگار چھوڑین،

علامہ کی تیغ زبانی اور بیباک بیانی نقوش اوراق بنکر گو آج بھی ہمارے سامنے ہے لیکن اس عہد کو آئینۂ خیال کے سامنے لاؤ جب وہ جمہور اُمم سے نڈر ہوکر برملا اپنے خیالات جنکو وہ سچ سمجھتے تھے، آشکارا کررہے تھے، فقہا نے انکی دار وگیر مین کمی نہ کی، ممانعت تھی کہ لوگ انکے پاس بیٹھنے نپائین، سلاطین نے انکو اپنے حدود سلطنت مین رکھنا گوارا نہ کیا، انکی بعض تصنیفات نذر آتش کی گئین، خود مصنف تمام عمر دربدر کی خاک چھانتا رہا، بڑے بڑے دارالحکومتون کو چھوڑکر صحرا نشینی اور بادیہ گردی اختیار کی، حق کے طالب اس بادیہ اور صحرا مین بھی ذرّون کی طرح اُنکے دامن سے لپٹے رہے، علامہ اس بے خانمانی مین بھی حق کی وہی گونج اور وہی کڑک اپنی زبان وقلم مین رکھتے تھے،[۲]

قرطبہ مولد تھا، لیکن ۴۵۶ھ مین ایک گاؤن مین وفات پائی،

---

[۱] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۱۸ [۲] تذکرۃ ذہبی،

شیخ الاسلام عبد اللہ بن محمد انصاری، ہرات وطن تہا، ذہبی نے لکہا ہے "حقگوئی مین تیغ برہنہ مناظرہ مین ہمیشہ شباب، اور اتباع سنت مین اپنی جگہ پر پہاڑ تھے، ایک قدم ہٹ نہین سکتے تھے" کئی دفعہ اپنی حق بیانی کی بدولت امتحانگاہ مین آے اور ہر دفعہ اپنی مضبوطی اور استقلال سے کامیاب نکلے، پانچ دفعہ انکی آنکہون کے سامنے زنجیر نہین بلکہ ننگی تلوارین رکہی گیئن کہ اپنی راے کے اظہار سے باز آو، لیکن ہر دفعہ اس جوان دل پیر مرد نے یہی جواب دیا کہ "خاموشی میرے مذہب مین گناہ ہے" آخر ایک فتنہ مین انکو لوگون نے شہر سے اس طرح نکالا کہ جمعہ کا دن، نماز کا وقت تہا، اتنا بھی کوئی روادار نہوا کہ وہ ایک وقت کی نماز شہر کے جامع مسجد مین پڑہ لین، وہ ہرات سے نکل کر قریہ بوشنگ مین گئے، سلطان الپ ارسلان نے فرمان صادر کیا کہ وہ ماوراء النہر کے علاقہ مین نکالدیئے جائین چنانچہ مع اہل وعیال مرو پہنچے، یہان بھی اقامت کی اجازت نہ ملی، اور بلخ بہیجدیئے گئے، وہان سے مروالرود کو جلا وطن کیئے گئے،

شیخ الاسلام نے ان مصائب اور تکالیف کو جس استقلال اور عزم صحیح کے ساتھ برداشت کیا تمام اعیان اسلام نے اسکو شکرگذاری کے ساتھ دیکہا، آفتاب زیادہ دیر تک بادلون کے پردہ مین چھپا نہین رہ سکتا، سوا دو برس کے بعد ۴۸۰ھ مین انکو وطن آنیکی اجازت ملی تو تمام ملک جوش مسرت سے چہلک اٹہا، معتقدون نے انکی سواری کے جانور کھول دیئے، مرو سے ہرات تک باری باری سے اپنے دوش و بازو پر لوگ انکو سوار کرکے لائے،[۵]

امام ابو جعفر عبد الخالق عباسی فضل وکمال کے ساتھ جرأت اور حقگوئی کی مجسم مثال تھے، بغداد اسوقت فساد تمدن کا مرکز تہا، امام ابو جعفر اور علامہ ابو اسحاق شیرازی نے جامع مسجد مین تمام مسلمانون کا عظیم الشان اجتماع کیا، اور سلطنت سے حسب ذیل امور کی بزور تعمیل کی درخواست کی،

---

۵ طبقات الحنابلہ ابن رجب،

شرابخانے اور دار الفواحش بند کئے جائین، بدمعاش اور بداخلاق لوگ شہر بدر ہون، شراب کی بھٹیان توڑ دالی جائین، ایسے سکے ڈہالے جائین جنمین بٹہ نہ لگے، خلیفہ نے ان تجاویز کو قبول کرلیا، لیکن عملاً انکا اجرا سلجوقی سلطان کے ہاتھ مین تہا،

اسکے بعد حنابلہ اور شوافع مین ایک ہنگامہ برپا ہوا، امام ابو جعفر نے پامردی سے اس میدان کو سر کیا، آخر بلطائف الحیل وہ قصر خلافت مین بلائے گئے، اور ایک حجرہ انکی اقامت کے لئے مقرر ہوا، پہلے ملنے والون کو آنے جانے کی اجازت تھی، اسکے بعد یہ حکم ہوا کہ صرف منتخب اشخاص آنے پائین، امام نے کہا اگر یہ حکم ہے تو آج سے مین خود کسی سے نہ ملونگا، پھر انکی حثیت ایک قیدی کی ہوگئی، حالت قید مین انھون نے کھانا چھوڑ دیا، اور متصل روزہ رکھنا شروع کیا، قوت نے جواب دیا، عام مسلمانون کو یہ خبر معلوم ہوئی تو انھون نے شورش کی، حکام نے گھبرا کر رہا کیا، لیکن اسی وقت روح بھی قید تن سے رہا ہوگئی،[1]

کیا یہ پزیسو ریسسٹنس (مقادمت متحملانہ) تہا!،

یہ تو مقادمت متحملانہ کی ارادی صورت تھی، لیکن ذیل کا واقعہ اس سے بھی زیادہ المناک ہی، شریف مرتضیٰ ابو المعالی حسینی سمرقند کے باشندہ تھے، خدا نے علم و عمل کے ساتھ دولت و نعمت سے بھی سرافراز کیا تہا، امیر ترکستان نے ایک دفعہ انکو پیام بھیجا کہ اپنے باغ مین وہ اسکی دعوت کا سامان کرین، اور وہ خود اس جشن مین شریک ہون، شریف نے کہلا بھیجا یہ ناممکن ہے کہ میرے باغ مین جہان قال اللہ و قال الرسول کے ترانے بلند ہون، امیر کے لئے وہان رقص و سرود کی محفل برپا کیجائے، امیر یہ جواب سن کر چراغ پا ہوگیا، اور دہوکے سے انکو گرفتار کرلیا، قیدخانہ مین یہ احتیاط کیگئی کہ قوت انسانی کا کوئی سرمایہ انکے پاس نہ پہنچنے پائے، اسی حالت گرسنگی مین روح نے تن کو الوداع کہا، اور صداقت و

---

[1] طبقات الحنابلہ ابن رجب،

راستی کا فرشتہ ہماری زمین سے آسمان پر چلا گیا[۱]،

امام الائمہ حافظ **ابن جوزی** جنکے فضل وکمال کی شہرت ہماری علمی محفلون کی دلکش داستان ہے اور جنکی تصنیفات کا انبار ایک مستقل کتبخانہ ہے، ایک طرف تو انکی مقبولیت یہ تھی کہ ایوان خلافت مین انکے لئے منبر بچھایا جاتا ہے، دوسری طرف بعض امرا کے اشارہ سے انکو برہنہ تن قید زنجیر مین گرفتار ایک کشتی مین بٹھا کر بغداد سے واسط بھیجا جاتا ہے[۱]،

شیخ الاسلام **عبد الغنی** مصر کے امام تھے، بڑے بڑے سلاطین کے دربارون مین وہ اپنی راستگوئی اور قول حق سے زلزلہ پیدا کردیتے تھے، ایک دن بازار مین جارہے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ اسکے ایک ہاتھ مین تلوار اور دوسرے مین شراب کا شکیزہ ہے، امام نے دوڑکر شکیزہ اسکے ہاتھ سے چھین لیا، اس نے تلوار نیام سے کھینچ لی، لیکن اُنھون نے پروانہ کی، اور شراب زمین پر گرادی، فتوی دیا کہ گانا بجانا ناجائز ہے، قاضی نے پیادہ بھیجا، تمہارے فتوی سے سلطان کی بزم عشرت سرد ہوگئی، تم آکر اس باب مین مجھسے مناظرہ کرجاؤ، جواب دیا کہ خدا تمہاری اور تمہارے بادشاہ دونون کی گردنین مارے، مجھے مناظرہ کی ضرورت نہین، خدا اور اسکے رسول کا حکم سامنے ہے،

موصل مین اس بنا پر انکو قید کیا گیا کہ اُنھون نے حدیث کے ایک راوی کو ضعیف کہا تھا، دوسری جگہ انکو اسلئے روپوش ہوکر صرف ایک تہبند باندھ کر جلاوطن ہونا پڑا کہ ایک قدیم مصنف کی ۲۹۰ غلطیان انھون نے ظاہر کی تھین، دمشق مین فتنہ گرون نے انکو جامع مسجد جانے سے روک دیا، مصر مین ملک الکامل نے انکو جلاوطن کرنا چاہا، پھر ایوان شاہی مین قید کردیا، ایک امیر کی سفارش پر رہا ہوسے، غرض تمام عمر اسی بے اطمنانی مین گذری، تاہم جو فرض تھا وہ کبھی متروک نہوا[۱]،

امام الاحرار علامہ **ابن تیمیہ** حرانی، جنکی کہنا چاہیئے کہ عمر ہی قلعون اور قید خانون مین بسر ہوئی

---

[۱] تذکرۂ ذہبی،

سنہ میں جب وہ پہلی دفعہ مصر میں قید ہوئے، علماء نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اگر وہ یہ شرائط منظور کرلیں اور ان خیالات سے باز آجائیں تو انکو آزاد کردیا جائے، علامہ نے قید گوارا کیا، لیکن اپنے خیالات سے آزادی گوارا نہ کی، قیدیوں کو کھانا کپڑا سلطنت کی طرف سے ملتا تھا، لیکن علامہ نے عطیۂ سلطانی سے بالکل انکار کیا، اور فقر و فاقہ سے بسر کی،

تاتاری سیلاب نے جب ممالک اسلام کو زیر و زبر کرنا شروع کیا، اسکی لہریں سواحل شام تک بھی پہنچیں، علامہ شاہ مصر کے دربار میں پہنچے، اور نہایت دلیری اور بیباکی سے اسکو غیرت دلائی اور کہا اگر تم اسلام کا فرض ادا نہ کروگے تو خدا کسی دوسری قوم کو بھیجکر اپنا فرض ادا کریگا، تمام دربار علامہ کی اس جرأت کو دیکھکر انگشت بدندان رہ گیا،

علامہ، مصر، قاہرہ اور اسکندریہ میں ایک ایک دفعہ اور دمشق میں دو دفعہ قید ہوئے، اور ہر دفعہ اپنے خیال پر اس مضبوطی سے قائم رہے کہ ہلکے شرائط پر بھی وہ اپنے مخالفوں سے صلح پر آمادہ نہیں ہوئے، سنہ میں حلف طلاق کے مسئلہ میں جمہور علما سے اختلاف کیا، اسپر ہنگامہ برپا ہوگیا، سلطنت سے فرمان جاری ہوا کہ وہ فتویٰ نہ دینے پائیں، شہر میں اسکی عام منادی کرائی گئی، لیکن علامہ نے کہا حق کا چھپانا جائز نہیں، چنانچہ بدستور فتویٰ دیتے رہے، بالآخر سلطان کے حکم سے وہ قید کئے گئے، اور پانچ مہینے کے بعد رہا ہوئے،

۲۰ برس پہلے علامہ نے فتوی دیا تھا کہ زیارت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا شرعاً حرام ہے یہ فتنۂ خوابیدہ اب بیدار ہوا، اور علامہ پھر قیدخانہ میں تھے، علامہ کے بھائی شرف الدین پر کوئی جرم نہ تھا، لیکن غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بھائی کو تنہا چھوڑ دیں، اپنی خوشی سے قیدخانہ میں گئے، قیدخانہ ہی میں انتقال کیا، جنازہ کی نماز قیدخانہ سے باہر پڑھی گئی، زندہ بھائی کو اپنے بھائی کی میت پر آنیکی اجازت نہ ملی، قیدخانہ ہی میں علامہ نے نماز جنازہ ادا کی، یہ ایسا دردناک منظر تھا کہ

لوگ تاب نہ لاسکے اور رو پڑے،

قیدخانہ مین زیادہ تر اوقات تالیف وتصنیف، قرآن مجید کے حل نکات، مختلف مسائل کی تحقیقات اور اطراف ملک سے جو فتوی آتے تھے اُنکے جواب مین بسر کی، یہ دیکھکر حکم صادر ہوا کہ دوات وقلم بھی چھین لیا جائے، دست وقلم بیکار ہوگئے تو زبان ودل نے اپنا کام شروع کیا، شب وروز تسبیح وتہلیل اور عبادت وریاضت مین بسر کرنے لگے، آخر اسی عالم مین جان دی، انکے مرنے کی خبر جب ملک مین پھیلی تو مصر وشام سے چین تک مسلمانون نے اُنکے جنازہ کی نماز غائبانہ پڑھی،

حافظ ابن القیم علامہ کے ممتاز اور مایۂ ناز تلامذہ مین ہین یہ اپنے استاد کے نام پر جان دیتے تھے، اُنکے مجتہدات سے بہت کم انحراف کرتے تھے، اُنکی تصنیفات اب بھی علم وفن کا بڑا ذخیرہ ہین، معقول ومنقول دونون مین یگانہ تھے، علامہ ابن تیمیہ کی تصنیفات کی اشاعت زیادہ تر انہین کی زبان وقلم سے ہوئی، بارہ برس یہ علامہ کی صحبت مین رہے تھے، علامہ کے ساتھ قید مین بھی کچھ عمر گذاری، شام مین حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبر مشہور ہے، جو ابتک زیارتگاہِ عوام ہے، حافظ ابن القیم نے بربنائے حدیث خاص اس قبر کی زیارت کے لئے سفر کرکے جانا شرعاً حرام بتایا تھا، اس مسئلہ نے عوام مین برافروختگی پیدا کردی، اونٹ پر چڑھا کر شہر کے کوچہ وبازار مین انکی تشہیر کیگئی، اور آخر فضل وکمال کے کنعان کا یوسف مصر کے زندان مین ایک مدت تک قید رہا، (درر کامنہ)

مین پچھلے سلسلۂ واقعات مین ایک بزرگ کا نام چھوڑ آیا ہون، شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی یہ فقہ حنفی کے معلم ثانی ہین، امام نے ایک کلمۂ صدق کے معاوضہ مین اوزگند (ترکستان) مین قید وزنجیر گوارا کی، اسی قیدخانہ مین بیٹھکر امام نے مبسوط کی ۱۵ جلدین تصنیف کین، ہر جلد کے اخیر مین مصنف نے اپنے حال زار کا مرثیہ لکھا ہے، ہندوستان والون کو امام الہند شیخ احمد سرہندی کا نام معلوم ہوگا جنھون نے جہانگیر کے دربار مین سجدۂ تعظیمی بجالانے سے انکار کیا اور اسکے لئے قید سخت کی زندگی گوارا کی،

معرفت

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا

از جناب ڈاکٹر صادق علی صاحب کپورتھلہ

یہ حدیث[له] کئی بزرگون نے تصوف کی کتابون مین نقل کی ہے، اور بعض نے اسکے صریح معنی نہین لئے، بلکہ تاویل کی ہے، شاید انکو اپنے زمانہ کے خیالات وحالات کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی ہو، لیکن اسکے ظاہری معنی درحقیقت بہت بڑی صداقت کی تعلیم دیتے ہین، یعنی یہ کہ انسان کے لئے اپنے نفس کی معرفت اپنے رب کی معرفت کا ذریعہ ہے، جو لوگ موجودات عالم مین غور وتامل کیا کرتے ہین، انکے لئے معرفت الٰہی کا یہ طریق سب سے زیادہ سیدھا اور سہل ہے، اسلئے سطور ذیل مین اس مسئلہ کی بحث پیش کیجاتی ہے،

اصل مین **علم** اور **معرفت** کے ایک ہی معنی ہین، اسلئے پہلے جب تک علم کی تعریف نہ کردیجائے عنوان کی حدیث کے معنی بخوبی واضح نہین ہوسکتے، انسان کے علم حاصل کرنیکا ذریعہ اسکی ظاہری و باطنی حواس ہین، حکما نے ان حواس کی تقسیم مختلف طریقون سے کی ہے، لیکن یہان مسئلہ زیر بحث کے واضح کرنیکے لئے مختصر طور پر انکا بیان کافی ہوگا،

پانچ حواس تو ظاہری ہین، باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ، جو تصویرین روشنی کے ذریعہ سے بن سکتی ہین، وہ قوت باصرہ سے محسوس ہوتی ہین، جو صورت کسی مادی شے کے اجزا مین تموج ہوکر پیدا ہوتی ہے وہ قوت سامعہ سے محسوس ہوتی ہے، اگرچہ ہوا کے اجزا کا تموج عام طور پر اس حس کی خدمت کرتا ہے، لیکن پانی، لکڑی، دھات وغیرہ کے اجزا کا تموج بھی آواز کی صورت مین

[له] معارف: یہ حدیث نہیں، صوفیائے کرام کا مقولہ ہوگا جسکو غلطی سے حدیث کا رتبہ دیا گیا ہے،

محسوس ہوا کرتا ہے، جو اجسام ایسے ہین کہ اُنکے اجزا لطیف بخاری یا ہوائی صورت مین اُٹھکر منتشر ہوتے رہتے ہین، جب وہ ناک مین داخل ہوتے ہین تو حس شامہ کے ذریعہ سے انکی ہر طرح کی بُو کا احساس ہوتا ہے، جو چیز منھ کی رطوبت مین حل ہوکر زبان کے عصبی ریشون پر اثر کرتی ہے، اس سے ذائقہ کا حس پیدا ہوتا ہے، حسِ لامسہ کے اعصاب تمام جسم مین پھیلے ہوئے ہین، اُنسے سردی گرمی، خشونت، ملاحت وغیرہ کے احساس ہوتے رہتے ہین،

ان پانچ کے سوا ایک اور حس ہے اُسکو بھی ظاہری حواس کے ساتھ شمار کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ "حسِ عضلاتی" ہے، اسکے ذریعہ سے وزن اور مزاحمت کا احساس ہوتا ہے،

ان چھ حسون کے سوا ایک اور حس ہے جو تمام اجزاے بدن مین موجود ہے، اسکی کوئی خاص صورت بیان نہین کیجاسکتی ہے، لیکن اسکا احساس بے انتہا صورتون مین ہوتا رہتا ہے اِس لئے اسکو "حس عام" کہنا چاہیئے، جسم کے کسی حصہ مین کوئی غیر طبعی حالت کسی وجہ سے پیدا ہو تو کسی قسم کا حس پیدا ہو جاتا ہے، جو انسان کو غیر طبعی حالت کے توع سے متنبہ کرتا ہے، مثلاً درد، خارش، غثیان، پیچش، گھبراہٹ وغیرہ بیشمار صورتین اس حس کی ہین، ورمعمولی حالات بھی محسوس ہوتے رہتے ہین جیسے بھوک، پیاس، تکان وغیرہ - اور ہر ایک ضرورت کے پوری ہوجانے سے جو ایک اطمنان اور تسلّی کا احساس ہوتا ہے، وہ بھی ایک طرح کا حس ہے لیکن ایسے احساسات کے لئے کوئی خاص قسم کے اعصاب معلوم نہین ہین، اور اُنکی صورتین غیر مقرر اور بیشمار ہین اس لئے کوئی حکیم اُنکی تقسیم اور تعریف کے درپے نہین ہوا، ایک عام لفظ وجدان کا ان پر اطلاق کردیاجاتا ہے

حواس باطنی کی تقسیم مین حکماے متقدمین اور متاخرین کے درمیان اختلاف ہے، اُن کا دماغ کے خاص خاص حصون کے ساتھ مخصوص کرنا بالکل بے دلیل ہے، البتہ ان حواس کا علم ہر ایک انسان کو ہے جو معمولی حالات مین ضروری طور پر فعل کرتے رہتے ہین، ان مین سے

ایک "حس مشترک" ہے جسمین ساری صور حسیہ کا جو کسی حس کے راستہ سے آئین ادراک ہوتا ہے
دوسری "قوت تخیلہ" ہے، جسمین محسوسات سابقہ کی صورتون کا محسوسات موجودہ کی صورتون کے
ساتھ مقابلہ ہوکر انکی جماعت بندی اور تقسیم ہو جاتی ہے، مثلاً ایک شخص جب گلاب کا پھول
دیکھتا ہے اور اسکی صورت قوت تخیلہ مین جاتی ہے تو پہلے پھولون کی صورتین جو ذہن مین
موجود ہین اُنسے مقابلہ ہوکر گیندے اور چنبیلی کے پھولون سے متمیز اور گلاب کے پھول کی صورت کے ساتھ
متحد ہوکر حافظہ مین داخل ہو جاتی ہے، ایک "قوت واہمہ" ہے، اسکا یہ کام ہے کہ قوت تخیلہ مین
جو صورتین حاضر ہون یا حاضر کرکے ان مین کمی بیشی تغیر تبدل کرکے نئی صورتین بنالیتی ہے، یہ قوت
فنون شاعری، مصوری، اور ہر طرح کی ایجاد مین مدد دیتی ہے، ایک "قوت متفکرہ" ہے، جو مقدمات
معلومہ کو حاضر کرکے انکا مقابلہ کرتی ہے، اور اس مقابلہ سے نتائج نکالتی ہے،

درحقیقت "قوت حافظہ" کو حواس باطنی مین شمار کرنا نہین چاہیے کیونکہ جو صور ذہنی قوۃ حافظہ مین جمع رہتی ہین اُنکا حس نہین ہوا کرتا، جبوقت وہ تخیلہ مین نفس کے سامنے حاضر ہون تب اُنکا حس ہوتا ہے، ایک "قوت انتخابی" ہے جو فکر کے نتائج مین سے کسی نتیجہ کو عمل کے لئے اختیار کرلیتی ہے اور پھر "قوت نفوذی" ہے جو انتخاب کئے ہوے نتیجہ کو عمل مین لانے کے لئے افعال اختیاری کے اعضا کو خدمت کرنے پر لگا دیتی ہے[1]،

ان محسوسات اور مدرکات کے ذریعہ سے جو حالات نفس پر وارد ہوتے ہین، انکو حالات ذہنی کہتے ہین، ان حالات ذہنی سے وجدانیات اخلاقی پیدا ہوتے ہین، جیسے محبت، عداوت، غم، غصہ، خجالت، نفرت، حقارت، حرص، وغیرہ ہین، اصل مین انسان کے اعمال کے اصول یہ وجدانیات ہین، یہی حالات، انسان کو عمل کرنے پر برانگیختہ کرتے ہین، محض علم کسی شے کا انسان کو عمل کیلئے

[1] حواس باطنی کے بیان مین پوری پوری حکماء قدیم کی اور نہ متاخرین کی پیروی کیگئی ہے ایک مختصر اور زود فہم طریق ضرورت کے موافق اختیار کیا گیا ہے

ملیا رہنین کرتا، مثلاً جب کسی مرغوب شے کا ادراک ہو تو وجدان رغبت اسکے حاصل کرنے کے لئے اعضاے جسم کو حرکت مین لائیگا، اسی طرح خوفناک شے کا ادراک اس شے سے بچنے کے لئے عمل کی تحریک کریگا، غرض ان دونون صورتون مین عمل کے موجب رغبت اور خوف ہوتے ہین، اور کسی شے کا محض ادراک اور علم عمل کا موجب نہین ہوتا،

جب حواس مذکورہ کے ذریعہ سے کوئی صورت حسّی ذہن مین پہنچتی ہے تو فطری اور طبعی طور پر اس شے کے خارج مین موجود ہونے کا یقین ہوتا ہے، اور یہ صورت حسی اس کی صفت اور وہ شے خارجی موصوف سمجھی جاتی ہے، جب ایک شے کی کچھ صفتین معلوم ہوتی ہین تو کہتے ہین کہ اس شے کا علم ہوگیا، اس شے کو پہچان لیا، کیونکہ ہر ایک شے کی صفتون کا مجموعہ اس شے کی ماہیت کو پیدا کرتا ہی جسکے ذریعہ سے انسان اس شے کو جانتا اور پہچانتا ہے، اور جسقدر ایک شے کی صفات کا علم زیادہ ہوجاتا ہے اُسیقدر اس شے کی ماہیت کا علم بڑہتا جاتا ہے، اور اسیقدر انسان اس شے معلوم سے فائدہ حاصل کرنے کی زیادہ قدرت پاتا ہے،

اسی طرح سے کسی شے کی صفات معلوم ہونے سے انسان کو دو طرح کا علم حاصل ہوتا ہے، ایک علم شہودی اور دوسرا علم ایمانی، مثلاً جب مین ایک درخت کی صورت کا احساس کرتا ہون تو حواس کے ذریعہ سے اس درخت کی شکل، قد، رنگ، بو، نرمی وسختی اور ذائقہ وغیرہ کا احساس کرتا ہون، اور یقین کرتا ہون کہ یہ سب صفتین اس درخت کی ہین جو خارج مین یعنی میرے ذہن کے باہر عالم مین موجود ہی ان صفات کا علم "شہودی" ہے، اور اس درخت کا علم "ایمانی" ہے، کیونکہ انسان صفات کو براہ راست محسوس کرتا ہے، اور ساتھ ہی فطری طور پر یقین کرتا ہے کہ یہ صفات اس شے کی ہین، جس نے میرے ذہن مین ان خاص صورتون مین اثر کیا ہے، اور اس شے کی ذات کا علم محض ان صفات کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے، چونکہ درخت کی ذات صفات سے علحدہ ہوکر ہمارے نفوس پر کسی طرح اثر نہین کرتی ہے

اس واسطے درخت کی ذات کا علم شہودی نہین ہوسکتا، صرف ایمانی ہوتا ہے، لیکن ایمانی علم شہودی علم سے بھی زیادہ یقینی ہوتا ہے، کیونکہ صفات شے کی بدلتی رہتی ہین، ذات شے کی نہین بدلتی، یہی درخت کبھی چھوٹا تھا، پھول، پھل اسمین کچھ نہین تھا، رفتہ، رفتہ بڑھتا گیا، اور پھول پھل لانے لگا، پھر خشک ہونے لگا، غرض اسی طرح سے صفات اسکی بدلتی رہین، لیکن ذات ایک ہی رہی، اسی طرح سے انسان کبھی بچہ ہے، کبھی جوان ہے، کبھی بڈہا ہے، اسکا قد، علم، طاقت، صورت سب بدلتی رہتی ہین، لیکن وہی انسان جسکی صفتین اس طرح سے بدلتی رہی ہین، پیدائش سے لیکر موت کے وقت تک اپنے خیال مین اور دوسرے دیکھنے والون کے خیال مین ایک ہی رہا ہے، اسکی ذات مین کوئی تغیر نہین ہو

شہودی اور ایمانی علوم کے متعلق انسان کے ذہن مین پانچ اصول طبعی طور پر مرتکز ہین، ایک یہ کہ صفات ذات کا عین نہین ہوتین، دوسرے یہ کہ صفات ذات سے پیدا ہوتی ہین، تیسرے یہ کہ ذات کا وجود خارج مین مستقل ہے، چوتھے یہ کہ صفات کا وجود مستقل نہین ہوتا، بلکہ کسی مستقل وجود پر موقوف ہوتا ہے، پانچوین یہ کہ صفات کے تغیر سے ذات مین تغیر نہین ہوا کرتا، ان پانچ امور کی واقعی صداقت ہونے پر ہر ایک وجدان سلیم شہادت دیتا ہے، اسلئے یہ اصول بدیہی ہین، دلیل کے محتاج نہین ہین، شہادت سے بڑھکر کوئی اور شے یقینی نہین ہوسکتی،

یہانتک علم کا جو بیان اور اسکی تعریف کیگئی ہے وہ موجودہ ضرورت کے واسطے کافی ہے، اب یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ نفس کیا ہے؟ یہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ہر ایک شے کا علم اسکی صفات کے احساس سے حاصل ہوا کرتا ہے، اسی طرح سے نفس کا علم بھی صرف اسکی صفات کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے، نفس کی صفات نفس کے حالات مین منحصر ہین، یعنی نفس کی ہر ایک حالت جس جس سے نفسِ حساس متاثر ہوتا ہے، نفس کی صفت ہے، انسان کے نفسِ حساس پر مختلف حالات وارد ہوتے رہتے ہین، کبھی سردی ہے، کبھی گرمی، کبھی آرام ہے، کبھی تکلیف، اسی طرح سے بھوک، پیاس،

غم، خوشی، رغبت، نفرت، محبت، عداوت وغیرہ نفس کے حالات ہین، اور نفس کا یہ خاصہ ہے کہ محض اضداد اور متفاوت اور متمایز اثرات سے متاثر ہوا کرتا ہے، جہان تمیز اور تفاوت نہین وہان نفس پر کوئی اثر نہین ہوتا، مثلاً گرمی کا احساس اسی وقت ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے ٹھنڈ کا احساس ہو اور آرام کا احساس جبھی ہوسکتا ہے جب پہلے تکلیف کا احساس ہو، کیونکہ "علم تمیز" کا نام ہے، جہان تمیز نہین وہان علم ناممکن ہے، مگر میری مراد اس علم سے "علم شہودی" ہے "علم ایمانی" کے لئے یہ شرط بالکل نہین ہے،

غرض نفس وہ شئے ہے جو حالات متفاوتہ اور متمیزہ سے متاثر ہوتا رہتا ہے جیسے "علم شہودی" سے خارجی موجودات کا "علم ایمانی" حاصل ہوتا ہے، اسی طرح سے "علم شہودی" سے نفس کے وجود کا "ایمانی علم" حاصل ہوتا ہے، اور ساتھ مین وہی پانچون اصول فطری جو ابھی بیان کئے گئے ہین، صفات نفس اور ذات نفس سے ضروری تعلق رکھتے ہین، یعنی یہ حالات متغیرہ نفس کی صفت ہین جس پر یہ حالات وارد ہوتے رہتے ہین، نفس بالاستقلال اور بذات خود موجود ہے، یہ حالات اپنے وجود مین نفس کے محتاج ہین، اور نفس اُنکا محتاج نہین ہے، اور یہ حالات نفس کا عین نہین ہین، یہ امور ایسے فطری ہین کہ کوئی انسان سلیم الحواس ان امور مین اختلاف نہین کرسکتا، جو شخص اَسّی سال کا ہو وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ پیدائش سے لیکر آج تک شخص واحد رہا ہون، اور ہزار دن قسم کے حالات مجھ پر ہوتے رہے ہین اور گذرتے گئے ہین، ان حالات کے تغیر سے میری ذات مین تغیر کبھی نہین ہوا۔

انسان کے علم شہودی سے تین معلومات حاصل ہوتی ہین، اول صور حسیہ جو براہ راست محسوس ہوتی ہین، دوسرے ان صور ذہنیہ کی علت جو خارج مین موجود ہوتی ہے، تیسرے ان صفات کا مظہر یعنی نفس مدرکہ۔ یہ بات اوپر معلوم ہوچکی ہے کہ صفات موصوف کے ساتھ متحد نہین ہین اور مظہر کے ساتھ بھی متحد نہین ہین، موصوف کے ساتھ انکا معلولیت کا تعلق ہے، یعنی موصوف ان

صور ذہنیہ کی علت ہے، اور مظہر کے ساتھ انکا محلیت کا تعلق ہے، کہ نفس پر یہ حالات وارد ہوتے رہتے ہین، مگر نفس کے ساتھ متحد نہین ہین، ان امور پر غور کرنے سے نفس کی یہ تعریف ہوئی، وہ جوہر جو مورد حالات مختلفہ ہوکر ان حالات کا احساس کرتا ہے، اور انکو ایک دوسرے سے تمیز کرتا ہے، نفس مدرکہ کہلاتا ہے، چونکہ تمیز اور تفاوت علم کی شرط ہے، بغیر تمیز کے احساس نہین ہوسکتا ہے، اسلئے اس تمیز کا وجود محض حالات واردہ نفس مین ہوتا ہے، ان حالات کے سوا اور کہین نہین ہوسکتا یعنی تمیز و تفاوت کا وجود صرف عالم ذہن مین ہے اور کہین نہین ہے، کیونکہ تمیز کرنا ذہن کا خاصہ ہے جو ذہن کے سوا اور کہین نہین پایا جاتا،

نفس کی معرفت سے رب کی معرفت حاصل کرنے کے لئے صرف ایک قدم بڑھنے کی ضرورت ہے پھر رب کی معرفت کا دروازہ کھل جاتا ہے، جو صور حسیہ کسی موصوف کے وجود خارجی پر دلالت کرتی ہین وہ خود متغیر اور حادث ہین، یہ امر تو بدیہی ہے اور موصوف جو انکی علت ہے بذات خود قائم ہے، یہ فطری وجدان کی شہادت ہے، اور دلالت التزامی کے طور پر اس ذات کا وجود واجب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جو صفتون کے تغیر سے متغیر نہین ہوتا، وہ کسی طرح متغیر نہین ہوسکتا اسلئے واجب ہے، اب یہ بات معلوم کرنی باقی ہے کہ یہ موصوف جو متعدد معلوم ہوتے ہین، یہ تعدد موصوف مین ہے یا نفس مین ہے، یا محض حالات نفس مین ہے، اسمین تو شک نہین کہ یہ تعدد حالات نفس مین ہے، کیونکہ بغیر تمیز اور تعدد کے احساس ممکن نہین - لیکن جو صور محسوسہ کی علت ہی اسمین بھی تمیز اور تعدد جیسے ظاہر مین معلوم ہوتا ہے حقیقت مین ہے یا نہین، اس بات کو معلوم کرنا چاہیے عالم ذہنی اور عالم خارجی اسمین ایسے مختلف ہین کہ جو شے ایک مین ہے وہ دوسرے مین نہین، عالم ذہنی محض صفات کا محل ہے، اور عالم خارجی محض ذات کا محل ہے، اگر عالم خارجی مین تمیز اور تفاوت تسلیم کیا جاے تو اسکے یہ معنی ہونگے کہ ذہن وہان موجود ہے جہان ذہن موجود نہین ہے کیونکہ

تمیز ذہن ہی کا فعل ہے، اگر خارج از ذہن تمیز مان لیجائے تو یہی معنی ہوے کہ ذہن خارج از ذہن موجود ہے یہ اجتماع نقیضین ہے اسلئے خارج مین تمیز نہین ہے، لیکن وجود ضرور ہے، کیونکہ یہی وجود تو صور ذہنیہ کی علت ہے۔ اگر یہ وجود نہو تو صور ذہنیہ کہان سے پیدا ہون، اسلئے وجود خارج مین ہے، اور اسمین تمیز نہونیکے باعث وہ وجود واحد ہے، اور یہ وجود قابل تغیر بھی نہین ہے، کیونکہ اسمین تغیر ہوا تو تفاوت اور تمیز ہوئی، حالانکہ تفاوت اور تمیز کا وجود ذہن کے خارج ممکن نہین،

اس امر کی دلیل کہ حالات نفس کا وجود خارج مین نہین ہے تلاش کرنیکی ضرورت نہین ہے کیونکہ یہ امر بدیہی ہے۔ کسی شے کے دیکھنے سے انسان کو خوشی ہوتی ہے، اور کسی شے کے دیکھنے سے خوف یا غم ہوتا ہے، ایسا نادان کوئی شخص نہین ہے جو یہ کہے کہ خوشی، خوف، اور غم خارج مین موجود مین وہان سے میرے نفس مین داخل ہوتے ہین، بلکہ ہر ایک شخص طبعی طور پر اس بات کو جانتا ہے کہ خوشی، خوف، غم وغیرہ میرے نفس کے حالات ہین، صرف انکا سبب خارج مین موجود ہے، یہ حالات خارج مین موجود نہین ہین، علاوہ اسکے اور بہت سی شہادتین اس امر کی موجود ہین کہ حالات ذہنی ذہن مین ہی محدود ہین، خارج مین انکا وجود نہین ہے، مثلاً ایک برتن مین ۵۰ درجہ کی حرارت کا پانی ہو، اُسمین ہاتھ ڈالنے سے کسی کو وہ پانی سرد معلوم ہوگا، کسی کو گرم معلوم ہوگا، جسکا ہاتھ سرد ہو اسکو گرم معلوم ہوگا، اور جسکا ہاتھ گرم ہے اسکو سرد معلوم ہوگا، حالانکہ پانی ایک ہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سردی گرمی کا وجود ذاہن کے ذہن مین ہے، خارج مین کہین نہین ہے، اسی طرح سے متعفن مردار گوشت کو چیل کوے بڑے مزے سے کہاتے ہین، انسان اُسکے قریب جانے سے بھی نفرت کرتا ہے، حالانکہ خارج مین وہ چیز ایک ہی ہے، غرض حالات نفس کے تفاوت صرف حالات نفس ہی مین منحصر ہین خارج مین انکا وجود کہین نہین ہے، اگر کسی کو ایک چابک زور سے مارا جاے تو اسکو بڑی تکلیف ہوگی، اس تکلیف کی علت تو چابک کا لگنا ضرور ہے، لیکن وہ تکلیف جو اس نے محسوس کی ہے، چابک مین

موجود نہین ہے، پس جب خارج مین تمیز، تفاوت نہوا تو تعینیت اور تعدد بھی خارج مین نہین ہو سکتا، اسلئے جو وجود خارج مین موجود ہے وہ واحد ہے،

اب یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم شہودی دو وجودون پر دلالت کرتا ہے ایک وہ وجود جو صفات کی علت ہے، اور دوسرا وہ وجود جو صفات کا مظہر ہے، اگر یہ دو وجود ہوے تو خارج مین تفاوت اور تمیز جو ہوئی، اس کا جواب ظاہر ہے کہ مظہر ہونا اور علت ہونا خود امور اعتباری اور ذہنی ہین، خارج مین یعنی حقیقت مین علتِ صور ذہنیہ اور مظہر صور ذہنیہ دونون ایک ہی ہین، جیسے آفتاب، ماہتاب، ستارے، ہوا، پانی، زمین، حیوانات، نباتات، جمادات سب مختلف اشیا معلوم ہوتی ہین، لیکن اُنکا مابہ الامتیاز جو انسان کے ذہن مین ہے، اس سے علٰحدہ کرکے دیکھا جاے تو اُنمین تفاوت یا تعدد ہونا ممکن ہی نہین، موجودات عالم پر اور اپنے نفس پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عالم مین صرف ایک وجود ہے، جو غیر متغیر قدیم اور واجب ہے، اور دوسرا اسکا ظہور ہے، وہ حادث اور متغیر اور ممکن ہے، وجود ایک سے زیادہ ہونا ممکن نہین ہے، کیونکہ ایک سے زیادہ ہو تو تفاوت ہوگیا، اور تفاوت نام ظہور کا ہے، اور ظہور مین کثرت لازم ہے،

غرض جب تک متضاد حالات نفس پر وارد نہون احساس ناممکن ہے، اسلئے اس عالم مین ایک وجود ہے، اور بے انتہا اسکے ظہورات ہین، "یہ وجودِ رب" ہے اور یہ ظہورات تمام اسکی صفات اور شیونات کے مظاہر ہین،

باقی

ارض القرآن حصۂ دوم، جسمین ابراہیمی عربون کی تاریخ، اور عرب قبل اسلام کی تجارت، زبان اور مذاہب کی تشریح ہے، لکھائی، چھپائی، کاغذ اعلٰی، قیمت ۱۲؍

منیجر دار المصنفین

ابن یمین
اور
انکی شاعری

از مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دارالمصنفین

ایران قدرتاً ہر حیثیت سے شاعری کے لئے موزون ملک تہا، اور یہی سبب ہے کہ شعرار کی جتنی بڑی تعداد اسکے چند مشہور شہرون سے الگ الگ جمع ہوسکتی ہے، غالباً ایشیا کے اور کسی پورے ملک سے بھی نہین ہوسکتی، لیکن ان تمام شعرامین سے اگرہم صرف ان اشخاص کو منتخب کرنا چاہین جنکی شاعری محض رسمی یا کسی سطحی مقصد کی بناپر نہتی، بلکہ انکا کوئی خاص خیال یا نصب العین تہا جسکی توسیع واشاعت کا بہترین ذریعہ انکی شاعری تہی، توہمکو گنتی کے چند نام مل سکین گے، سعدی، حافظ، عمرخیام، اور ابن یمین یا چند اور صوفی شعرار، سعدی کا کلام گوناگون پند ونصائح کا مجموعہ ہی، حافظ، اورعمرخیام رازحیات انسانی یعنی عیش ومسرت کے نقیب ہین، صوفی شعرار کا تمامتر نشہ بادۂ توحید ووحدت وجود سے ہے، ابن یمین کی شاعری بھی اخلاقی ومعاشرتی نصائح اورانسانی رازِ زندگی کی تفسیر ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض جداگانہ خصوصیات کی بناپر اسکی شاہراہ سب سے الگ نظرآتی ہے،

فارسی شاعری بلحاظ مضامین جن انواع واقسام کا مجموعہ ہے، ان مین فلسفہ واخلاق کا بھی معتدبہ حصہ ہے، فلسفہ کا موضوع حقائق اشیار ہے، اوراس لحاظ سے یہ بالکل ایک خشک عنوان ہے لیکن فارسی شاعری کی زبان سے جب اسکے رموز ونکات اداہوتے ہین توان مین عجیب لطافت ودلآویزی آجاتی ہے، اسی طرح اخلاق کا موضوع وہ اصول وعملیات ہین جنکی بناپرانسانی زندگی ہرحیثیت سے کامیاب ہوسکتی ہے، بظاہر اُسکا تعلق علم معاشرت اورعلم سیاست مدن سے ہے،

اور واقعہ بھی یہی ہے، لیکن جب ایک شاعر اسکے کسی اصول کو اپنے چند سحر طراز موزون فقرون مین کھ جاتا ہے تو طبائع انسانی پر وہ اثر پڑتا ہے جو علم معاشرت اور علم سیاست مدن کے سینکڑون صفحون سے بھی نہین پڑسکتا، اس بنا پر اور دوسرے مضامین کے ساتھ شعراء نے اخلاق کو بھی اپنا موضوع سخن قرار دیا، سعدی، حافظ، عمر خیام، اور ابن یمین تمام شعرائے ایران مین فلسفیانہ اور اخلاقی شاعری کے پیشرو ہین، یہ سچ ہے کہ ابن یمین اپنی جماعت کے مشہور ممبر نہین ہین لیکن اُسکا سبب اُنکی گوشہ گیر زندگی ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اُنکی بزم شاعری مین جام و شراب اور حسن و عشق کا گذر نہین، اسلئے عام لوگون کو انکا طرز کلام بے نمک معلوم ہوتا ہے،

ابن یمین[1] خراسان کے قصبہ فرلومد مین پیدا ہوئے، باپ کا نام محمود ہے، قوم کے ترک تھے، محمود بھی شاعر تھے، شاعری کی تعلیم انہین سے حاصل کی، اکثر اپنے والد کی طرحون پر شعر کہا کرتے تھے، مثلاً اپنے والد کی اس رباعی پر

دارم زعتابِ فلکِ بوقلمون — وزگردشِ روزگار خس پرورِ دون
چشمے چو کنارہ صراحی ہمہ اشک — جانے چو میانہ پیالہ ہمہ خون

یہ رباعی کہی،

دارم زجفائے فلکِ آئینہ گون — پر آہ دلے کہ سنگ ازو گردد خون
روزے بہ ہزار غم بہ شب روز آرم — تا خود فلک از پردہ چہ آرد بیرون

پیدائش کی تاریخ معلوم نہین، لیکن وفات کی تاریخ ۸ جمادی الثانی ۷۶۹ھ ہے، مرتے وقت یہ رباعی کہی تھی،

منگر کہ دل ابن یمین پر خون شد — بنگر کہ ازین سرائے فانی چون شد
مصحف بکف و چشم برہ، روی بدوست — با پیک اجل غمزہ زنان بیرون شد

[1] ماخوذ از شعر العجم حصہ دوم،

اب اُنکا پورا کلام تو نہین ملتا کیونکہ اسکا زیادہ حصہ سربدارون کے ہنگامہ مین ضایع ہوگیا لیکن اُنکے قطعات اور چند غزلون کا مجموعہ موجود ہے جو اسوقت میرے سامنے ہے، تذکرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا مین غزل اور قصیدہ سب کچھ کہتے تھے، سربدارون انکا ممدوح تھا، لیکن جیسا کہ موجودہ کلام کے مطالعہ سے ہر شخص اُنکی اصلی فطرت کو معلوم کرسکتا ہے، یہ چند روزہ مداحی و قصیدہ خوانی اس فطرت کے قطعاً خلاف تھی، اسلئے وہ بہت جلد شاہی تعلقات سے کنارہ کش ہوگئے، اور تھوڑی سی زمین جو انکے قبضہ مین تھی اسکی کاشتکاری سے تمام زندگی بسر کرگئے، چنانچہ خود کہتے ہین،

مدتے شعر زہر نوع کہ آمد، گفتم | لفظ و معنیش بدان سان کہ پسند د ہمہ کس
غزل از روے ہوس بود و مدائح ز طمع | نہ طمع ماند کنون در دل تنگم نہ ہوس
زین پس اے ابن یمین دام طمع باز بکش | عنکبوتے ز تو لائق بنود بہر مگس
صحت و وجہ معاش و ہمہ اسباب بکام | ناسپاسی مکن انصاف بدہ اینت بس
بنشین فارغ و تیمار منہ بر دل از آن | کہ چو شاہان نزد و مرکبت از پیش و نہ پس

حقیقت یہ ہے کہ اخلاق (غم) کے دامن پر مداحی و رندانہ تغزل کا دھبہ بیحد بدنما تھا، اسلئے اُنکے دیوان کے وہ اوراق جن پر یہ دھبے تھے ضایع ہی جانیکے لائق تھے، قدرت نے انکو ضایع کرکے یہ دھبہ خود اپنے ہاتھون سے دھو دیا، لیکن اسکا افسوس ضرور ہے کہ ساتھ ہی حکیمانہ و اخلاقی نصائح کے چند گرانبہا ورق بھی برباد گئے، بہرحال ابن یمین کا جو کچھ بھی کلام بچا کھچا رہ گیا ہے وہ اخلاقی تعلیمات کا ایک صاف شفاف آئینہ ہے، چنانچہ اس آئینہ کا آئینہ ساز اپنے جوہر شاعری پر فخر کنان کہتا ہے،

منت ایزد را کہ ہستم با قناعت ہمنشین | نیستم با کس رجوعے گر سقیم و ر صحیح
ننگرم بر صدر مخلوق ار کریم ست و لئیم | ننگرم بر روی معشوق ار قبیح ست و ملیح

دین نہ پنہانست خوانِ شعر گستردم چنانکہ
در مذاق عقل باشد با حلاوت ہا سمیح

(خیاض)

ختم برمن شد سخن ہمچونکہ معجز بر نبی
وین سخن بر روے اہل نطق میگیرم فصیح

ور نداری باورم شعرے زدیوانم بخوان
تا ازو آیات معجز در نظر آید صریح

کو مرا ممدوح نامدحیش گویم آنچنانکہ
لفظ آن باشد فصیح و عرصۂ معنی فسیح

(کشادہ)

ان اشعار کو پڑھکر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ ترک طمع و ہوس اور قناعت کی طرف اُنکی طبیعت کا اصلی رجحان ہے، اور یہی طبعی رجحان الفاظ کے قالب مین شعر بنکر نکل رہا ہی پھر ساتھ ہی ایک لمحہ کے لئے انکی زندگی کو سامنے لاؤ تو صاف نظر آئیگا کہ انکی زندگی اُنکے دلی خیالات کا آئینہ ہے

ابن یمین نے فلسفہ اخلاق کے جسقدر گوناگون راز فاش کئے ہین اور جن نکتون کو سو سو پہلو سے ذہن نشین کرانا چاہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اُنکو چند عنوانون مین بیان کرنا آسان نہین، اسلئے اُنکے خیالات اور تعلیمات کی ہم ایک اجمالی فہرست بیان دیتے ہین،

حوادث کا مقابلہ صبر و تحمل سے	معاوضہ عمل	دوستی
عزلت و تنہائی	علم و حکمت کے لئے سعی و جہد	دوستون کو رنجیدہ نکرو
وقت کی قدر و قیمت	خودداری	طلب علم کی ترغیب
توکل، قناعت اور استغنار	ظاہر و باطن کی یکرنگی	حسد سے پرہیز
آزادی اور اعتدال کی تعلیم	تواضع کسکے ساتھ کرنا چاہیئے	اپنی خدمت آپ کرنا چاہیئے،
آسمان کی دون پروری	حسن سلوک	نیکی کا ثمرہ
عوام سے علٰحدگی	فقدان احباب	بادشاہون کے خصائص
دنیا کی حقیقت	ہمت عالی	انسانون سے حاجت طلبی
رضا بالقضا،	خموشی	بدگوئی و عیب جوئی

کم آمیزی	موت کی یاد	مہمان کی خدمت
قول و عمل	ہمسایہ و قرین	زمانۂ حال کو ضایع نہ کرو
ترک طمع	خدا کے سوا ہر شے فانی ہے،	کبر و غرور
مکارم اخلاق	وجہ کفاف ہو تو نوکری نہ کرو	مردمی کیا ہے
تیغ و قلم کا موازنہ	رزق محنت سے حاصل کرو	محتاجون کے کام آؤ
حاصل عمر	کوئی بڑا منصب پاکر چھوٹون کو نہ بھولو	حلم کی نصیحت
ترک احسان پذیری	آخرت طلبی،	عمل صالح کی ترغیب
مردون سے استعانت نکرو	اپنا راز کسی سے نہ کہو،	وسیع المشربی
کذب کی مذمت	نیکنامی	ایذا رسانی سے پرہیز

. . . . .　　آخرت کا خیال　　. . . . .

بظاہر یہ نظر آئیگا کہ یہ تعلیمات اور مسائل ابن یمین کے ساتھ مخصوص نہین تمام اخلاقی شعرا نے تقریباً اُلٹ پلٹ کر انہین خیالات کو ادا کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس بڑی بھیڑ مین کتنا ایسے ہین جنکے خیال اور عمل مین اتحاد ہو، یا جنکے اخلاقی مواعظ کا تیر کبھی کبھی بہک کر اصل مجسمۂ اخلاق یعنی مذہب کے کسی پہلو کو زخمی نہ کرتا ہو، شیخ سعدی کے قصاید، اور خواجہ حافظ کی غزلین سلاطین اور امرا کے محامد سے لبریز ہین، عمر خیام نظام الملک اور ملکشاہ کا وظیفہ خوار تھا، اور بہت سے مسائل مین اسکی تعلیم مذہبی مسائل سے ٹکراتی ہے، اور بہت سے اخلاقی شعرا ہین جنکا یہ حال ہے کہ اُنکی زبان ایک طرف تو قناعت و توکل کے مضامین کا دریا بہا رہی ہے، دوسری طرف سلاطین و امرا سے حسن طلب کے نئے نئے پہلو ادا کر رہی ہے، لیکن ابن یمین کا قالُ انکے حال کے مطابق ہے، اسلئے انکے تمام کلام مین یہ دو خصوصیتیں ہر جگہ نمایان نظر آتی ہین،

(۱) وہ جن خیالات واعتقادات کی تلقین کرتے ہین ان مین مذہبی نقطۂ نظر سے کبھی دُور نہین ہٹتے،

(۲) جو کچھ کہتے ہین اسکا عملی نمونہ خود زندگی تھی، اسلئے جواثر اور جوش اُنکے کلام مین ہے، وہ کسی دوسرے مین نہین،

یہ دو خصوصیتین درحقیقت اس درجہ اہم ہین کہ اُنکو ممتاز شاعر سے بڑہا کر ایک بلند پایہ اور قابل تقلید انسان بنا دیتی ہین،

اصولاً اخلاقی شاعری پر ان متعدد حیثیتون سے نظر ڈالی جاسکتی ہے،

(۱) کس قسم کے اخلاق کی تعلیم دی،

(۲) شاعر جوش بیان مین اعتدال کی حد سے تو نہین گذرا،

(۳) جن الفاظ اور تشبیہون کے ذریعہ اخلاقی نکتے بیان کئے اُنکے انتخاب مین کسی قسم کی بےاعتدالی تو نہین کی،

ان تین باتون کو پیش نظر رکھکر ہر اخلاقی شاعری پر نظر ڈالنی چاہیئے،

فارسی شعرا مین متعدد اشخاص ہین جنھون نے قناعت، توکل، مذمت طمع اور ترک ہوس کو گوناگون پہلو سے ادا کیا ہے، لیکن جس زور جس خوبی اور جس اثر سے ابن یمین کے اشعار لبریز ہین وہ اورون کو نصیب نہین، اسکا سبب صرف یہ ہے کہ اور لوگ بہ تکلف اور شاعری کے رسمی اصول پر ان خیالات کو نظم کرتے تھے، بخلاف اسکے ابن یمین پر قناعت، توکل اور گوشہ گیری کا نشہ چھا گیا ہے، اسلئے اُنکے ہر فقرے اور ہر جملے مین اس بادۂ تند کی سرمستی ہوتی ہے،

فارسی کی اخلاقی شاعری مین قناعت ایک عام مضمون ہے جسکو تمام شعرا نے مختلف پیرایون سے لکھا ہے، لیکن قناعت کی جو تصویر ابن یمین نے کھینچی ہے وہ سب سے الگ ہے،

دو قرص نان اگر از گندم است یا از جو ‫ ‫ دو تای جامہ اگر کہنہ است یا از نو

به چارگوشهٔ دیوار خود بخاطر جمع　　که کس نگوید ازینجا بخیز و آنجا رو
هزار بار فزون تر به نزد ابن یمین　　ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو

اگر دو گاو بدست آوری و مزرعهٔ　　یکے امیر و یکے را وزیر نام کنی
هزار بار ازان به که از پئے خدمت　　کمر به بندی و بر مرد کے سلام کنی

عام طور پر ہمارے شعرا کی تعلیم قناعت کا یہ نتیجہ سمجھا جاتا ہے کہ اسکے باعث انسان اسباب عالم سے بے نیاز ہو کر سعی و عمل کے جھگڑون سے کنارہ کش ہو رہتا ہے، اور اس طرح اپنی جمعیت و قوم کے لئے بار ہو جاتا ہے، ممکن ہے کہ بعض شعرار کے غیر معتدل طرز کلام سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہو لیکن ابن یمین جس قناعت کی تعلیم دیتے ہین اور جس انداز سے دیتے ہین وہ اس اعتراض سے قطعاً بری ہے ابن یمین قناعت کی نصیحت کرتے ہین لیکن سعی و عمل کی دعوت سے انکی زبان نہین تھکتی، وہ صرف ضرورت سے زیادہ کی ہوس اور فقیرانہ احتیاج کو قناعت کے خلاف قرار دیتے ہین، چنانچہ ایک دوسرے موقع پر کہتے ہین،

هر که دارد کفاف عیشِ جهان　　که نباشد دران بکس محتاج
کلبهٔ نیز بایدش که به آن　　نکند هر دمش کسے اخراج
در جهان بادشاه وقت خود است　　این چنین کس نه بنگرد سوے تاج
بیشتر زین مجوے ابن یمین　　تا بمانی مگر ازین محتاج

استغنا | غربت اور قلیل البضاعتی ایک قدرتی امر ہے کوئی عیب و ذلت نہین، ہر شخص جانتا ہی کہ اسکی سوسائٹی مین کتنے مختلف الحیثیت اشخاص ہین، پھر بھی ایک کم مایہ انسان ذلیل نہین سمجھا جاتا مگر وہی شخص جب زر طلبی کا شیوہ اختیار کر لیتا ہے تو اسکی عزت خاک مین ملجاتی ہی، اس بنا پر

اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ہر شخص کو استغنا سے کام لینا چاہیئے،

مرد آزادہ در میانِ گروہ | گرچہ خوشخو و عاقل و داناست
محترم آنگہی تواند بود | کہ از ینشان بماش استغناست
وانکہ محتاج خلق شد خوارست | گرچہ در علم بو علی سیناست

با این ہمہ جب انسان پر ضرورتون کا ہجوم ہوتا ہے تو بسا اوقات مضبوط ارادون کے باوجود اسکے پاے ثبات مین لغزش ہوتی ہے، ایسے مواقع کے لئے اس سے بہتر تسکین بخش تعلیم اور کیا ہو سکتی ہے؟

تا توانی التماس از کس مکن | خاصہ از ناکس کہ آن عینِ خطاست
گر دہد ماندی بزیرِ منتش | ور نہ دادت آبرویت را بکاست

اگر دیا تو اسکے احسان کے زیر بار ہوا اور نہ دیا تو تیری آبرو گھٹی

گر کند نفست خطا ہا صبر کن | زانکہ عز صبر بہ از ذلِ خواست

تجھکو اگر نفس کبھی ایسی غلطی کے لئے آمادہ کرے تو صبر کر اسلئے کہ صبر کی عزت طلب کی ذلت سے بہتر ہے

ہماری اخلاقی شاعری مین توکل کا باب بھی کچھ کم بدنام نہین ہے، عام طریقہ سے یہ خیال پھیل گیا ہے کہ ہمارے شعراء نے جس توکل کی تلقین کی وہ تعطل محض ہے، اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم مین کثرت سے اپاہج اور نکمے افراد پیدا ہو گئے ہین، ممکن ہے کہ یہ نتیجہ کسی اور شاعر کے کلام سے پیدا ہوتا ہو لیکن ابن یمین جس توکل کی تعلیم دیتے ہین وہ اور شے ہے،

ایدل مدار امید کرم زاہل روزگار | کاینہا کہ ماندہ اند کریمان نماندہ اند
وینہا کہ برزوند سر از جیب خواجگی | بر مکرمات دامنِ ہمت فشاندہ اند
برکندہ اند سرو سہی را ز جوئبار | برجاے سرو بقلۂ حمقا نشاندہ اند

از بدچہ چارہ ابن یمین رو صبور باش کاندر ازل بہرچہ رود خامہ راندہ اند

ایک اور قطعہ مین کہتے ہین کہ زمانہ انسان کو ہزار پست کرے تاہم اولوالعزمی کے خلاف ہی کہ انسان پست ہمت ہوجائے، جب تمہاری روزی خزانۂ غیب سے مقرر ہے تو پھر کسیکے آگے ہاتھ پھیلانے سے بڑھکر دون ہمتی کیا ہوگی، مرد کو چاہیئے کہ عزت کے ساتھ اپنے کام اور ضروری مشاغل مین لگا رہے کہ دوسرون کی خدمتگذاری کی نوبت نہ آئے،

ہرچند روزگار کند پست مرد را از ہمتِ بلند نشاید بکاستن

رزقت چو از خزانۂ خالق مقدر است دون ہمتی بود ز درِ خلق خواستن

بنشین بعزت از پئے کاریکہ کارِ تست تا پیش کس بپاے نباید بخواستن

ایک اور حیثیت سے توکل پر نظر ڈالی جاسکتی ہے، یعنی یہ کہ عین اسوقت جب انسان پر مصائب کا بادل برس رہا ہو، اور وہ مایوسیون اور ناامیدیون کے ہجوم مین گھرا ہو، کوششون نے ہر طرف سے ناکامیون کا ثبوت دیا ہو، یورپ مین اس سانحہ کا بہترین علاج خودکشی ہے، اور ایشیا مین دون ہمتی اور افسردہ دلی، لیکن اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے اور ہر مقصد کے لئے اسکی زندگی ناکام ہوجاتی ہے ایسی حالت مین حقیقت یہ ہے کہ صرف اعتقاد تقدیر کا جلوہ ہمارے لئے راحت و تسکین کا بہت بڑا ذریعہ ہے، ذیل کے قطعہ مین کس خوبی اور صفائی سے ابن یمین نے اس خیال کو ادا کیا ہے،

ہرکہ بر حضرت دادار (خدا) توکل دارد مخلصی زود پدید آیدش از بند ہموم

وانکہ باطاعت و پرہیز زند در بر درِ او شافعش پس بود این اگرچہ جہولست ظلوم

طالع ار سعد و گر نحس بفرمانِ وے ہست بزدرہ بقضا معتقدِ رمل و نجوم

بود نی عاقبت الامر بباشد لیکن ہر یکے را محلے باشد و وقتِ معلوم

سعادت ونحوست، خیر و شر جو کچھ ہے سب خدا کی طرف سے ہے، اسلئے آخر کے دوشعرون مین

اسکی تصریح کردی کہ قضائے الٰہی مین جو کچھ ہے وہ نجوم و رمل کی چارہ جوئی سے ٹل نہین سکتا، جو کام جس وقت کے لئے مقدر ہے وہ ہو کر رہیگا، پھر رنج و افسوس اور مایوسی و افسردہ دلی کیون ہو،

عزلت و تنہائی | سوسائٹی اور حلقۂ معاشرت کسیقدر بلند ہو، تاہم اسمین جو کشمکش، ہنگامہ اور اختلافات برپا رہتے ہین، وہ ایک سالک کی راہ کے کانٹے ہین، نیکدل اُنسے فطرۃً کنارہ کش رہنا چاہتے ہین وہ عزلت مین بیٹھکر سوسائٹی کے جرائم کو آشکارا کرتے ہین اور اُنسے بچنے کی تدبیر بتاتے ہین، ابن یمین نے اس مسئلہ کو بلاغت اور حسن تشبیہ کے ساتھ یون ادا کیا ہے،

عزلت وا نزوا و تنہائی برہانندت از ہزار بلا
رستہ از دام ہر زبون گیری ازچنین حال ہا شود عنقا

درجہان ہیچ بہ از عزلت و تنہائی نیست دین سعادت زدرِ مردم ہرجائی نیست
کنج عزلت کہ فلاحی و رفاہیست درو بخوشی کمتر ازین منظرِ مینائی نیست
گر بدست آرد ازین گونہ مراد ابن یمین نفروشد بجہانیش کہ سودائی نیست

لیکن عزلت و تنہائی کا حقیقی مفہوم اتنا ہی کہدینے سے ادا نہین ہوتا بلکہ ہر تعلق جو انسانی آئینۂ اخلاق کو مکدر کردے، اس سے انقطاع اصلی تنہائی اور ہر انسان کے دست کرم کی طرف سے قطعی چشم پوشی کرلینا حقیقی عزلت ہی، اسلئے ایک اور قطعہ مین اس مضمون کو تصریح یون بیان کیا،

گر بدست آید مرا بے درد سر نانِ جوین قانعم منت پذیر از من و از سلوی نیم
در پلاسے باشدم پوشش یقین در خندۂ طالبِ دیباے چین و اطلس خارا نیم
از کسے لطفے نمی بینم کہ گویم مدح او بر جمالِ دلبرے ہم عاشق و شیدا نیم
چون بود در کنج عزلت بکرم فکرم ہمنشین راست گو ابن یمین در جنت الماوا نیم

OSMANIA LIBRARY HYDERABAD

فلسفۂ لی بان

عقل و نقل

دنیا مین اگرچہ ہمیشہ ملاحدہ کا ایک مختصر گروہ موجود رہا ہے، لیکن ملاحدہ سے الگ ہمیشہ فلسفہ و مذہب کی کشمکش نے ایک معتدل گروہ بھی پیدا کیا ہے، جسکا مقصد دونون کے متضاد اصول وارکان مین تطبیق دینا تھا، اس گروہ کی تعداد ہمیشہ ملاحدہ سے زیادہ رہی ہے اور آج بھی ہے، علوم و فنون نے ہمیشہ اس گروہ پر فخر کیا ہے، اور آج بھی کر رہے ہین، اس گروہ نے مذہب اور فلسفہ کی آمیزش مین جو نکتہ آفرینیان اور جدت طرازیان کی ہین وہ علم و فن کے رخسارے کا غازہ، خال وخط، اور آب ورنگ ہین، لیکن سوال یہ ہے کہ انکا مقصد خود مذہب کے مقصد پر منطبق ہوسکتا ہے یا نہین ؟

یہ مسلم ہے کہ مذہب دنیا مین فلسفہ و سائنس کی ترقی کے لئے نہین آیا، مذہب کا مقصد صرف تصحیح عقاید، تربیت اخلاق، اور تزکیۂ نفس ہے، مذہب کبھی اس دائرہ سے باہر قدم نہین کہتا لیکن جب ان تمام چیزون کی کامل اصلاح ہوجاتی ہے تو وہ لازمی طور پر علمی اور تمدنی ترقی کا ذریعہ بنجاتی ہے، اس بنا پر اگرچہ مذہب علم و تمدن کو ترقی دیتا ہے، لیکن یہ ترقی اسکی حقیقت مین داخل نہین ہے، اگر کوئی مذہب علمی اور تمدنی ترقی مین حصہ نہین لیتا تو اسپر یہ اعتراض نہین کیا جاسکتا کہ "اس نے علم و تمدن کو نشوونما نہین دی" بلکہ اسپر صرف یہ الزام آسکتا ہے کہ اس نے کامل طور پر عقاید اور اخلاق کی اصلاح نہین کی،

فلسفہ ہمیشہ ایک دلچسپ چیز خیال کیا گیا ہے، اور اسی دلچسپی کی بنا پر ایک گروہ نے مذہب کو فلسفہ کے قالب مین ڈھلنا چاہا ہے، لیکن اس زمانہ مین علمی دلچسپی کے ساتھ فلسفہ نے تمدنی ترقی مین بھی نمایان حصہ لیا ہے، اسلئے آج تطبیق عقل و نقل کی کوشش صرف اس بنا پر نہین کیجاتی کہ وہ ایک دلچسپ علمی مشغلہ ہے، بلکہ مذہب کو فلسفیانہ قالب مین ڈہال کر اسکو علمی اور تمدنی ترقی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، اس بنا پر اصل سوال یہ ہے کہ اگر فلسفہ کو مذہب کا لازمی جزو تسلیم کرلیا جائے، اگر مذہب اور فلسفہ کے اصول و آئین مین کامل طور پر تطبیق دیدیجائے بلکہ اگر تمام آسمانی کتابین فلسفہ و سائنس کی کتابین بن جائین، تو اس حالت مین مذہب اپنی اصلی طاقت کہو دیگا یا اسکی قوت مین کوئی جدید اضافہ ہوگا؟ یعنی وہ اس صورت مین علم و تمدن کو زیادہ ترقی دیسکیگا یا اس حالت مین جبکہ اسکا قالب فلسفیانہ روح سے خالی تہا، انکو زیادہ ترقی دلیسکتا تہا؟

قدمار نے اسقدر اصولاً تسلیم کرلیا تہا کہ مذہب ہمیشہ فلسفیانہ مسائل کی تحقیقات سے اپنا دامن بچاتا ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکہتے ہین،

ومن سیرتھم ان لا یشتغلوا بما لا یتعلق بتھذیب النفس وسیاسۃ الامۃ کبیان اسباب حوادث الجو من المطر والکسوف والھالۃ وعجائب النبات والحیوان ومقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث الیومیۃ وقصص الانبیاء والملوک والبلدان ونحوھا اللھم الا کلمات یسیرۃ الفھا اسماعھم وقبلھا عقولھم یوتی بھا فی التذکیر بآلاء اللہ والتذکیر بایام اللہ علی سبیل الاستطراد بکلام

اور انبیا کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگ ان چیزون مین مصروف نہین ہوتے جنکا تعلق تہذیب نفس اور قوم کی سیاست سے نہین ہی، مثلاً وہ لوگ حوادث فضائیہ یعنی بارش، گہن، ہالہ، نباتات و حیوانات کے عجائب چاند اور سورج کے رفتار کی مقدار، اور روزانہ واقعات کے اسباب، پیغمبرون، بادشاہون، اور شہرون کے قصے وغیرہ نہین بیان کرتے، البتہ اس قسم کی جن باتون سے قوم کے کان آشنا ہو چکے ہین، انکا کسیقدر اجمالی ذکر

اجمالی یسامح فی مثلہ بایراد الاستعارات والمجازات
ولھذا الاصل لما سألوا النبی صلی اللہ علیہ
وسلم عن لمیۃ نقصان القمر وزیادتہ اعرض
اللہ تعالی عن ذلک الی بیان فوائد الشھور
فقال یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی
مواقیت للناس والحج وتری کثیرا من
الناس فسد ذوقھم بسبب الانفۃ بھذہ الفنون
اوغیرھا من الاسباب فحملوا کلام الرسل
علی غیر محملہ۔

(صفحہ ۸۸ مطبوعہ ہند)

ضمناً وتبعاً استعارات وکنایات کے ساتھ خدا کی
نعمتون، اور خدا کے گذشتہ واقعات کے سلسلہ مین کہہ دیتے ہین،
یہی وجہ ہے کہ جب کفار نے آنحضرت صلعم سے چاند کے
گھٹنے اور بڑھنے کی وجہ پوچھی تو خدا نے اس سے اعراض
کرکے صرف مہینون کے فوائد بتائے، کہ لوگ اگر تم سے
ہلال کے متعلق سوال کرتے ہین تو کہدو کہ اسکے ذریعہ سے
آدمیون کا اور حج کا وقت معلوم کیا جاتا ہی، لیکن تم کو
بہت سے لوگ نظر آتے ہین جو ان فنون کی شیفتگی یا دوسرے
اسباب سے پیغمبرون کے کلام کا حمل اس موقع پر
کرتے ہین جو اُسکا اصلی موقع نہین،

شاہ صاحب نے پیغمبرون کی تعلیم وتربیت کا ایک اور اصول بھی بتایا ہے،

ومن سیرتھم ان لا یکلموا الناس الا علی قدر
عقولھم التی خلقوا علیھا وعلومھم التی ھی حاصلۃ
عندھم باصل الخلقۃ وذلک لان نوع الانسان
حیث ما وجد فلہ فی اصل الخلقۃ حد من الادراک
زائد علی ادراک سائر الحیوانات الا اذا عصت
المادۃ جدا ولہ علوم لا یخرج الیھا الا بخرق
العادۃ المستمرۃ کالنفوس القدسیۃ من
الانبیاء والاولیاء او بریاضات شاقۃ

اور پیغمبرون کی تعلیم وتلقین کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ
لوگون سے انکی فطری عقل اور اُنکے فطری علوم کے
مطابق گفتگو کرتے ہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ نوع انسان کہین بھی
موجود ہو لیکن فطرۃً اسکے علم وادراک کا درجہ تمام حیوانات سے
بلند ہوتا ہے، البتہ جب مادہ بالکل ناقابل ہوجاتا ہی
تو اسکی یہ ضرورت فنا ہوجاتی ہے، اس فطری علم کے
علاوہ اسکے علم کا ایک درجہ اور بھی ہے جو یا تو بطور خرق
عادت کے حاصل ہوتا ہے، اور یہ درجہ انبیا اور اولیا کے

تهئ نفسه لادراك مالم يكن عنده بممارسة قواعد الحكمة والكلام واصول الفقه ونحوها مدة طويلة فالانبياء لم يخاطبوا الناس الا على منهاج ادراكهم الساذج المودع فيهم باصل الخلقة ولم يلتفتوا الى ما يكون نادر الاسباب قلما يتفق وجودها فلذلك لم يكلفوا الناس ان يعرفوا ربهم بالتجليات والمشاهدات ولا بالبراهين والقياسات ولا ان يعرفوه منزها عن جميع الجهات فان ذلك كالممتنع بالاضافة الى من لم يشتغل بالرياضات ولم يخالط المعقوليين مدة طويلة ولم يرشدوهم الى طرق الاستنباط والاستدلالات ووجوه الاستحسان والفرق بين الاشباه والنظائر بمقدمات دقيقة المأخذ وسائر ما يتطاول به اصحاب الرأى على اهل الحديث

ساتھ مخصوص ہے، سخت ریاضت، اور فلسفہ، کلام اور اصول فقہ وغیرہ کی ممارست سے حاصل ہوتا ہی لیکن انبیا کا تخاطب صرف اس علم وادراک کے مطابق ہوتا ہے جو فطرۃً ان مین ودیعت کیا گیا ہے، اور وہ اس علم کی طرف توجہ نہین کرتے جو ان اسباب سے حاصل ہوتا ہے جو بہت کم وقوع پذیر ہوتے ہین، یہی وجہ ہی کہ انبیا نے لوگون کو یہ تکلیف نہین دی کہ وہ اپنے خدا کو تجلیات، اشاہدات دلائل، اور قیاس سے پہچانین، اور نہ انکے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ اُسکو منزہ عن الجہات تسلیم کرین، کیونکہ جن لوگون نے اس قسم کی ریاضتین نہین کی ہین اور مدت تک فلاسفہ کی صحبت مین نہین رہے ہین، اُنکے لئے یہ تکلیف مالا یطاق ہے، اور اسی لئے انبیاء نے لوگون کو دقیق مقدمات کے ذریعہ سے استنباط نتائج، اقامۃ دلیل، وجوہ استحسان اور اشباہ ونظائر کے تفریق غرض ان تمام چیزون کی ہدایت نہین کی جنکی بنا پر اصحاب رائے اہل حدیث پر زبان درازی کرتے ہین،

پہلا اصول اگرچہ حرف بحرف صحیح ہے، لیکن اس زمانہ مین وہ بالکل بے اثر ہے، اس وقت دنیا کی منزل مقصود صرف علمی ترقی ہے، اور جدید تمدن کے آب ورنگ نے آنکھون کو اسقدر خیرہ کر دیا ہے کہ اب اسکی چمک مین دل کی روشنی بالکل ماند پڑگئی ہے، سینکڑون لوگ ہین جنکی اخلاقی حالت

سخت ابتر ہے، لیکن تمام دنیا اُنکے سامنے صرف اس بنا پر سر جھکاتی ہے کہ انکی ذات سے علمی ترقی کے تمام ذرائع وابستہ ہین، یورپ کی فضا کو برف اور کہر کی طرح سیاہ کاریون کے بادل نے گھیر لیا ہے، لیکن تمام دنیا نے اسکو صرف اسلئے اپنا قبلۂ مقصود بنا لیا ہے، کہ وہ علم و فن کی سب سے بڑی نمائشگاہ ہے، آج نور ایمان کی شعاعون کے ذریعہ سے کچھ نظر نہین آتا، لیکن برقی روشنی "حقائق و معارف" کے تمام رازہاے سربستہ کو بے نقاب کر دیتی ہے، اسلئے اب مذہب کا یہ معجزہ بالکل بیکار ہے کہ وہ نظام اخلاق کی اصلاح کرتا ہے، اب اسکے کمال کا معیار صرف یہ ہو سکتا ہے کہ علوم و فنون کو ترقی دیتا ہے،

دوسرا اصول اگرچہ عوام کے لئے مفید ہے، لیکن اب جبکہ تمام دنیا تعلیم یافتہ ہو رہی ہے، اسکو کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے، اور اگر تسلیم بھی کر لیا جاے تو دنیا کو اس ارشاد و ہدایت کی کیا ضرورت ہے جو اُنکے علم و ادراک مین ذرہ برابر بھی اضافہ نہین کر سکتی، بلکہ خود انھی کے علم و ادراک کی تقلید کرتی ہی؛ لی بان نے اس کتاب مین اگرچہ کسی موقع پر مذہب کی حمایت نہین کی ہے، تاہم اُس نے تمدنی ترقی کے علل و اسباب پر جو کچھ لکھا ہے اس سے انبیاء کی تعلیم و تلقین کے ان اصول کی تائید کیجا سکتی ہے، آج تمام دنیا تمدنی ترقی کو صرف عقلی ترقی اور دماغی نشو و نما سے وابستہ سمجھتی ہے، لیکن لیبان کے نزدیک اسکا ذریعہ صرف وہی ہے، جسکی تہذیب و اصلاح انبیاء کی زندگی کا مقصد تھا، چنانچہ لکھتا ہے،

"قومون کی زندگی کے نشو و نما مین اخلاق نہایت موثر چیز ہے، لیکن اسپر عقل کا بہت کم اثر پڑتا ہے، چنانچہ رومن قوم اپنے انحطاط و تنزل کے زمانہ مین عقلی حیثیت سے اپنے آبا و اجداد سے زیادہ ترقی یافتہ تھی"۔

اہل عرب کا بھی یہی حال تھا، جب وہ ریگستان عرب سے تمام دنیا کے مسخر کرنے کے لئے

اُٹھے تھے تو علم و فن اور فلسفہ و سائنس سے بالکل ناآشنا تھے، لیکن اُنکی سلطنت، انکے تمدن اور جاہ و جلال کا زوال بغداد مین ہوا، جو اسوقت تمام دنیا کا بیت العلوم تھا، جن لوگون کی نگاہین تاریخی اوراق کی سطح سے آگے نہین بڑہتین، انکو قومی نظام ترکیب کی نشو و نما، اور تمدنی عناصر کی بالیدگی صرف اس زمانہ مین نظر آتی ہے جسمین تمام قواے عقلیہ دفعتہً ترو تازہ ہوجاتے ہین، لیکن لی بان کے نزدیک یہ دور قومون کی کہولیت بلکہ شیخوخیت کا ہوتا ہے، چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے،

"جن علمار نے قانون وراثت کا کامل مطالعہ کیا ہے، انھون نے جو مشاہدات قدیمہ حاصل کیے ہین، اُنسے ثابت ہوتا ہے کہ عقلی خاندانون کی نسل اکثر بگڑکر فوراً یا ایک مدت مین فنا ہوجاتی ہے، لیکن زیادہ تر انکا زوال علا جلانہ طور پر ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو عقلی ترقی اسوقت حاصل ہوتی ہے جب اسکی نسل خراب ہوجاتی ہے، اور اگر پست درجہ کے لوگ طبقۂ اعلیٰ کی پرورش نہ کرتے تو انکا سرے سے خاتمہ ہوجاتا، اگر ہر طبقہ کے ماہرین فن کو جمع کرکے دنیا کے کسی گوشہ مین علٰحدہ آباد کیا جائے اور ان مین باہم توالد و تناسل کا سلسلہ قائم ہو، تو اُن سے ایک بدترین نسل پیدا ہوگی، جو چند دنون کے بعد فنا ہوجائیگی، اس قسم کے ممتاز لوگ اس غیر معمولی جسامت کے درخت کے مشابہ ہین، جنکو باغبان مصنوعی تدابیر سے نہایت تناور بنا دیتا ہے، لیکن اگر اُسکو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو یا وہ خشک ہوجائیگا یا اپنی حالت متوسطہ کی طرف رجوع کرجائیگا۔"

مذہب ہمیشہ ایک زندہ اور نوخیز قوم کو پیدا کرتا ہے، اس بنا پر اگر عقلیات کو اسکی تعلیمات و تلقینات کا جزو قرار دیا جائے تو دفعتہً اسکا نظام اور اسکا مشن بالکل بدل جائیگا، اس سے کسیکو انکار نہین ہے کہ مذہب اور فلسفہ دونون تمدنی کل کے پرزے ہین، لیکن دونون کی حرکت مختلف جہت مین ہوتی ہے، اور اس حرکت کے دوران مین دونون کسی نقطے پر نہین ملتے، فلسفہ دماغ کی

تربیت کرتا ہے، ایک عقل کو اور دوسرا جذبات کو اُبھارتا ہے، اسلئے اگر دونون مین کوئی نقطۂ اتصال پیدا کیا جائیگا تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُنکے تصادم سے خود اس کل کی حرکت رُک جائیگی اور دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہوجائیگا، چنانچہ لی بان کہتا ہے،

"تمدنی حیثیت سے اگرچہ مستقبل پر موجدین و مخترعین کا عظیم الشان اثر پڑتا ہے لیکن عملاً قوم کی سیاسی تاریخ پر انکا کوئی اثر نہین ہوتا، جسکی وجہ یہ ہے کہ ہل کے موجد سے لیکر تار کے موجد تک بلکہ دنیا کے تمام مخترعین مین وہ اخلاقی اوصاف نہین پائے جاتے جنکی ذریعہ سے کسی مذہب کی بنیاد ڈالی جاتی ہے، یا کوئی ملک فتح کیا جاتا ہے،

موجدین و مخترعین صرف زمانہ کی روش کے مطابق تمدنی انقلاب پیدا کرسکتے ہین، لیکن کثر، محدود الخیال، اور مضبوط کیریکٹر کے اکابران قوم جدید مذاہب کو قائم کرسکتے ہین، سلطنتون کی بنیاد ڈال سکتے ہین، اور نظام عالم کو اُلٹ پلٹ دیسکتے ہین، ایک پطرس راہب کی آواز نے یورپ کے ہزارون آدمیون کو مشرق کی طرف جھونک دیا، ایک محمد صلعم کی آواز نے دنیاے قدیم یعنی یونان اور روم کو تہ و بالا کردیا، اور لوتھر جیسے گمنام شخص نے تمام یورپ کو اُٹھا کر آگ اور خون کی سمندر مین جھونک دیا، لیکن دنیا نے گلیلو اور نیوٹن کی آواز کی طرف کان بھی نہین لگایا، غرض موجدین و مخترعین تمدن کی رفتار کو تیز و سریع کردیتے ہین، لیکن پیشوایان مذہبی ایک مستقل تاریخی دور کو پیدا کرتے ہین"،

لی بان نے اخیر فقرون مین مذہب اور فلسفہ کے حدود الگ الگ کردیئے ہین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تمدنی ترقی مین فلسفہ خود مذہب کا محتاج ہوتا ہے، مذہب پہلے ایک مستقل دور اور ایک مستقل تمدن کو پیدا کردیتا ہے، اسکے بعد فلسفہ صرف مشاطہ گری کی خدمت انجام دینے کے لئے آتا ہے، اور سادہ مذہبی تمدن کے چہرے کو رنگین کردیتا ہے، تمام مذاہب کی تاریخ سے بھی اسکی

تائید ہو سکتی ہے، اس بنا پر مذہب کا صرف یہ احسان کافی ہے کہ وہ عقل کی راہ مین رکاوٹ نہ پیدا کرے، لیکن عقل کو مذہب کا لازمی جزو قرار دینا کل کے دو مختلف الحرکت پرزون کی باہمی ترکیب سے کل کو مجموعۂ اضداد بنانا اور اسکو بیکار کر دینا ہے،

اس لئے ہمارا خیال ہے کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مین فلسفہ اخلاق کے سوا فلسفہ کی دوسری شاخون کا ایک حرف بھی نہین مل سکتا، اور جو لوگ قرآن مجید اور احادیث مین فلسفیانہ دقائق ونکات کی جستجو کرتے ہین وہ ناکامی کی دیوار سے سر ٹکراتے ہین، شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے مین اس قسم کے لوگون کا مذاق خراب ہو گیا ہے، ممکن ہے کہ قدمار کے متعلق یہ خیال صحیح ہو، لیکن اس زمانہ مین جو لوگ اس "کوہ کندن وکاہ برآوردن" مین اپنا وقت ضائع کرتے ہین، انھون نے اُسکو مذہب سے سبکدوشی حاصل کرنیکا ایک ذریعہ بنا لیا ہے، قدیم تقلید اور اخلاقی جرأت کا فقدان اس انکو مذہبی علحدگی کے اعلان کی اجازت نہین دیتا، اسلئے فلسفیانہ رموز ونکات کے پردے مین مذہبی حقائق ومعارف سے انکار کرتے ہین، خالص مذہبی لوگون مین بعض نے قرآن مجید کو فلسفہ جدیدہ کے قالب مین ڈہالنے کی کوشش کی ہے، لیکن یہ کوئی مذہبی خدمت نہین ہے، بادی النظر مین یہ ایک قسم کی بوالہوسی ہے، لیکن بہت غور وفکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے جدید گروہ کو مرغوب کرنا اور اس مین شہرت حاصل کرنا انکا اصلی مقصد ہے،

عبد السلام ندوی

عرب ایک مستشرق کی نگاہ مین

اقتباس از تاریخ عرب موسیو سیڈیو

خلفاے راشدین، امویۂ دمشق و قرطبہ، عباسیۂ بغداد، فاطمیۂ مصر کی تاریخ اوران اسلامی مشرقی ممالک کی درہمی وبرہمی کے حالات مین جن پر پہلے ترکون نے پھر مغلون نے غارت گری کی، یورپین لوگون نے عمدہ کتابین تالیف کی ہین، اوراسکے اصول کے متعلق انھون نے جو کچھ چھوڑ دیا تھا ہم نے اسکا اضافہ کرلیا ہے، یعنی تمدن عربی کا بیان جسکے اصول تمام دنیاے قدیمہ کے اطراف وجوانب مین شدت کے ساتھ راسخ ہوگئے تھے، اور جب ہم اپنی یورپین معلومات کے ماخذ ومبادی سے بحث کرتے ہین تو ابتک ہمکو اُسکے آثار نظر آتے ہین، کیونکہ اہل عرب نے آٹھوین صدی عیسوی کے بعد اپنی جنگی عصبیت کو کھو دیا تھا اور علوم وفنون کے دلدادہ ہوگئے تھے، یہانتک کہ چند ہی دنون مین قرطبہ، طلیطلہ، قاہرہ، فاس، مراکش، رقہ، اصفہان، اور سمرقند علوم وفنون کی تدوین مین بغداد کا تفاخرانہ مقابلہ کرنے لگے، اور عربی زبان مین یونانی کتابون کے جو تراجم ہوئے تھے وہ مدارس اسلامیہ مین پڑہائے جانے لگے، اور انسانی عقل نے علوم وفنون کے متعلق جو نئی باتین ایجاد کی تھین، اہل عرب اُنمین مشغول ہوگئے، اور اکثر شہرون بالخصوص یورپ کے عیسائی شہرون مین بہت سی ایسی نئی باتین مشہور ہوئین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ علوم مین ہمارے امام تھے، انکی بلند رتبگی کے متعلق جس سے یورپین لوگ ایک مدت سے ناواقف ہین، ہمارے پاس بہت سے سچے شواہد ہین اول یہ کہ اُن سے قرون متوسطہ کی تاریخ، سفرنامے، بہت سے اماکن اور اشخاص کے نامون کے

قوانین اور انسائیکلو پیڈیا جو بہت سے عمدہ علوم پر شامل ہین، منقول ہین، دوسرے وہ عمدہ صناعیان عمدہ عمارتین، اور علوم و فنون کے متعلق اہم اکتشافات، اور علم طب تاریخ طبعی، کیمیاے صحیحہ، فلاحت، اور وہ علوم صحیحہ ہین جنکی انھون نے نہایت مستعدی کے ساتھ نوین صدی عیسوی سے پندرہوین صدی تک ممارست کی،

مؤلف شیلجل، ۱۸۳۲ء موافق ۱۲۴۸ھ کا خیال ہے کہ ہندو اور چینی، عرب سے زیادہ عالم ہین، اور اس نے بیان کیا ہے کہ ان دونون قومون کے علوم کے خزانون سے وہ عنقریب واقف ہوگا، لیکن اُسکے دعوی کے ۲۰ برس بعد بھی فلکی، ریاضی، اور جغرافیانہ فوائد صرف قدیم عربی کتابون کے ذریعہ سے معلوم ہوئے، بے شبہہ ان یورپینون نے جو ہندی مسائل کی تحقیقات کرتے ہین، بہت سی کتابین لکھی ہین، لیکن اس سے اُنکے مقاصد مین کسی قسم کا اضافہ نہین ہوا، جیسا کہ وہ یورپین جو مملکت چین کی تاریخ سے فوائد اخذ کرتے ہین، اس سے زیادہ کامیاب نہین ہوے کہ انھون نے یہ مشہور کردیا کہ ترکون کی طرح چینی تمام دنیا مین سب سے زیادہ جاہل ہین، جیسا کہ مورخ ابو الفرج نے لکھا ہے،

لیکن اسکندریہ یونان اور اخیر زمانہ کے درمیانی وقفہ مین بغداد کا اسکول جو تمدنی معلومات کا جامع تھا، اہل یورپ کو خواب جہالت سے بیدار کرنے اور تمام ایشیائی ممالک مین علم کی روشنی پھیلانے مین معین ہوا، کیونکہ ہندوستان مین علامۂ بیرونی کے ذریعہ سے جو سلطان محمود غزنوی کا زیر بار احسان تھا، علم عرب (فلک) اسوقت پھیلا جب ۱۰۱۶ء موافق ۴۰۷ھ مین اُس نے یہان کا سفر کیا، اسی طرح علامۂ عمر خیام نے ۱۰۷۶ء (موافق ۴۶۹ھ) سلجوقیون مین، اور علامہ نصیر الدین طوسی بانی رصد خانہ مراغہ نے ۱۲۶۰ء (موافق ۶۵۹ھ) مغلون مین اس علم کی اشاعت کی، اور وہ ۱۳۳۷ء (موافق ۷۳۸ھ) مین عثمانیون مین پھیلا، اور چینیون مین سلطان کو بلاے خان

(جو سلاطین یوانتیہ کا بہت بڑا خاندان ہے) کے عہد مین علامہ کو تیو کنغ، شاگرد استاذ جمال الدین نے ۱۲۸۰ء (موافق ۶۷۹ھ) مین اسکی اشاعت کی، اور اولوغ بیگ نے ۱۴۳۷ء موافق ۸۴۱ھ مین سمرقند مین علم فلک کی تحقیقات کے لئے ایک رصدخانہ قائم کیا،

مشرقیون کا یہ علمی شغلہ، الوغ بیگ کے زمانہ کے بعد ختم ہوگیا، اسکے بعد اہل یورپ اُن علوم کے رموز و اسرار سے واقف ہوئے، اور اس شغلہ مین مصروف ہونے لگے، یہانتک کہ یورپین ممالک مین تمدن نے عربی لغت اور اسکے ان ادبی فنون کی جو روز بروز یورپینون مین پہیل رہے تھے تجدید کی، اور ہم ابتک قدیم عربی کتابون کے متعلق اہم امور کی تحقیقات کر رہے ہین، اگرچہ غلط طور پر انکا انتساب بعض متاخرین یورپینون کی طرف کر لیا گیا ہے — اسمین کوئی شبہ نہین کہ ہماری قوم فرنچ نے مغربی جزائر کے جو صوبے فتح کئے ہین اور افریقہ (ممالک مغرب) کے مسلمانون سے اسکے جو تعلقات قائم ہوگئے ہین، اس نے لغات اور آثار مشرقیہ کے دلدادہ اور سرگرم یورپینون کو معلومات عربیہ کے متعلق ان کتابون کی تحقیقات کا اور بھی موقع دیا ہے، جن سے گذشتہ یورپین لوگ قیمتی معلومات کے جواہر نہ نکال سکے، عربی قوم کی اس تاریخ کا جسکے واقعات عجیب ترین مظاہر مین نمایان ہوئے ہین، اور جسکے حوادث بخلاف اور تاریخون کے ہر پڑھنے اور غور کرنے والے کو مبہوت کر رہے ہین، ہم کس مشغولیت کے ساتھ خلاصہ کر رہے ہین، ہم زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ فرزندان یورپ کی توجہ ان عظیم الشان آثار کی طرف مبذول کراتے ہین، جنکو اُس قوم نے چھوڑا ہے،

آثارِ علمیہ و ادبیہ

نامۂ پارسی

مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی

بنام مجلس ندوۃ العلماء

ذیل کا فارسی خط جو ہمارے استاذ و راستاذ الاستاذ مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی کا فیض خامہ ہے، ہم اسکو معارف مین تبرکاً شایع کرتے ہین، یہ خط ۱۳۱۴ھ کا لکھا ہوا ہے جسکو اب ۲۴ برس ہوئے ہین، گویا یہ تحریر ہمارے علماے افاضل کے ربع صدی سے پہلے کے خیالات کی ترجمان ہین خط مذکور ندوۃ العلماء کے قیام کے مشورہ کا جواب ہے، اسمین سرسید مرحوم اور اُن کے مدرسۃ العلوم پر بھی ریمارک ہین، اور لکھا ہے کہ ہمین بتایا کیا گیا اور دکھایا کیا گیا، یہ وہی تخیل ہے جو آج مسلم یونیورسٹی کی نسبت مخالف و موافق فریق مین قائم ہے،

علوم جدیدہ اور قدیمہ کے تصادم کی نسبت مولانا نے جو کچھ ظاہر فرمایا ہے، اگر وہ آج ہوتے تو ہم نہین جانتے کہ وہ کیا فیصلہ کرتے، اسلیے جو انتظار کی گھڑی ربع صدی پہلے تھی وہ اب بھی ہے تاہم یہ ضرور ہے کہ علوم جدیدہ کی جو ڈراونی شکل سرسید اور اُنکے معاصرین نے عوام کو دکھائی تھی بحمد اللہ کہ اب اسکی مرعوبیت بہت کم ہوگئی ہے، اور ہر شخص جدید خیالات سے بہت کچھ واقف ہوگیا ہے جس سے وہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ اُنسے مذہب کو کسی حد تک ضرر ہے بھی یا نہین ؟

مرکز افاضل، و مرجع کرام اماثل، لازال مولٰنا لکل وافد و سائل،

بعد سلام مسنون، واضح راے رزین باد کہ نامۂ نیکو مے عنوان برکت ختامہ از دیوان ندوہ رسید

من و برادر گرامی جناب مولوی **عنایت رسول صاحب** از دیر غریق وار منتظر دستگیریٔ قوم بودیم، و حرکتِ سرروق (زرق) همت مردانهٔ قوم را انتظاری نمودیم، تا یکباره دستها کشایند و کشتیٔ طوفانی علوم اسلامیه را از گرداب بلا بیرون نمایند،

از عمل دو ساله ارکان ندوه چنان معلوم شد که در ضمیر بزرگان و سترگان (اکابر) امت ضرورت علوم حقیقیه خداشناسی جاگزین شد، و دردمندان اسلام را دستگیری کشتی طوفانی ما دلپسند و خاطرنشین آمد، تا بباز و این گرانمایه قوم نفوس زکیه باز بسوے مرکز خود گرایند و مانند اسلاف بقوادم انظار (شہپر) سائر زمینها سپرند و آسمانها پیمانند،

چه عجب که درین هنگام علوم و فنون حکمیه که تائید علوم روحانیه اسلامیه بودند، و برخے ازان از ناپرسانی مردم به اندراس آمده از سر نو جدید سازند، و شمع معارف الٰهیه را از صرصرِ جهالات اهل افرنج و هوائیانش (وهمی) به فانوس سازی پردازند، هرچند ما شکسته ایم مگر بیاریگری دانش بینان حق جو نشسته ایم پس هر امر مفید قوم که تعلق بما دارد، و در حیز اختیار ماست، از تجدید علوم مندرسه یا تسهیل علوم باقیه و ترتیب فنون مستعمله، یا استعمال صنائع کسبیه که همانا بضاعت مزجات (سرمایۂ قلیل) اهل یورپ است، در تعمیل آن دریغ نخواهد رفت، لیکن از بعض فقرات مسودهٔ دارالعلوم پیش کردهٔ بعض ارکان ندوه چنان معلوم شد که خصوم تعلیم اسلام، به پردهٔ اصلاحِ تعلیم کینها کشاده اند و کمانها کشیده، پس سطرے چند بنظر اظهار حق پیش مدبران (دشمنان) تعلیم می نهم، تا در حقیقت حال بنگرند، و بر مآل کار چشم حق بین کشایند و بالله التوفیق

مخفی مباد که مراد از علوم اسلامیه که در تائید آن ترقی اسلامی است، معارف الٰهیه اند کاشف احوال مبدا و معاد که تصدیقش از تعلیم شارع کریم مستفاد باشد، و نیز آنچه به استدلال صحیح سوے امور مذکوره راه نماید، یا زنگ شبهات متعلقه مسائل مذکوره از نفوس ناقصه بزداید، یا مقاصد شارع را بر الباب اهل نظر منجلی نماید، چون علوم فقه و تفسیر، و حدیث، و فنون کلامیه، و بعض فنون حکمیه و علوم ادبیه

اما فنون کسبیه چون حیاکت و خیاطه، صنایع ماخوذه اهل فرنگ مانند فنون خدمات و چاکری اهل دول
(جولاہگری) (درزی گری)
و اعمال متعلقه آنها از تکمیلات نفوس بیرون اند، ترقی نفوس انسانی در فضائل روحانی وابسته، همان علوم و معارف باید پنداشت، و این دیگرها را بقدر ضرورت، در سلک مد معاش باید داشت و بالجمله آن علوم جواهر نفیسه اند، و این فنون از ذخائر خسیسه،

و آنچه بعض مردم بر مسموعات اهل یورپ فریفته وانمایند، که بالفعل علماے فرنگ به تجارب کثیره
(ظاہر)
در عناصر و دیگر اجسام مرکبه، و بسیطه امورے چند بر آورده اند که مسائل آن مخالف اصول اسلام اند، پس بجاے کلام مروجه سلف این علوم را باید نشانید، پس باید دانست که علوم کلامیه مدونه قدما دفع جمله اعتراضات، و اوهام کاسده را متکفل اند، این اوهام از قبیل اعراض باشد، یا جواهر از اجسام اثیریه باشند یا عناصر از مجردات باشد یا مادی، و آنانکه جهالات بیسر و پاے یورپ را به نرخ علوم خریده اند و اکنون هم خرند از تحقیقات علمیه پاستانیان غافل اند، از آنانکه این علوم جدیده را مر علوم قدیمه را نعم البدل
(اسلاف)
انگاشته اند،

التماس است که مسئله از مسائل این فن که مر مسئله را از مسائل شرعیه معارض قوی پندارند، در مجمع انظار عقلا پیش آرند، و جواب آن از ما محض به نیروے قوانین عقلیه از همان علوم قدیمه بگیرند، آنگاه نصح ما بپذیرند، و آنها را با طفال دبستان ما بسپرند، و به نگاه مناسب در مقاصد آن بنگرند و این براے آن آوردم که در مجالس تاسیس علوم شرعیه خصوم علوم خریده علوم قدیمه را بیکار قرار داده در مساعی طالبان کمال فتور می اندازند، پیشتر ازین شخصے از مهتران قوم در جامه بهی خواهان اسلام آمده
(سرسید)
بعبارت دلآویز و الفاظ پُر درد گریه انگیز چنان وانمود که پیشتر ازین در دهلی و لکهنؤ مدرسها بودند مرکز علماے نامدار و بقعها محط رحال افاضل روزگار که تا سالهاے دراز از ان پیاپے ارباب کمال
(مقالات)
پدید آمدند، چون شاه عبدالعزیز و مولوی محمد اسمعیل و مولوی محمد اسحاق و همچنین مولانا عبدالعلی

و ملا کمال الدین و مولوی ظہور اللہ ہر یکے از حکماے شریعت پناہ بودند، و فضلاے حکمت دستگاہ ذات با برکات شان ہم دین محمدی را بازو بود، ہم شریعت قویمہ حقہ را قوت و نیرو، اکنون آن ہمہ مقامات و معاہد خراب و ویران است، و علوم شان در دفاتر چون گنج شائگان بزمین پنہان، پس مدرسہ را بنا باید نہاد کہ ملجاے علوم باشد، و اہل اسلام را وسیلہ احیاے رسوم، چنانچہ مشتاقان ترویج علوم اسلام و بہی خواہان کافۂ انام، برامید وجود علماے دین پناہ زرہا بیدریغ ریختند تا کہ مدرسہ پدید آمد و مردم اطفال را از مدارس عربیہ بریدہ بان مدرسہ آویختند، دیدہاے مردم بسوے درہاے مدرسہ باز، و گوشہاے خلق از ہر گوشہا برآواز، تا برامید خویش حکماے دانش پسند را بہ بینند، کہ اسلاف کرام را نعم البدل باشند، لبعد زمانۂ دراز چون متعلمان آن مدرسہ با سند تکمیل بیرون خرامیدند و بجاہاے مختلفہ رسیدند، بجاے بحر العلوم و شاہ عبدالعزیز نگاہ برکسانے افتاد کہ نہ از علم جواہر حرفے آموختند و نہ از فنون اعراض جوے اندوختند، یکے دوزخ و بہشت الٰہی را پیکر خیال گفتے و دیگرے معجزات ابنیا را محال دانستے، یکے مکاسب دنیا را نتیجۂ زندگانی گفتے، و دیگرے قربات عبادات الٰہی را فانی، و ذخیرۂ مال را دائمی و جاودانی دانستے، مجموعۂ این خیالات و اعمال را اسلام نام نہادند و دانستند کہ ہمین معنی در اوراق پارینہ ہم ازین لفظ مقصود است،

و عقلا دانند کہ در معنۂ اسلام قدیم، و این خیالات وخیم، مناسبت (بدکم) نقل ہم مفقود است، چنانچہ در اسلام قدیم بعد ایمان باللہ، ایمان بہ ملائکہ است، و ملائکہ در اسلام قدیم اجسام اند از قبیل جواہر و درین خیالات قواے انسانی اند از قبیل اعراض، این بشابہ شخصے است کہ مسلمانان شہرے را براے حج بیت اللہ برانگیزد، و بسوے مکہ معظمہ کہ مقام کعبۂ الٰہی است رہنما گردد، و چنان وانماید کہ بمعونت آن بدرقہ کم مایہ زادے بدانجا تواند رسید، و مردمان بر سخنش فریفتہ با او عقد مرافقت بندند، و او بشہرے دیگر برد کہ نامش مکہ نہد، و خانۂ را در و کعبہ گوید، پس نسبت اسلام باین عقاید نسبت این

حج است بزیارت خانہ، پس اگر این علوم جدیدہ مویدِ اسلام جدید اند، پس متکلمان ما را در آن کلامے نیست، وانچہ گفتہ کہ حملۂ فلسفہ جدیدہ دلہاے عامیان بتغیر غیر متوقع مبدل کردہ وان را حوالہ بمسائل اصول کیمیا کردہ، پس میگویم کہ این فن نادر نیست بلکہ کتب عربیہ این فن در کوچہ وبازار بسیار اند، محرک را باید کہ مسئلہ را از مسائل آن خلاف شریعت باشد باثبات آرد، تا مقالہ اش قابل اصغا بود،

(شتوالی)

وکسانیکہ از تعلیم مدارس انگریزی از راہ اسلام برگشتہ اند، بجہت آن است کہ عدم علم را، علم عدم می انگارند، واین بجہت خامی قواعد منطقیہ است، وثبوت مسائل مذہبیہ روحانیہ را از عالمِ اجسام، واعراض، تجربیات ناقصہ اہل فرنگ می خواہند،۔ ودر تحقیقات علما اعتماد ندا شتہ، براے تصدیق خود تجربۂ جدید می طلبند، وبے تحصیل مبادی وصول بمقاصد دارند ونداننند کہ کسیکہ اشکال سطحہ مقالہ اول نداند، اشکال مجسمات مقالۂ یازدہم چگونہ تواند دریافت، وتحصیل ردّ اوہام آنہا از تحریرات جناب مولوی عنایت رسول صاحب توان دریافت، وانشاء اللہ تعالے تفصیلِ مقاصد مذکورۂ بالا در رسالۂ دیگر مع تفصیل مقاصد فنون وعلوم اسلامیہ، واستغناے شریعت از فنون واہیہ فلسفہ جدیدہ بہ بیان خواہد رسید،

والسلام

محمد فاروق عفی عنہ

۱۴۔ شوال ۱۳۱۳ھ از الہ آباد

باب التقریظ و الانتقاد

عفت المسلمات

جدید تہذیب نے مشرقی عورتون کی طرز معاشرت مین جو نمایان تغیرات پیدا کئے ہین، ان مین پردہ خاص طور پر مشرقی لٹریچر کا موضوع بحث بنگیا ہے، سب سے زیادہ افاضل مصر نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے، اور اسکی مخالفت و موافقت مین جو کچھ لکھا ہے وہ ترجمہ کے ذریعہ سے ہماری اردو زبان مین آگیا ہے، لیکن یہ مسئلہ درحقیقت ایک ہمہ گیر مسئلہ ہے، مذہب سے، اخلاق سے، معاشرت سے، صحت سے، تعلیم و تربیت سے، سیاست سے، قانون سے، غرض ہر چیز سے اسکا تعلق ہے، اور اس تعلق کی بنا پر اسکی موافقت و مخالفت مین جو کچھ لکھا جا سکتا ہے، ان تمام اجزا کے پیش نظر رکھ لینے کے بعد ہی لکھا جا سکتا ہے، لیکن ہمکو جہانتک معلوم ہے پردہ پر ابتک کوئی ایسی جامع کتاب نہین لکھی گئی جسمین ان تمام اجزا کے فوائد و نقصانات سے بحث ہو،

اسکے ساتھ یہ مسئلہ اگرچہ اپنی ہمہ گیری کی وجہ سے ایک علمی مسئلہ بنگیا ہے، لیکن درحقیقت وہ ایک اصلاحی مسئلہ ہے، اس لحاظ سے اسکے متعلق ہر مضمون، ہر آرٹکل، اور ہر کتاب اسیوقت مفید ہو سکتی ہے، جب اسکا طرز تحریر مصلحانہ ہو، لیکن مصر وغیرہ مین اسپر جو کچھ لکھا گیا ہے اسکا طرز بیان زیادہ تر فلسفیانہ بلکہ مجادلانہ و مناظرانہ ہے، جسکے پڑھنے سے مصنف کے قوت استدلال، وسعت معلومات، اور زور تحریر کا تو دل پر اثر پڑجاتا ہے، لیکن اصل اصلاح کی طرف توجہ نہین ہوتی، لیکن الحمد اللہ کہ زیر تنقید کتاب جو ہر ہائنس نواب سلطان جہان بیگم والیہ عالیہ کشور بھوپال کے مصلحانہ

اعمال کا بہترین نتیجہ ہے، یہ کمی پوری کردی ہے، اس مین پردہ پر ہر حیثیت سے بحث کیگئی ہے، قرآن، حدیث، آثار صحابہ، اقوال فقہاء، علماے ہندوستان کے فتاوی و مضامین سے اسکی ضرورت اور اسکا وجوب ثابت کیا گیا ہے، پردے کی تاریخ لکھی گئی ہے، اُسکے متعلق دنیاے اسلام کا رویہ دکھلایا گیا ہے، بے پردگی کے نقصانات بیان کئے گئے ہین، اور مخالفین پردہ کے دلائل کا معقول جواب دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ بے پردگی کی حالت مین جو کام بُرے طور پر انجام دیئے جاسکتے ہین وہ پردہ کی پابندی کے ساتھ نہایت خوبی سے انجام پذیر ہوسکتے ہین، اس طریقہ سے یورپ مصر و شام اور ہندوستان مین پردہ پر جو کچھ لکھا گیا ہی اسکا بہترین حصہ اس کتاب مین آگیا ہی اور اُسکے ساتھ طرز تحریر بالکل ناصحانہ مصلحانہ بلکہ مشفقانہ ہے، کیونکہ اُسکا مقصد تبحر علمی کا اظہار نہین ہے، بلکہ عورتون کی اخلاقی اصلاح ہے، اور اگر نیت کا اثر عمل پر پڑتا ہے تو انشاء اللہ یہ کتاب اپنے مقاصد مین اس مسئلہ کی اور کتابون سے بہت زیادہ کامیاب ہوگی،

ہز ہائنس کے قلم سے اس سے پہلے بھی متعدد ضخیم تصنیفات نکل چکی ہین، لیکن عفت المسلمات باوجود صغر حجم ان مین سب سے زیادہ ممتاز ہے، اور بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر تالیف ابتک شایع نہین ہوئی تھی،

کتاب کا حجم ۲۰۰ صفحہ ہے، لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہی، اور کاغذ اعلےٰ قسم کا لگایا گیا ہے، دفتر ظل السلطان شاہجہان آباد بھوپال سے ملسکتی ہے،

ادبیات

ولایت مرحوم

نالۂ کلک: سجاد انصاری بی-اے ال ال بی

شیخ ولایت علی مرحوم بی اے ال ال بی ہمارے ان نوجوانون مین تھے جن سے قوم کو اپنی جوان بختی کی امید تھی، تعلیم جدید کی اعلےٰ لیاقت کے ساتھ انکا مشرقی اخلاق و معاشرت عجیب دلکش تھی انکی شیرین گفتاری جسمین سادگی اور ظرافت کا نمک ملا ہوتا تھا، اُنکے ہم بزم دوستون کیلئے عجیب نعمت تھی اُنکی پر بہار انشا پردازی جس سے کامریڈ اور نیو ایرا کے صفحات گل ریز رہتے تھے ہمیشہ کیلئے خزان رسیدہ ہوگئی، وہ ان لوگون مین تھے جو حوادث زمانہ اور سختی ہاے ایام کا خندہ جبینی اور ہنسی خوشی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہین، اُنکی آزادہ روی اور حریت فکری خطرہ کی ہر قید و بند سے بے پروا تھی وہ ماہوار وسیع آمدنی کے مالک تھے لیکن انکے کام ودہن اور جان وتن کے لئے وہ بیگانہ چیز تھی وہ حقیقت مین مجالس قومی فقراے وطن اور احباب واعزہ کا حق تھی، غفرلہ اللہ و رحمہ

جناب سجاد انصاری کے ہم ممنون ہین کہ انکی نظم نے ہمارے ماتم کا فرض ادا کردیا،

اے پیکر انبساط ہستی! توحسنِ تبسمِ جہان تہا

اک صبح امید کی جہلک تھی اک حرفِ پیامِ آسمان تہا

سیمابِ نشاط تہا سراپا دیوانۂ عیش کامران تہا

تہین دل مین بہار کی فضائین گو سامنے منظرِ خزان تہا

ہر بات مین بذلہ سنجیون سے اک سحرِ تجلی بیان تہا

تیرے اندازِ گفتگو مین اک محشرِ حسن داستان تہا

تحریر کی دلفریبیون مین — افسونِ بہارِ بوستان تہا
اللہ رے مذاق نکتہ سنجی — گویا شاعر کا رازدان تہا
اک انجمنِ صفات تہا دل — حسن فطرت کی چیستان تہا
حریت صدق آشنا کا — سیماے غیور پر نشان تہا
کیونکر کرتا تو جبہہ سائی — بیگانۂ رسمِ آستان تہا
خودداری بے نیاز مین بہی — اک عالمِ بیخودی نہان تہا
اخلاص کی خاکساریون مین — افسانۂ دورِ باستان تہا
ایثار رہا، غمگساریان تہین — ہر دل کے سکوت کی زبان تہا
تیرا مرنا تہا اک قیامت — ہر ایک ستمکشِ فغان تہا
اللہ سے کس طرح گلہ ہو — یہ کیا اندازِ امتحان تہا
یہ غمکدۂ فضاے گیتی — رہنے کے لئے ترے کہان تہا
فردوس خلوص کا فرشتہ — اس فتنہ سرا مین میہمان تہا

اب خلد مین نازشِ چمن ہے
سرمایۂ حسنِ انجمن ہے

غزل فارسی

شاید یہ بہت کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ ہمارے فاضل دوست مولانا عبدالسلام ندوی ایک قادر الکلام شاعر بھی ہین، شاعری پر انکی تنقیدین ناظرین کی نگاہون سے اکثر گذری ہونگی وہ شاعری کے رموز و نکات پر نہایت اچھی نظر رکھتے ہین، بیشتر اردو اور کبھی فارسی مین

کہتے ہین، لیکن شاعری کی حیثیت سے پبلک مین آنا انھون نے ہمیشہ ناپسند کیا اب ہمارے اصرار اور استاذ مرحوم کی تقلید سے مجبور ہو کر وہ اپنی ایک تازہ فارسی غزل ہدیۂ ارباب نظر کرتے ہین،

ذوقِ لب و دہانت این خستہ جان نداند
طرز تبسم تو زخم نہان نداند

رازے کہ با رقیبان ہم درمیان نہادم
وا حسرتا کہ آن نیز آن دلستان نداند

یا رب ازین زبان بیصرفہ مدعا چیست
در جنبش است ولیکن طرز فغان نداند

صوفی از و شنیدہ است این حرف باز گوید
دانیم راز ہستی پیر مغان نداند

این بوسۂ رخ او رازیست بس نہانی
ای شوق لب نداند کام و دہان نداند

آن سادہ را ببینید ای آہوان صحرا
صید افگند ولیکن تیر و کمان نداند

پست و بلند گیتی ہموارہ می نماید
دیوانہ ات زمین را از آسمان نداند

از جوش طبع ندوی این حرف پارسی ہست
اور اضبر زقم نیست اہل صفہان نداند

گلدۂ عزیز

رہنے دو کہ ہے قابل عبرت مرا گھر بھی
آئیگا کبھی تو کوئی سیاح ادھر بھی

کچھ دور وہ ہمراہ جنازے کے چلین گے
کیا دیر ہے بیمار محبت کہین مر بھی

کونین ہے بیتاب ترے جلوۂ رخ سے
ہے ایک تماشا جو ادھر بھی ہے اُدھر بھی

مرکز کی کشش روح کو دیتی ہے یہ تعلیم
اس طرح نکل جا کہ نہو تن کو خبر بھی

دینا نہ عزیز آنکھ کو گردش دم آخر
بیٹھے ہین سرہانے ترے ارباب نظر بھی

کلام فانی

جناب شوکت علی صاحب فانیؔ بی۔اے ایل ایل بی بدایونی

بشر میں عکس موجوداتِ عالم ہم نے دیکھا ہے
وہ دریا ہے، یہ قطرہ، لیکن اس قطرہ میں دریا ہے

مری میت پہ انکا طرزِ ماتم کس بلا کا ہے
دلِ بے مدعا سے پوچھتے ہیں مدعا کیا ہے

مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہے
ٹھہر جائے تو انگارہ ہے، بہ جائے تو دریا ہے

کوئی دل میں نہیں آتا تو پھر یہ داغ دل کیا ہے
بتا اے عشق یہ کس چور کا نقشِ کفِ پا ہے

اسی کو تم مگر اے اہلِ دنیا جان کہتے ہو
وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ رہ کر کھٹکتا ہے

نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہوں نالے
خبر دل کی نہ ہو دل کو کہیں ایسا بھی ہوتا ہے

مری تربت کو اپنا گھر بنا لینے سے کیا حاصل
یہ کیا دیوانگی ہے کچھ مری وحشت کو سودا ہے

محبت ہی نہیں تو پاسِ آدابِ محبت کیا
وفا کی یا جفا کی جانے دو یہ ذکر ہی کیا ہے

نظر آتے ہیں دل میں آج پھر آثار بیتابی
ہم اے امید سمجھے اسمیں کچھ تیرا اشارا ہے

تمہارے ظلم، طعنے غیر کے، لوگوں کے آوازے
محبت میں دلِ مجبور کو سب کچھ گوارا ہے

شبِ فرقت میں ہم ہر سانس سے یہ پوچھ لیتے ہیں
جگر تو خیریت سے ہے، مزاجِ دل تو اچھا ہے

غبارِ رشک، نگارستانِ حسرت، یاس کے منظر
ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا ہے

مری محرومیوں کا فیض جاری ہو رگ پے میں
بدن میں جو لہو کی بوند ہے خونِ تمنا ہے

یہ کیا کہتے ہو فانی سے کہ تیری موت آئی ہے
تم اُس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہے

مطبوعاتِ جدیدہ

بیگماتِ بھوپال، ریاست بھوپال کا شاید اس وصف مین دنیا کے تمام حکمران خاندانون مین کوئی حریف نہ نکلیگا کہ آغاز قیام ریاست سے اسوقت تک وہ عموماً خواتین کے حسن تدبیر، اور طرزِ فرمانروائی کے زیر سایہ رہی، اور اس لحاظ سے اُسکی تاریخ نہایت دلکش ہے، ہمارے دوست جناب منشی محمد امین صاحب زبیری مہتمم صیغۂ تاریخ بھوپال نے بیگمات بھوپال کے نام سے وہان کی دس حکمران بیگمون کے حالات نہایت شرح وبسط سے لکھے ہین، بھوپال کی تاریخین کثرت سے لکھی گئی ہین مگر مولف نے ابتدائی واقعات کی تلاش مین بعض اہم انکشافات تاریخی پیدا کیے ہین، اس بات کی خاص کوشش کی ہے کہ بیگمات کی گھر کی زندگی، اور غیر حاکمانہ حالات معاشرت واخلاق کی بھی پوری تصویر اتاری جائے دوسرے حصہ مین موجودہ فرمانروائے کشور بھوپال کے حالات بھی ایک مورخ اور چشمدید شاہد کی حیثیت سے نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے ہین، اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ اُنکے تاریخ نگار قلم پر رئیس و مروس کے اثر کا کوئی دباؤ محسوس نہو، زبان بھی سلیس اور رواں اختیار کیگئی ہے، جا بجا بیگمات کی بنائی ہوئی عمارتون یا انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرون کے عکسی فوٹو ہین، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، ضخامت ۸۰۶ صفحے، قیمت ۱ سے،

خطباتِ غربیہ، جناب خواجہ کمال الدین صاحب بی - اے ال ال بی، جو ووکنگ (لندن) مین بیٹھکر اشاعت اسلام کا کام انجام دے رہے ہین، اور اس غرض سے اسلام کے فضائل اور حقیقت پر انگریزی زبان مین جو لکچر دیتے ہین، اشاعت اسلام بک ڈپو لاہور نے اُنکے اُردو ترجمہ کا سلسلہ شائع کیا ہے، موجودہ سلسلہ ۶ نمبرون کا ہے، ہر نمبر کی قیمت ۲ ہے، چھپائی اور کاغذ عمدہ، پتہ: اشاعت اسلام بک ڈپو احمدیہ بلڈنگس لاہور،

جوہرِ قدامت، ایک زمانہ تھا کہ مولانا **نذیر احمد** دہلوی نے اپنی تصنیفات کا یہ مقصد قرار دیا تھا کہ مسلمان عورتوں مین تعلیم جدید کی اشاعت ہو، بحمد اللہ کہ جدید تعلیم نے تھوڑی بہت ان مین اشاعت پائی، تو اب اسکی ضرورت ہوئی کہ جدید تعلیم جو اثرات بد پیدا کر رہی ہے اور جو نا قص نمونے اپنی تربیت کے پیش کر رہی ہے اُنکو آشکارا کیا جائے، جانشین نذیر احمد مولوی **راشد الخیری** صاحب دہلوی نے اس فرض اہم کو اپنے ذمہ لیا ہے، جوہر قدامت اسی تخیل کا نتیجہ ہے، جسمین افسانہ کی صورت مین جدید طریقۂ تعلیم کے قبائح اور قدیم تربیت و تعلیم کے محاسن نمایان کئے گئے ہین، مولوی راشد الخیری صاحب کی زبان اور انداز تحریر سب کو معلوم ہے، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، قیمت عہ، پتہ: دفتر صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات،

گلزار بادشاہ، الحاج خطیب **قادر** بادشاہ صاحب مرحوم متخلص بہ بادشاہ، سابق رئیس وانمباڑی ضلع شمالی ارکاٹ، برادر جناب نواب **امین جنگ** بہادر چیف سکریٹری حضور نظام کے اُردو قصاید و غزلیات و منظومات کا مجموعہ اس نام سے شایع ہوا ہے، اردو کی وسعت پر حیرت ہوتی ہے کہ دلّی اور لکھنؤ کی ادبی زبان ہندوستان کے آخری بحری گوشہ تک پہنچ گئی ہے، بادشاہ مرحوم کے منظومات مین نعتیہ، غزلیہ، قومیہ، اخلاقیہ ہر صنف کا کلام ہے، بعض بعض اشعار اور مصرع حد درجہ روان اور بے تکلف ہین، اور تمام کلام زبان کے اغلاط سے عموماً پاک ہے، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۸؍، پتہ: گوڈون اسٹریٹ نمبر ۷ مدراس،

اُردو لٹریچر کی ترقی پر ایک سرسری نظر، حکیم محمد **ناصر الدین** احمد صاحب دہلوی جنرل سکریٹری مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس کی ایک مختصر تحریر جو گذشتہ اجلاس اردو کانفرنس مین اُنھون نے پڑھکر سنائی، غالباً خود حکیم صاحب سے ملیگی،

مجلد سوم	ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق مارچ ۱۹۱۹ء	عدد نہم

مضامین

شذرات	۴۵۰	۴۵۱
ہمارے موجودہ نظر بندان اسلام	۴۵۲	۴۶۴
× تقویتِ دماغ	۴۶۵	۴۷۱
ابن یمین	۴۷۲	۴۸۷
سورۂ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر	۴۸۸	۴۹۱
گلکدہ	۴۹۲	۴۹۷
ادبیات	۴۹۸	۵۰۱
مطبوعات جدیدہ	۵۰۲	۵۰۴

دار المصنفین کی جدید مطبوعات

شعر العجم جلد پنجم، علامہ شبلی نعمانی — قیمت عہ ۔ عار

ارض القرآن، جلد دوم، سید سلیمان ندوی — " ۱۲ آنہ

برکلے (اول) پروفیسر عبد الباری ندوی — " عہ

مبادی علم انسانی (برکلے) دوم " — " عہ

تاجروں کو ۲۵ فیصدی کمیشن۔

"منیجر"

شذرات

برادران اسلام یہ سن کر خوش ہونگے کہ اعلیحضرت ناصر الاسلام والمسلمین **محی الملت والدین** ہز اگزالٹڈ ہائینس شہر یار دکن خلد اللہ ملکہ و دولتہ نے ہماری استدعا کے بغیر صرف استحقاق پر نظر رکھکر **سیرۃ نبوی** کی مدمین چار ہزار آٹھ سو روپیہ کا عطیہ منظور فرمایا، یہ رقم ۲۰۰ ماہوار کی صورت مین دو برس تک خزانۂ عامرہ سرکار عالی سے جاری رہیگی، جزی اللہ السلطان عن الاسلام واھلہ خیرا الجزاء،

ہمارے ایک کرم فرما حافظ صاحب علی صاحب نے سنگاپور سے ہمکو چند قلمی کتابین عنایت فرمائی ہین جنمین سے ایک ابن بیطار کی **جامع الادویہ** ہے جو زیادہ تر مفردات ابن بیطار کے نام سے مشہور ہے اور اسی نام سے مصر مین چھپ بھی ہے، یہ نسخہ نہایت عمدہ بخط عرب ۹۰۱ھ کا لکھا ہوا ہے، ابن بیطار ساتوین صدی ہجری کا مشہور عالم نباتات ہے، اُسکے حاشیہ پر ابن یحیٰی بن عیسیٰ کی کتاب **منہاج البیان فیما یستعملہ الانسان** ہے، ابن یحیٰی قدیم طبیب ہے، ۴۹۳ھ اسکا سال وفات ہے، یہ کتاب علم نباتات طبیہ مین ہے، آخر مین اسی کتاب کے ضمیمہ کے طور پر ایک اور کتاب اسی علم مین ملحق ہے، افسوس کہ اسکا نام ابتک معلوم نہو سکا، دو اور قابل ذکر کتابین ہین، شرح حکمت العین جو فلسفہ مین بہترین کتاب ہے، اُسپر ملا میرزا جان اور میر سید شریف کا حاشیہ نہایت شیرین ایرانی خط، اور ملا نظام الدین کا حاشیہ شرح عقاید جلالی پر، یہ حاشیہ ۱۲۲۴ھ مین بمقام چینا پٹن نقل ہوا ہے، ناقل کا نام محمد فاضل ہے، غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب ملا بحر العلوم مدراس مین تشریف فرما تھے،

سیرۃ نبوی نے مسلمانون کے ہر طبقہ مین جو مقبولیت حاصل کی ہے، اسکے لحاظ سے آپ یہ سن کر متعجب ہونگے کہ ہندوستان کے مختلف صوبون کی زبانون مین اُسکے ترجمہ کی تیاریان ہو رہی ہین، بنگالی مین مولوی محمد اکرم صاحب ناظم مجلس علماے بنگال صرف سیرۃ نبوی کے انتظار مین اپنی سیرت کا مسودہ روکے ہوئے تھے، برمی زبان مین مختصر سیرت شائع ہو رہی ہے، انگریزی ترجمہ کے لئے مولوی مشیر حسین صاحب قدوائی بیرسٹرایٹ لا (دوکنگ) تیاری کر رہے تھے، ادہر اُنکا حال نہین معلوم لیکن سب سے زیادہ حیرت یہ سُن کر ہوگی کہ مرہٹی زبان مین ترجمہ کرنے کے لئے **بڑودہ** کی ایک مسلمان تعلیم یافتہ خاتون نے ہمت کی ہے،

ڈھاکہ سے ایک مخدوم نے جنکے کتبخانہ کے بعض نوادر درحقیقت جواہرات مین تلنے کے لائق ہین ہمارے پاس گربہ نامہ (بلی نامہ) ایک قصہ کی چند ورقہ کتاب اس تمہیدی خط کے ساتھ بھیجی ہے کہ "مجھے یقین ہے کہ دار المصنفین کے قبضہ مین ایک بڑا کتبخانہ ہے تاہم یہ حسن ظن نہین کہ گربہ نامہ اسمین موجود ہے اسلئے بازار سے دو پیسے کی خرید کر بھیجتا ہون" یہ اُردو نثر مین "گربہ مسکین" کی مختصر سوانح عمری ہے، زبان پرانی ہے مگر روان، قدیم اُردو کے دستور کے مطابق حرف اضافت کی تقدیم و تاخیر ہے، جا بجا آیات قرآنی، احادیث، فارسی اساتذہ کے اشعار، اور ہندی دوہے ہین، خیالات و مضامین سے مولویت جھلکتی ہے، آخر مین مصنف نے اپنا نام **فقیر غلام علی آزاد** بتایا ہے،

اس سے مراد اگر میر غلام علی آزاد بلگرامی ہین جیساکہ قرائن کی شہادت ہے تو اس نظریہ مین اب غور کرنا پڑیگا کہ اُردو نثر کی سب سے پہلی کتاب **فضلی کی دہ مجلس** ہے، جیساکہ مولوی محمد حسین آزاد مرحوم کا دعوی ہے، یا میر غلام علی آزاد کا یہ چند ورقہ رسالہ ہے، یہ دونون بزرگ ایک ہی زمانہ مین تھے،

مقالات

IVERSI
RY
HYDE… RAD-7

موجودہ نظربندان اسلام

علمی، مذہبی، اور اخلاقی نقطۂ نظر سے

(۳)

دردکیشم راہ درمان می زنم — سینہ ریشم بر نمکدان می زنم
توجنونستم دماغم دیگراست — خویش را بر سنگ طفلان می زنم
بادہا خوردند محفل برشکست — دُردِ مئے بریاد رندان می زنم
بلبلان دانندکین گلبانگ شوق — گرچہ دشوار است آسان می زنم

عزیزانِ ملت! گذشتہ دو صحبتون مین مردانِ اسلام کے جو کارنامے مین نے تم کو سنائے ہین، یہ اس عہد کے واقعات ہین جب تمہارے اسلاف کائنات ارضی پر حکمران تھے، اور دین و دنیا کے برکات ظلّ ہما بنکر تمہارے بزرگون کے سرون پر سایہ افگن تھے، دنیا کی تاریخ مین جو انقلاب چند صدیون سے پیدا ہو رہا ہے، اس سے اُمید تھی کہ تمکو اپنے موروثی اخلاق کی نمائش کا موقع غالباً اب نہین ملیگا،

دولت برطانیہ جس نے ۱۷۵۷ء کے معرکۂ بنگال فتح کرنے کے بعد اس سرزمین کی خداوندی کا اعلان کیا، اس نے اپنی شہنشاہی کی عمارت جن ستونون پر قائم کی وہ عدل و انصاف اور قانون و دستور تھا اس بنا پر بھی سب کو خیال تھا کہ جبر و اکراہ اور ظلم و ستم کا وجود کم ازکم ہندوستان سے مفقود ہو گیا، اور اسلئے فرزندانِ اسلام کو اپنے بزرگون کی متروکہ اخلاقی وراثت کے اظہار کے موقع نہ مل سکیگا،

لیکن واقعات عالم نے ظاہر کردیا ہے کہ دنیا سے شر کا وجود کم سے کمتر کیا جا سکتا ہے،

لیکن معدوم محض نہین کیا جا سکتا، چنانچہ اتفاق سے ایسے حوادث پیش آے جنکے اثرات اور نتائج نے حکومت کو سخت گیری پر مجبور کر دیگا، اور ایسے قوانین کے استعمال کی ضرورت پیش آئی جو ہر سلطنت مین ہمیشہ اسی طرح ظاہر ہوتے رہے ہین، اور اُنکے نیک و بد ہونے کے متعلق فرمانروا اور فرمانبر طبقون مین اختلاف راے بھی ہمیشہ اسی طرح رہا ہے، حکمران طبقہ ان قوانین کے وضع اور استعمال مین اپنے کو حق بجانب سمجھا ہے اور محکوم اُنکو سنگدلی اور جور و ستم کے مرادف قرار دیتا ہے،

عہد برطانی مین اس قسم کا موقع سب سے پہلے ۱۸۵۷ء کے غدر مین پیش آیا، سیکڑون اشخاص جو واقعاً مجرم تھے یا قانون کی نگاہ مین قابلِ تعزیر تھے سخت سے سخت سزا برداشت کرنیکے لئے انکو تیار ہونا پڑا، عام رعایا کے علاوہ امرا اور علما کی جماعت بھی کم نہ تھی، بہار و بنگال کے وہابی علما کا فتنہ جو محض انسانی غلط فہمی کا کرشمہ تھا بدترین صورت مین نمایان ہوا، معمورۂ صادقپور (پٹنہ) جو اس صوبہ کے علما کا مرجع تھا ویرانہ بن گیا، علماے کرام کی ایک جماعت قانونی مجرم کی حیثیت سے جزیرۂ انڈمان کو جلا وطن کر دی گئی،

واقعات غدر کے سلسلہ مین جن بزرگون کو قید اور جلا وطنی کی صعوبتین اٹھانی پڑین انکی فہرست طویل ہے، لیکن ہمارے مضمون کے تعلق سے دو صاحبون کے نام کبھی فراموش نہین ہو سکتے یعنی مولانا فضل حق خیرآبادی، اور مفتی عنایت احمد صاحب یہ ہندوستان سے جلا وطن کرکے بعبور دریاے شور انڈمان بھیجے گئے، اور ایک مدت تک وہان زندہ رہے، لیکن ان خوش نصیب قیدیون مین نہ تھے جنکی آنکھون نے اپنے بچپن کے گہوارہ اور اپنی جوانی کے معرکہ گاہ کو دوبارہ دیکھا، تاہم اسکی محبت اُنکے دل سے فراموش نہین ہوئی، اور ہزارون کوس دُور سے اہل وطن کے لئے اپنے خونِ جگر (تصنیفات) کا تحفہ بھیجا،

مولانا فضل حق خیرآبادی ہندوستان مین فلسفہ و حکمت کے امام تھے، عربی کی تمام درسگاہون مین جہان فلسفہ و حکمت کا نشان ہے، انکا نام بطور یادگار موجود ہے، ہدیۂ سعیدیہ کے مصنف نے ہندوستان کا

کون عربی خوان ناواقف ہے، وہ نامور فلسفی ہونے کے ساتھ عربی زبان کے بہت بڑے ادیب تھے، اُنکے حبسیات، یعنی زمانۂ قید کے عربی قصاید، لطف زبان، اور خیالات کے لحاظ سے عجیب نادر چیز ہے، خواتین فرنگ کے ساتھ تشبیب اور یورپ کے طرز تمدن کا خاکہ ان قصاید مین خوب اڑایا ہے،

مفتی **عنایت احمد** صاحب ایک نہایت جیّد اور مقدس عالم تھے، انھون نے عالم غربت سے جو تحفہ بھیجا وہ قوم کے بچون کے پسند آیا، یعنی صرف مین **علم الصیغہ** لکھکر بند کی، جواب اکثر مدارس مین رائج ہوگئی ہے، اس کتاب کی تصنیف کے وقت مصنف کے سامنے کاغذ کے سادہ صفحات اور شام غربت کی سیاہی کے سوا کچھ اور نہ تہا، ان صفحات مین علم و کمال کا جو نور نظر آتا ہے وہ صرف مصنف کے دل و دماغ کا فیضان ہے،

یہ فتنۂ **مشرق** (غدر) کی مختصر داستان تھی، برطانیہ کے انتظام ملکی کا سمندر اب نہایت سکون اور خاموشی کے ساتھ روان تہا، دفعتہ ۱۸۵۷ء کے ۵۷ برس بعد فتنۂ **مغرب** (جنگ یورپ) نے سر اٹھایا، سمندر کی طغیانی اور جوش و خروش **جوشش مریخی** کا لازمی نتیجہ تہا پیدا ہوگیا، اور ایسے قوانین وضع ہوئے اور زیر عمل آئے، جنکی نسبت ملک کے مختلف طبقات نے قانون نظام عالم کے مطابق مختلف رائین ظاہر کین لیکن عملاً اسکا اثر یہ ہوا کہ اسلام کے بعض جانباز فرزند سنت پدری کے اختیار کرنے پر حکماً مجبور کئے گئے،

ان نظربندون کی فہرست گو بڑی ہے لیکن مجھکو ان مین سے صرف پچیس تیس نام معلوم ہین جو پنجاب، سندھ، صوبہاے متحدہ، بہار، بنگال، مدراس اور رنگون، ہندوستان کے مختلف صوبون سے تعلق رکھتے ہین،

اس مضمون مین اس سے بحث نہین ہے کہ جن شبہات کے ماتحت انکی گرفتاری اور نظربندی عمل مین آئی ہے، کہانتک صحیح ہین، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اخلاقی، مذہبی اور علمی حیثیت سے ہمارے

نظر بندون نے اپنی زندگی کا جو نمونہ پیش کیا، وہ تاریخ اسلام کے گذشتہ کارنامون سے کہانتک مطابق ہے، اس جماعت مین علماء بھی ہین، جدید تعلیم یافتہ بھی، عام مسلمان اور تاجر بھی ہین، اور مقدسین وارباب مصلےٰ بھی، لیکن بحمداللہ کہ سخت صعوبتون، مصیبتون اور مشکلون کے ہجوم مین بھی ایک کے سوا ان مین سے کسی نے کوئی ایسی بات نہین کی جو انکو انکی روایات تاریخی کی عدالت مین مجرم قرار دیسکے اور اُنکے سیزدہ صد سالہ کارنامون کے دامن پر بدنما داغ لگا سکے، اسلئے سنہ ۱۹۱۴ء سے لیکر سنہ ۱۹ء تک کا جو زمانہ مسلمانان ہند نے بسر کیا وہ اُنکی پُر فخر صدیون کے سامنے شرمندہ نہین ہے،

۱- حق و باطل کا فیصلہ مشکل ہے، لیکن انسان کی خوبی یہ ہے کہ جس چیز کو وہ اپنے نزدیک حق جانتا ہے، اور جسکو وہ ایمان سمجھتا ہے، سخت سے سخت تہدید، سخت سے سخت مصیبت اور شدید سے شدید مخالفتون کے باوجود بھی اسمین تزلزل نہ پیدا ہو، وقت کی تاریکی، راہ کی سختی اور فضا کی آندھی بھی اسکے قدم کو جادۂ استقامت سے ہٹا نہ سکے، بحمداللہ کہ اس اخلاقی معیار مین ہمارے کسی نظر بند نے ہمکو ناکام نہین کیا، تمام ہندوستان کو معلوم ہے کہ حکومت نے اپنی مہربانی سے چند شرائط پر انکی آزادی کا وعدہ کیا لیکن وہ جسکو حق سمجھتے تھے، اُس سے ہٹنا اُنھون نے گوارا نہین کیا،

۲- ان مین سے اکثر ایسے تھے جنکی مالی حالت نہایت تنگ تھی، بلکہ بعض ایسے بھی تھے جنکو اُنکا ماہوار وظیفہ خود انکی ذات کے لئے کافی نہ تھا، اہل و عیال اور متعلقین کے لئے خدا کے سوا کسی اور کا سہارا نہ تھا، تاہم یہ گرانباری بھی اُنکے قدم کو ڈگمگا نہ سکی،

۳- مذہبی حالت کے لحاظ سے دیکھئے تو ان مین جدید تعلیم یافتہ اشخاص نسبتہً مذہبی پابندی مین ڈھیلے تھے، لیکن سچ یہ ہے کہ جو ایمان کُلبۂ احزان اور مصیبت کدۂ زندان نے چند برسون مین اُنکے دلون مین راسخ کردیا وہ عیش و راحت کے ایوانون نے سالہا سال مین بھی نہین پیدا کیا،

۴- ان مین سے اکثر صاحبون کو یہ عالم زندان مین نظر آیا کہ اپنے نزدیک جس حق کی خاطر یہ تکلیفین

اُنھون نے گوارا کی ہین، اُسکے اصلی سرچشمہ پر کیونکر قابو پایا جا سکتا ہے، خدا نے اُنکو شرح صدر عطا فرمایا، قرآن مجید کے پڑہنے اور سمجھنے کا ولولہ اُنکے دلون مین پیدا ہوا، عربی زبان سیکھنے کی اُنھون نے کوشش کی عام علوم دینیہ کی واقفیت کی اُن مین ترغیب پیدا ہوئی، اور ایک حد تک وہ اسمین کامیاب ہوئے، اور عجب نہین کہ جن دوستون کو ہم نے مسٹر لکھکر وداع کیا تھا آیندہ ملّا لکھکر ہم انکا استقبال کرینگے،

مولانا محمود الحسن | امام العصر، شیخ الہند مولانا محمود حسن اور اُنکے رفقاے کرام ہمارے دوسرے نظر بندون کے مقابلہ مین مختلف حیثیتون سے ترجیحی پہلو رکھتے ہین، لیکن اُنکے اس شرف اور امتیاز کا کوئی حریف نہین ہو سکتا کہ اُنھون نے اپنی نظر بندی کا آغاز اس سرزمین اور اس آبادی سے کیا جسکے ایک گوشہ مین "اسلام کا سب سے پہلا نظر بند" شعب ابی طالب مین تین برس محصور رہا، اور اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ مولانا کو جس طرح اپنے دیگر اعمال مین سنت نبوی کے کامل اتباع کا ذوق و شوق تھا، اللہ تعالےٰ نے اس آخری عمل مین بھی اسوۂ محمدی کا شرف اُنکو عنایت فرمایا، سچ ہے المرء مع احبّ، ہمارے نظر بندون کو باایں ہمہ صعوبات ترک وطن کی تکلیف اُٹھانی نہین پڑی، لیکن اس مرد راہِ خدا کو یہ مصیبت بھی اُٹھانی پڑی درست ہے، حسنات الابرار سیئات المقربین،

مولانا اور اُنکے رفقا نے جدّہ، مصر، اور مالطہ مین اپنی قید کا زمانہ بسر کیا، لیکن اُنکے یہ تمام ایام جس ذوق و شوق، ولولہ و جذبات اور مبارک اشغال مین گذر رہے ہین، اور اس پیرانہ سالی مین وطن سے ہزارون کوس دُور جس ثبات قدم اور رسوخ عزم کے ساتھ وہ اس سنگلاخ زمین کو طے کر رہے ہین، وہ گذشتہ ائمۂ کرام کے عہد ماضی کی یاد زندہ کر رہا ہے "ایمان، و تلقین، صبر و شکر، تسلیم و رضا کا وہی نظارہ ہماری آنکھون کے سامنے ہے جو تاریخ کی دُوربین ہمکو کبھی مکّہ کے غارون مین، کبھی بغداد و دمشق کے قیدخانون مین، اور کبھی بلخ و ہرات اور نیشاپور کے زندانون مین دکھاتی ہے، تلقین ایمان، نشر علم، اور اشاعت حدیث کا جو فرض وہ دار العلوم دیوبند کے حجرون مین انجام دیتے تھے وہ مالطہ کے

نمبر ۲۱۹ کے کوٹھری مین انجام پارہا ہے،

مولانا اور اُنکے رفقار کے اشتغال کا نقشہ مولانا کے اس صحیفۂ عالیہ سے ظاہر ہوگا جو اپنے بھائی کے نام اُنھون نے رقم فرمایا ہے،

یون اسیران قفس تک کوئی پہنچا گل برگ　　جیسے غربت مین شفیقان وطن کا کاغذ

.... بالجملہ ہم سب بحمداللہ بخیریت ہین، اور راحت سے ہین (۲) آپکو خط لکھنے کے پندرہ بیس روز کے بعد یہ ہوا کہ ہم لوگ مصر سے کچھ ترقی کرکے مالٹا آگئے ہین، مسافت تو کچھ بڑھ گئی مگر تکلیف کچھ نہین، بلکہ یہان راحت زیادہ ہے، الحمدللہ گو اس عرصہ مین حالات وطن سے بیخبری رہی مگر دور دراز کے وہ حالات معلوم ہوے جو خواب مین بھی نہ دیکھے تھے آدمی جب تک زندہ ہے حرکت زمانی تو کسی وقت رکتی نہین مگر حرکت زمانی اور حرکت مکانی دونون ملکر بہت سے انکشافات جدیدہ کے موجب ہوگئین،

ستبدی لک الایام ماکنت جاھلا　　عنقریب زمانہ تجھپر بہت سی نامعلوم باتین ظاہر کردیگا اور تجھے

ویاتیک بالاخبار من لم تزود　　وہ شخص خبر دیگا جسکو تو نے اس غرض سے بھیجا نہین،

متعدد اسباق و دیگر مشاغل مین اچھی طرح گذر رہی ہے، ادھر دتجعون من اللہ مالایرجون (ہمکو خدا سے وہ امیدین ہین جو انکو نہین) کا مبارک سلسلہ بھی ایسا نہین کہ جو کسی وقت منقطع ہوجاے

الحمدللہ ثم الحمدللہ

مولانا ابوالکلام آزاد اگر ہمارے نظر بندون مین کوئی ایسا ہے جو اسوۂ محمدی پر فائز ہوا تو ہم مین ایک اور ہستی ایسی ہے جو اسوۂ یوسفی کے درجہ پر ممتاز ہوئی، اور جو زندان مین بھی جاکر ترانہ سنج یاصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار ہے، جس عزم، استقلال، استغنا اور قوت ایمانی کے ساتھ یہ زمانہ مولانا نے بسر کیا ہے وہ ان علماے اعلام کی یاد کو تازہ کرتا ہے جنکے واقعات دو سلسلون مین تم کو ابھی سنائے جاچکے ہین، شاید سبکو معلوم ہو کہ اُنھون نے حکومت کا وظیفہ لینے سے انکار کیا، اور

اعانت نظربندان کا ماہوار عطیہ بھی قبول نہین کیا، پھر یہ زمانہ وسیع مصارف کے ساتھ وہ کیونکر بسر کر رہے ہین اسکا علم خدا کو ہے، اس زمانہ مین انکو جو مالی دقتین کبھی کبھی پیش آئین وہ صرف عِبَادِیَ الشَّکُوْر کے رمز مین پنہان ہین۔

یہ معلوم ہوگا کہ رات کو انکو گھر سے نکلنے کی اجازت نہین دیگئی، اس بنا پر وہ نماز عشا کی جماعت مین شریک نہین ہوسکتے تھے، لیکن اُنھون نے گوارا نہین کیا کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کے اصول سے انحراف کرین، انھون نے حکومت سے اجازت چاہی اور جب اسپر بھی کوئی جواب نہین ملا تو انھون نے برملا اعلان کردیا کہ اداے فریضۂ الٰہی مین انسانون کے فرمان مانع نہین آسکتے، لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق، آہ! ہم مین سے کتنے ایسے ہین جو آزادی کے بستر سے بھی اُٹھکر خدا کے آگے سر نہین جھکاتے ہین اور ایک وہ عبادِ صالحین ہین جو قید و تنگی مین بھی مساجد الٰہی کی یاد فراموش نہین کرتے،

رانچی ایک ایسا مقام تھا جہان مسلمان نہایت ذلت و نکبت کی حالت مین تھے، جہالت اور باہمی مذہبی خانہ جنگی نے انکو گرد و پیش کے حالات سے ناواقف رکھا تھا، عیسائی مشنریون کا جال تار کی طرح پھیلا تھا، عالم دین کا اس خطہ مین وجود نہ تھا، مذہبی احساسات کی رُوح ان مین مُردہ تھی لیکن مولانا کے پرتو صحبت نے چندہی سال کے بعد وہان کی زمین و آسمان کو بدل دیا، اب ہم وہان اسلامی انجمن کا نام سنتے ہین، ایک مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد و تعمیر دیکھتے ہین، علماے مشاہیر کے مواعظِ حسنہ کا جلوہ وہان نظر آتا ہے، مذہب اور ملت کی رُوح کو اُنکے جسم و تن مین جنبش کرتے ہوئے پاتے ہین، اور وہان کے فقرا اور خاک نشینون مین اب یہ حوصلہ دیکھتے ہین کہ علم کا پہلا کعبہ اس دیار مین وہ خود اپنے زور بازو سے قائم کرکے رہین گے، جہان ایک عالم دین کا وجود نہ تھا، وہان اب کوششین ہورہی ہین کہ سیکڑون علماے دین اسی کی خاک سے پیدا ہوکر اس سرزمین کو منور کرین، جہان مسجدین بے چراغ تھین وہان ایک پرتو خورشید سے دیر و حرم سب اجالا ہوگیا، جمعہ اور عیدین کے مجامع

اس سرزمین مین جہان اسلام کی کوئی صحبت بھی بہم نہ تھی، وہان اب موکب شاہی کا دہوکا دیتے ہین،

زمانۂ قیام رانچی سے ایک سال تک جامع مسجد مین انھون نے مسلمانون کو قرآن مجید کا درس دیا

اب زیادہ تر اوقات تالیف و تصنیف مین بسر ہوتا ہے **ترجمان القرآن** یعنی قرآن مجید کا موثر تفسیری ترجمہ اسی زمانہ مین ختم ہوا، **البیان** تفسیر قرآن مین ایک جامع تصنیف کا سلسلہ ۲۳ پارون تک پہنچ چکا ہے، فقہ اسلامی پر بغیر فریقانہ تعصب کے صرف کتاب و سنت کو پیش نظر رکھکر متعدد رسائل الصلوٰۃ، الزکوٰۃ، الحج، النکاح ترتیب دیا، سوانح مجدد دین اسلام کا سلسلہ شروع کیا، اور اس مین علامۂ ابن تیمیہ، علامۂ ابن قیم، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے سوانح و مجتہدات قلمبند کئے، ایک اور رسالہ منطق اور بعض دوسرے عنوانات علمی پر تحریر کیا،

ان سطرون کے لکھتے وقت ہمکو یہ دہوکا ہو رہا ہے کہ کیا مین خود ابن تیمیہ اور ابن قیم یا شمس الائمہ سرخسی اور امیہ بن عبد العزیز اندلسی کے حالات تو نہین لکھ رہا ہون؟

محترم محمد علی و محترم شوکت علی[۱] ان دونون بہائیون کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف اخبار بین طبقہ کے سامنے ہے، جذبۂ ملت، اور اس راہ مین سرفروشی اور جانبازی اگر علماے کرام سے ظاہر ہو تو ہم کہین گے کہ انبیاے اولو العزم، اصحاب کبار، اور بزرگان دین کے کارنامے اُنکی آنکھون مین ہین، بچپن سے جوانی تک اپنی تعلیم و تربیت کا زمانہ علما اور صالحین کے آغوش مین بسر کیا، لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہین رہتی جب ہم وہی ولولۂ ملت پرستی، وہی ذوق و شوق خدمت دینی، وہی جذبۂ اخلاق نبوی ہم اُن مین بھی پاتے ہین، جنھون نے نہ صرف غیر علماء کے گودون مین تربیت پائی، بلکہ نامسلمانون کے دامنِ تربیت مین پل کر جوان ہوے، اور ہمیشہ اس تعلیم و تربیت کے زیر سایہ رہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانون کی قومی و مذہبی رُوح کے قتل کرنیکا مسموم آلہ ہے:

[۱] کیا "مسٹر" کی جگہ اس لفظ کو آپ رواج دینگے؟

دلی کی جامع شاہجہانی میں جمعہ کے دن اُنکے وداع عام کا منظر جن آنکھوں نے دیکھا ہے وہ اس کیف کو ابتک بھولے نہیں ہیں، چہند واڑہ ممالک متوسط کا وہ مقام تھا جہان آغاز تخلیق عالم سے ۱۹۱۴ء تک روحانی مناظر کا کوئی جلوہ فروغ چشم نہیں ہوا، نہ صرف اس چھوٹے سے ضلع میں بلکہ ممالک متوسط کے پورے احاطہ میں اسلام تن مردہ تھا، مسلمانوں میں بیکسی، بیچارگی اور موت تھی، لیکن ان دونون بھائیون کے ورود کے بعد نہ صرف چہند واڑہ بلکہ تمام احاطہ میں ایک روشنی میں جھلک اُٹھی ہے، ان دونون بھائیون کے نشۂ صحبت نے ننھے بچون سے لیکر ضعیف العمر بڈھون تک کو سرخوش بادۂ طہور بنادیا، اور جس بیباکی اور بہادری کے ساتھ وہ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں وہ اُنہیں کا حصہ ہے۔

محترم **محمد علی** کا زیادہ تر وقت کتابون اور رسالون کے مطالعہ میں صرف ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ قوت فنا نہیں ہوتی، اگر یہ سچ ہے تو وہ قوتِ نطق جسکے استعمال پر انکو قابو نہیں ہے، نغمات موزون کے شکل میں نکل رہے ہیں، اُنکی نظربندی سے پہلے شاید یہ کیسکو معلوم نہ تھا کہ وہ تمنز رحمانی کا بھی شرف اور سخن سنجی کا بھی جوہر رکھتے ہیں، انکے حبسیات میں ہمکو وہ لطف ملتا ہے جو **ابو فراس حمدانی** (برادر سیف الدولہ حمدانی ملک الشام) کے رومی حبسیات میں ہے،

محترم **شوکت علی** کا وہ زمانہ ہمکو یاد ہے جب سب سے پہلے ہم دونون کو مدراس ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریب سے ریلوے سفر نے اتفاق سے یکجا کر دیا تھا، کچھ دیر کی بات چیت کے بعد جب میں نے نماز کی تیاری کی تو فرمایا نماز پڑھنے کو میرا بھی جی چاہا کرتا ہے، لیکن دقت یہ ہے کہ وضو سے قمیص کے کف خراب ہو جاتے ہیں، پھر سفر میں ہیٹ لگانیکی وجہ بیان کی کہ اس عجیب وغریب شئے سے ریلوے دائرۂ حکومت میں رعب واستیلا خوب پیدا ہوتا ہے، لیکن وہی شوکت علی ہیں کہ خدام کعبہ کے بعد بمبئی میں حاجیون کے جہاز کے قلیون کے دھکے کہاتے پھرتے تھے، پانچ چھہ برس کے بعد دیکھا تو وہی خدام کعبہ کا سبز کوٹ جسمیں جابجا قدامت اور فرسودگی نے گل بوٹے کتر دیئے ہیں انکے جسم پر ہے، وہ کف اور کالر

جسکے ضایع ہوجانے کا خوف وضو سے مانع تہا، وہ اُنکے لئے اب حلقۂ زنجیر ہے، حضرت مصعب بن عمیر کا واقعہ مجھے یاد آیا کہ یہ وہ تھے جو اسلام سے پہلے حریر و اطلس کی پوشاک پہنتے تھے لیکن اسلام کے بعد اُنکے جسم مبارک پر صرف موٹے کمل کا ایک ٹکڑا تہا،

چند واڑہ مین مسلمانون کی آبادی بہت کم ہے اور جو ہے وہ مفلس ہے تاہم جس اسلام کے وہ پیرو ہین اسکا نام بڑا ہے، ان دونون بہائیون کی کوششون نے یہان ایک عظیم الشان جامع مسجد کی بنا ڈالی، جسکے نیم تعمیری حالت مین دیکہنے کی مجھے بھی عزت حاصل ہے، ان دونون بہائیون کو تصویر مسجد در بغل راستون اور گلیون مین غریب و مفلس مسلمانون کے ہاتھ مین ہاتھ ڈال کر چلنے کا منظر جن آنکھون نے دیکہا، اس بادہ سرشار کی مستی اب بھی ان مین باقی ہے، اس مسجد کا نام خدا جانے لوگ کیا رکہین گے مین تو اسکو شوکت الاسلام کہتا ہون،

مذہبی پابندی، عام اخلاقی محاسن، اور غربا کے ساتھ مساوات پسندی نے ان بہائیون کو محبوب القلوب بنا دیا ہے، مسلمان اور ہندو دونون ان سے محبت کرتے ہین، راستہ مین ایک طرف سے السلام علیکم کی آواز آتی ہے تو دوسری طرف سے بندے ماترم کا ترانہ سنائی دیتا ہے، حافظ ہوتے تو دیکہتے کہ انکا خیالی فلسفہ پانچ سو برس کے بعد عمل ہو گیا ہے ع باسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام، اُنکی مذہبی وارفتگی اور ایمان کی تصویر دیکھنا چاہو تو اُنکے سفینۂ تحریکی وہ چند سطرین پڑہو جو اپنی مشروط آزادی کے وقت حکومت کو لکھکر دی ہین یقیناً یہ طرۂ امتیاز اُنکے ناصیۂ محاسن پر ہمیشہ کے لئے یادگار رہجائیگا -

سید حسرت موہانی حقگوئی، استواری عمل، پابندی اصول، مطابقِ قول و فعل مین تمام ہندوستان کے نامور مسلمانون مین اس شخص کا کوئی حریف نہین، یہ صرف تخیل اور شاعرانہ مبالغہ نہین ہے بلکہ سنہ ۱۹۰۸ء سے لیکر اسوقت کے زمانہ کا لمحہ لمحہ اس دعوی کی دلیل ہے، حسرت وہ نہین ہے جو حریت فکر اور آزادی عمل کا غوغاے عام کی پرستش کی خاطر دم بھرتے ہین، اور جنکے جوش و خروش کے الفاظ محض چند گرم کے ڈائس

اور پنڈال مین تلاطم برپا کرکے رہ جاتے ہین، اور جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہین اسکو خوان سیاست کے لذیذ چٹخارے کے سوا کچھ اور نہین جانتے ہین، حسرت نے اسوقت مسلمانون مین آزادی کا مذہب اختیار کیا جب ہر طرف سیاسی بت پرستی کا رواج تھا، اور انتہا یہ ہے کہ نواب وقار الملک سے روشنضمیر نے اُنکے خلاف گواہی دی، پہلی قید (۱۹۰۸ء) مین اگر وہ معافی مانگ لیتے تو آزادی حاصل کرسکتے تھے، لیکن یقیناً اُنکے کیریکٹر کی روح جس نے اب حیات جاودانی حاصل کرلی ہے، اسیوقت مردہ ہوجاتی،

آگرہ کی لیگ مین (۱۹۱۲ء) جب سر راجہ صاحب محمودآباد، مسٹر مظہر الحق اور دیگر اکابر و علمائے قوم نے وئیسرائے کے شکریہ کا رزولیوشن پیش کیا ہے، اگرچہ بعض اصحاب دل سے اس تجویز کو بے محل سمجھتے تھے، لیکن جمہور اعظم ان بزرگون کے ساتھ تھا، آخری دفعہ جب یہ الفاظ کہے گئے کہ "رزولیوشن بالاتفاق منظور" تو ہزارون آدمیون کے مجمع مین ایک بھی نہ تھا جو اسکے خلاف سانس بھی لے سکا، ہر طرف اعتراف کی خاموشی تھی کہ دفعتہً ایک گوشہ سے استقلال سے بھری ہوئی ایک آواز نے خاموشی کا پردہ چاک کیا کہ "مین ہون جو اس تجویز کی مخالفت کرتا ہون" ہزارون آنکھین ایک ساتھ اُٹھین، دیکھا تو حسرت موہانی تھے،

غالباً ۱۹۱۰ء مین پہلی قید سے چھوٹکر یہ لکھنؤ آئے، تو سودیشی تحریک شباب پر تھی اور حسرت دل سے اُسکے حامی، جاڑے کا زمانہ تھا، رات کو اُنکے اوڑھنے کے لئے پائین مین کمل ڈالدیا گیا، کسی نے خیال بھی نہین کیا، لیکن آپ یہ سُن کر محو حیرت ہوجائین گے کہ رات بھر انھون نے سردی کھائی اور کمل اسلئے نہین اوڑھا کہ وہ ولایتی تھا، دن کے اصول کو رات کی تاریکی مین بھی یاد رکھنے والا حسرت کے سوا ہم مین کوئی اور ہے؟

مین یہ نہین کہتا کہ حسرت اپنے تمام اصول مین صحیح ہین اور اُنکے خیالات حرف بحرف درست ہین، لیکن مین یہ کہتا ہون کہ علی گڈھ کا گرئجویٹ جو بہتر سے بہتر قابلیت کا جوہر دکھا سکتا ہے، جو حکومت کے

ذمہ دارانہ خدمات کو بجا لاسکتا ہے، جو چند سال کی محنت مین عدالت مین بحیثیت قانون دان کے کھڑے ہونیکا استحقاق پیدا کرسکتا ہے، لیکن وہ علی گڈھ مین اس طرح زندگی گذارتا ہے کہ چند آنے گز سے زیادہ کا کپڑا اسکے جسم پر نہین، اور بیوی کے علاوہ اسکے گھر کا کوئی دوسرا خدمتگذار نہین، یہ کوئی معمولی بات ہے؟

دوسری قید مین حسرت نے اپنی قوت اخلاقی کا جو نمونہ پیش کیا وہ ہندوستان مین ہمالیہ کی چوٹیون کے سوا اور کہین نظر نہین آسکتا، وہ ہمارے دوسرے نظر بندون کی طرح صرف قوانین تحفظ ہند کے مطابق محدود الاختیار کئے گئے تھے، لیکن چونکہ وہ اس قانون کو حق وانصاف کے خلاف سمجھتے تھے اسلئے اسکی خلاف ورزی کی، اور دو برس کی قید برداشت کی، دوسرے نظر بندون کی طرح انکے لئے حکومت نے وظیفہ مقرر کرنا چاہا، لیکن اس بے نواغنی نے یہ کہکر انکار کیا کہ "سید کے لئے صدقہ جائز نہین،" جس وقت میرٹھ کے جیل سے باہر نکلے، سب سے پہلے اپنے کھانے کا حساب اپنی جیب سے زبردستی ادا کیا، آزادی کے بعد حکومت نے انکو معتد بہ رقم دینی چاہی (جیسا کہ مجھکو ایک خط سے معلوم ہوا) لیکن حسرت نے ان ہتھیلیون کو راستہ کا پتھر سمجھا حالانکہ اسی اثناے قید مین انکی دوکان سے ایک ہزار روپیہ کا مال چوری جاچکا تھا، اور سب کو معلوم ہے کہ حسرت اسکو بآسانی ادا نہین کرسکتے تھے، انتہا یہ ہے کہ اگر دوستون نے بھی اعانت کا بار اپنے سر لینا چاہا تو شکریہ کے ساتھ واپس کردیا،

سید حسرت نے سب سے زیادہ قید کی مصیبتین اور زمانہ کی تکلیفین برداشت کی ہین، لیکن استحکام، استقلال اور قوت صبر کا نمونہ بھی اُنکے مرقع حیات سے کہین اور زیادہ خوشنما نظر نہین آتا، علی گڈھ، للت پور، جھانسی، الہ آباد، پرتاب گڈھ، فیض آباد، لکھنؤ، اور میرٹھ کے قیدخانون مین قید کی شدید مصیبت برداشت کی، لیکن کبھی اُنکے جبین استقلال پر بل نہین آیا،

ادب اردو جسکے عناصر مین سے ایک حسرت کی ذات ہے، ان قیدخانون مین بھی وہ اسکی ترقی سے غافل نہین رہے، سید حسرت کے کلام کی زیادہ مقدار ایسی ہے جو فضاے بسیط، کنارِ جو، صحنِ باغ، دامنِ راغ کے

بجاے قید خانہ کے تنگ و تار حجرون مین موزون ہوئے ہین، سچ کہا ہے،

ہے مشق سخن جاری، چکی کی مشقت بھی کیا طرفہ طبیعت ہے حسرت کی طبیعت بھی

غزلون کے دیوان کے علاوہ سید حسرت نے دو سال کی تنہائی مین جس چیز کو اپنا رفیق غمگسار بنایا وہ انکی تصنیف نکاتِ سخن ہے، اسکا موضوع "عیوب و محاسن شاعری" ہے، امید ہے کہ تذکرۃ الشعراء کے ساتھ ساتھ یہ لطیف تصنیف پبلک کے ہاتھون مین آئیگی، سید حسرت نے تالیف و تصنیف کے علاوہ دوسری زبانون پر بھی توجہ کی، مشترک ہندوستان کی بہبود کی خاطر انھون نے ہندی بھاشا پوری طور پر سیکھ لی، ترکی زبان مین کچھ کچھ مہارت حاصل کی، عربی زبان جس سے وہ پہلے بھی کسیقدر آشنا تھے، حالتِ قید مین قرآن مجید، اور دیگر عربی کتب و رسائل کے مطالعہ سے اسمین بھی خاطرخواہ ترقی کی، سید حسرت اپنے ایک مکتوب مین کس حسرت سے لکھتے ہین،

مجھکو اس بات کا ہمیشہ افسوس رہتا ہے کہ جو عمر مین نے انگریزی تعلیم کی تکمیل مین ضایع کی اُسے تکمیل عربی مین صرف ہونا چاہیئے تھا۔

مولوی محی الدین احمد بی۔ اے یہ شخص گو گمنام ہے لیکن الحمد للہ کہ اس نے جو کام کیا وہ گمنام نہین ہو سکتا، قصور (ضلع لاہور) وطن ہے، کلکتہ کے کم عمر روزانہ اخبار اقدام کا ایڈیٹر تھا، اپنی نظربندی کا زمانہ دھسو یہ نام ایک گاؤن مین بسر کیا، یہ پہلے عربی زبان سے بہت کم واقف تھے، حالت نظربندی مین ایک طرف تو قرآن مجید پورا حفظ کر لیا، دوسری طرف عربی زبان اس حدتک حاصل کر لی کہ اب رہائی کے بعد اپنے وطن مین قرآن پاک کے درس و تعلیم کیلئے ایک درسگاہ کی بنا ڈالنے کا عزم ہے،

مسٹر تلک جب ایک قید سے آزاد ہوے تھے تو انھون نے ہندؤون کی قدامت پر ایک کتاب لکھکر ملک مین اپنی علم پرستی کا غلغلہ پیدا کر دیا تھا، لیکن بغور دیکھو کہ ہمارے نظربندون مین سے ایک نے بھی اس راہ مین تلک سے کم کام کیا، ہے بلکہ دلپذیر محبت کے واقعات حسرت کچھ کچھ وہ اب بھی یاد مجھے ہین جو سب ہین

تقویتِ دماغ

ہر عمر کا آدمی ذہنی ترقی کر سکتا ہے

از مفتی محمد رشید الدین صاحب صدیقی بی۔ اے ال ال بی حیدرآباد دکن

۱۔ ہم مین سے بہت کم لوگ دماغ کے شبکات[۱] کو انکے انتہائی نشو و نما تک پہنچاتے ہین، فی الحقیقت ہمین اندازہ ہی نہین ہے کہ ہم اپنے دماغی قوت کو کس حد تک ترقی دے سکتے ہین،

۲۔ متوسط درجہ کا انسان اپنی دماغی قوت سے جسقدر فائدہ اُٹھاتا ہے وہ عموماً اسکی حقیقی قابلیت و استعداد کی بہ نسبت بہت کم ہوا کرتا ہے، اذکیا[۲] اور اعلیٰ درجہ کی دماغی قابلیت رکھنے والے اشخاص اس سبب سے ممتاز نہین ہوتے کہ انکا دماغی مادّہ معمولی انسان کے دماغی مادہ سے مختلف ہوتا ہے، بلکہ بعض انفرادی خصوصیات کی وجہ سے جو انہین مجبور کرتی ہین یا اس قابل بناتی ہین کہ اپنے دماغون سے کام لینے کی مداومت کرین،

۳۔ یہ سچ ہے کہ ان مین پیدائش ہی سے خیالی تسلسل افکار قائم کرنے، خیالات کی تلاش و جستجو رکھنے، اور ذہن سے ہمیشہ کام لیتے رہنے کی طرف رجحانات[۳] ہوا کرتے ہین، لیکن وہی مواد جن سے وہ کام لیتے ہین وہ اور تمام معمولی اشخاص مین بھی موجود ہوتے ہین، فرق یہ ہے کہ نہایت ذی استعداد اشخاص مین یہ رجحانات فطرةً موجود ہوتے ہین، لیکن معمولی شخص مین ان رجحانات کو پرورش کرنے اور بیدار و آمادہ بنانیکی ضرورت ہوتی ہے، حتیٰ کہ خیال کے لئے نئے نئے راستے[۴] تیار ہوجائین، اذکیا مین خیال کے لئے یہ تمام

---

[۱] "Cells" اردو مین دو اور لفظ اسی معنی مین استعمال کئے گئے ہین، "بیوت" اور "خلیہ" لیکن میرے نزدیک "شبکات" زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے، اصول وضع اصطلاحات پر بشرط فرصت ایک جداگانہ مضمون لکھونگا، [۲] geniuses

[۳] "tendencies" [۴] "channels"

راستے غالباً شروع ہی سے کھلے ہوئے ہوتے ہین،

۴- دماغی ورزش کے طریقے ان طریقون سے مشابہ ہین جو کسرت کرنے والے سینے اور عضلات کی نشو و نما کے لئے کام مین لاتے ہین، دونون صورتون مین مضمر و مخفی طاقت کو ترقی اور تقویت دیجاتی ہے کسرت کرنے والے مناسب طرز بود و باش اور باقاعدہ ورزش جسمانی سے خود کو متحمل اور طاقتور بنا لیتے ہین، اگر عضلات کا کوئی مجموعہ ضعیف ہوتا ہے یا قوت ارادی کی متابعت سے قاصر ہوتا ہے تو اس سے محنت لیجاتی ہے، حتیٰ کہ وہ ارادہ کا محکوم ہو جاتا ہے، یہی حال شبکات دماغ کا ہے،

۵- مثل دیگر حصص جسمانی کے دماغ مین بھی مخفی طاقتین محفوظ ہوتی ہین، جب کوئی وکیل کثرت کار سے تھک جاتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شبکات وکالت کے عمل کو ملتوی کرکے دیگر شبکات دماغ کو برسرکار نہین لا سکتا، حالانکہ ایسے دیگر شبکات بھی اسکے دماغ مین موجود ہوتے ہین جو اگرچہ سست اور معطل پڑے ہوئے ہون، لیکن با این ہمہ یہ صلاحیت رکھتے ہین کہ اسکے سامنے مفید و جدید خیالات کو پیش کرین،

۶- بڑے بڑے کارگذار اشخاص کی کامیابی اس بات پر موقوف ہوتی ہے کہ وہ علم ادب حب انسانی، ایجاد، تفریح، مصوری، موسیقی وغیرہ مختلف مشاغل پر حکومت کرنے والے مراکز دماغ[1] کو برسرکار لا سکتے ہین، ایسا کرنے سے شبکات دماغ کے ہر مجموعہ کو باری باری سے فرصت ملتی رہتی ہے کہ تازہ دم ہو کر پھر اپنی روزانہ خدمت کی انجام دہی مین بحسن و خوبی مصروف ہو جاے، جو صاحب صحت اور مستعد بنا رہنا چاہتے ہون انکو چاہیئے کہ اپنے پیشے یا معمولی کاروبار کے علاوہ کوئی ایسا مشغلہ بھی رکھین جسمین انکا دل بہل سکے، بہ الفاظ دیگر ذہن انسانی کے لئے اوقات کارگذاری و اوقات آرام دونون کا ہونا ضروری ہے، لیکن آرام سے نیند لینا، "غیر مفید تماشے دیکھنا" یا ایسی جگہ جا کر وقت گذارنا جہان باتین

---

[1] "Brain centers"

خوب کھاتی ہون، مگر غور و فکر سے دُور رہا جاتا ہو، مراد نہین ہے،

۷- کوئی شخص اسقدر معمر کبھی نہین ہوتا کہ جدید تفکرات اور قیمتی تخیلات کو ترقی اور وسعت دینے کے قابل نہ رہے، جملہ دیگر حصص و اعضا کی انتہائی ترقی کے بعد بھی دماغ مین ترقی پذیر ہونے کی گنجائش باقی رہتی ہے، اور وہ ان سببسے اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ جب تک اس سے ورزش لیجائے اُسمین بڑہنے کی قابلیت موجود رہتی ہے، اور ہر عمر کو پہنچنے سے پہلے بعض دماغی شبکات مین اعلیٰ درجہ کی ترقی قبول کرنیکی صلاحیت ہی نہین ہوتی، دماغ انسانی کے خستہ و شکستہ حال ہوجانیکا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ اُسکے شبکات کا کوئی ایک مجموعہ تو کثرت استعمال سے ناکارہ ہوجاتا ہے اور بہت سے دیگر مجموعے غفلت و عدم استعمال سے مختل و معطّل ہوجاتے ہین، بعض شبکات دماغ بشریت کا انکشاف کرتے ہین اور بعض عالم موجودات کی خوبیون کا اظہار، بعض ہمکو اپنے ماحول[1] کی غیر متناہی طاقتون کا دفعتہً یقین دلا سکتے ہین، بعض ہمکو بڑے بڑے امور کی نسبت خواب دیکھنے مین لگا سکتے ہین، اور اس قابل بنا سکتے ہین کہ ان خوابون کو سچا کر دکھائین،

۹- ہمارے اندر عجیب و غریب طاقتین مخفی ہین اور ہم اُنسے غافل ہین، یہ ارادہ کہ ہم زندگی مین کچھ کام کرین گے، ایک زبردست قوت ہے بشرطیکہ یہ حقیقت ہم پر منکشف ہوجائے، باوجودیکہ آدمی نے اپنی بعض ذہنی قوتون کو ایک حد تک ضایع کیا ہو اور بعض دیگر ذہنی قوتون کی جانب سے غفلت برتی ہو، تاہم تلافیٔ مافات و ترقی ممکن ہے،

۱۰- جب تمہین کسی بات مین دلچسپی ہوتی ہے تو اسکے یہ معنی ہین کہ کسی غیر مستعمل دماغی راستہ کی کوئی شاخ ہے، جسمین سے ہوکر دماغی شبکات کے کسی ایسے مجموعہ کو راستہ جاتا ہے جو تمہین ایک نئی زندگی عطا کرسکتا ہے، ایسے وقت مین فوراً مشغول و منہمک ہوجانا چاہیئے، اِسلئے کہ اس سے زیادہ مبارک

---

[1] "Environment"

موقع بمشکل ہاتھ آسکتا ہے،

۱۱ - فرض کرو کہ تم کوئی کتاب دیکھنے کے لئے اٹھاتے ہو جسکا مضمون تمہارے لئے نیا ہے اور اور یقین اسمین دلچسپی پیدا ہونے لگتی ہے، اگر ایسا ہے تو تم اس مضمون کے اصول کا مطالعہ شروع کرو، جو لوگ اس مضمون کے عالم ہون انسے بات چیت کرو، اور بعد ازان اس پر حاوی ہوجانیکی کوشش مین مصروف ہوجاؤ،

۱۲ - اگر مضمون ایسا ہے جو تمہارے معمولی کام سے مطلق کوئی علاقہ نہین رکہتا تو اور بھی بہتر ہے، نیز اس بات سے کہ وہ تمہاری دلچسپی کا باعث ہوتا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے دماغی شبکات کا ایک مجموعہ کام مین لگا دیئے جانیکا منتظر ہے، ممکن ہے کہ یہ بات کسی جدید اور عجیب قابلیت کے نشو و نما اور ظہور کا وسیلہ ثابت ہو، اور یہی بات بعض لوگون کے حق مین شہرت اور دولت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے،

اس دماغ کی شکل جس سے ورزش نہین لی گئی

سفید دائرے ان شبکات کو دکھلاتے ہین جو روزمرہ کی زندگی مین برسرکار رہتے ہین، سیاہ دائرے ان شبکات کو بتلاتے ہین، جنکے واسطے سے ان شبکات مین جو روزانہ معمولی کاروبار مین مشغول رہتے ہین، اور ان شبکات مین جن سے اعلیٰ درجہ کی ذہنی قابلیت متعلق ہے، رابطہ و تسلسل قائم رہنا چاہیئے، لیکن یہ درمیانی شبکات کافی اور ضروری ورزش سے محروم رکھے گئے ہین، لہذا سفید دائرون کا رابطہ انکے توسط سے مخطط دائرون کے ساتھ قائم نہین ہے، حالانکہ اعلیٰ خیالات اور اعمال انہین مخطط دائرون کے تابع ہین، تقویت دماغ کا جو اصول مضمون ہذا مین بتایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جملہ دماغی شبکات کو یعنی سفید، سیاہ اور مخطط تینون قسم کے دائرون کو آپس مین نالیون یا راستون کے ذریعہ سے مربوط کردیا جائے، جسکا عملی طریقہ یہ ہے کہ انسان مختلف اقسام کے

مشاغل مین اپنا وقت صرف کرے، اور کسی ایک ہی شغلہ کا نہ ہو رہے، تاکہ جملہ شبکات دماغی کو باری باری سے آرام اور کارگذاری کا موقع ملے، اور ان سب مین باہمی ربط و تسلسل قائم ہو جائے، ایسا نہ ہونے پائے کہ کوئی ایک مجموعۂ شبکات کثرت کار سے ناکارہ ہو جائے اور باقی مجموعے مختل اور معطل پڑے رہین،

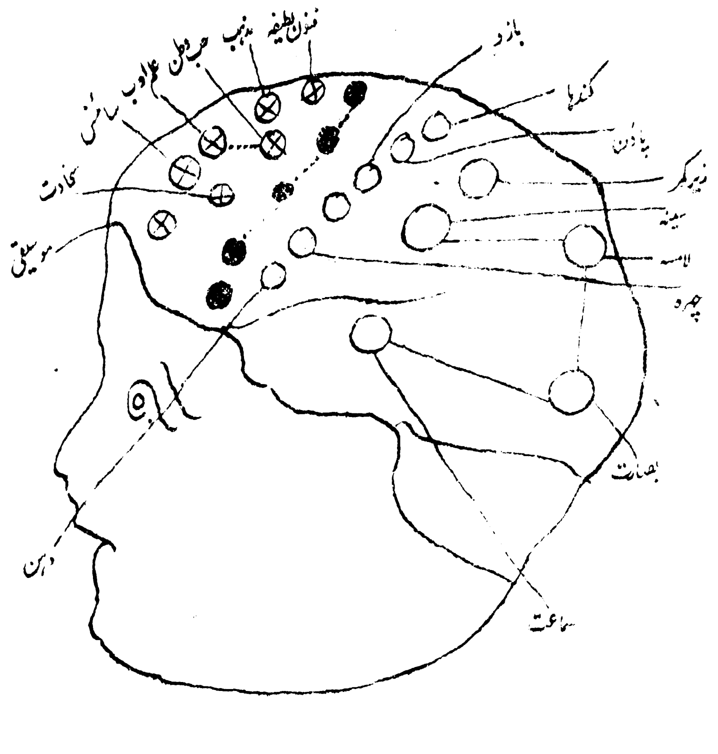

۱۳- دماغی شبکات کے تمام مجھے راستون یا نالیون کے ذریعہ سے باہم ملے ہوے ہین لیکن جب تک نالیون کو کاٹ چھانٹ کر کھول نہ دیا جائے انکو برسرکار نہین لایا جاسکتا، یہ نالیان مادۂ دماغی کی کل سطح پر پھیلی ہوئی ہین، ایک دوسرے سے ملائی جاسکتی ہین، قوت فراہم کرنے کے لئے انکو بند کیا جاسکتا ہے، اور پھر کھولا جاسکتا ہے، تاکہ فراہم شدہ قوت انسان کی عظمت اور خدا کی قدرت کے اظہار مین صرف ہو،

۱۴- دماغی ورزش اور نشو و نما سے کیا مراد ہے؟ اسکی ایک مثال درج ذیل ہے،

فرض کرو کہ تمہین زباندانی کا کیسقدر شوق ہے، یہ رغبت اس نالی کو کھول دیتی ہے، جو دماغی شبکات کے اس مجموعہ کی طرف جاتی ہے جو زباندانی پر حکمرانی کرتا ہے، اور تمہاری باتون مین دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے، خواہ تم سیاست پر گفتگو کرو یا تعلیمات پر، تم اپنے مخاطب یا سامع کو محو بنا دیتے ہو، مناسب الفاظ اور نئے خیالات بے تکلف تمہاری زبان پر آنے لگتے ہین، اور یہ دماغی نالی کو اور زیادہ گہرا بنا دیتے ہین، یہانتک کہ تمہین علم ادب کے ساتھ مناسبت پیدا ہوجاتی ہے، اور یہ مناسبت حوصلۂ تصنیف و تالیف مین ہیجان پیدا کردیتی ہے،

۱۵- اسی طرح ممکن ہے کہ تمہاری رغبت کسی اور نالی یا راستے کو کھول دے، مثلاً اس نالی کو جو اس مجموعۂ شبکات کو جاتی ہے جسمین قوت متصورہ مضمر و مخفی ہے، اب تمہین ایسے مناظر دکھائی دینے لگتے ہین جو کسی کند آدمی کی حد نظر سے باہر ہین، اور ذہن مین ایجادات وارد ہونے لگتے ہین،

۱۶- فرض کرو کہ کوئی شخص عرصہ سے بڑے بڑے ملکی معاملات کی فکرون مین پھنسا ہوا ہے، اگرچہ ذہنی تاریکی سے اس پار اسکی نظر نہین پہنچتی، لیکن اُسکا خیال یہ ہے کہ اگر ذہنی گھٹاؤن کے اس پار تک میری رسائی ہوجاے تو مین بہت کچھ کامیابی حاصل کرسکتا ہون، گویا کسی نالی مین سے جو کسی دماغی مقام کو گئی ہے، خیالات کی تراوش ہوتی رہتی ہے، اس نالی کو کھول دینے کے لئے دو باتون کی ضرورت ہے توجہ یا یکسوئی، اور یہ علم کہ اُسکو مخفی وہم نہین ہوگیا ہے بلکہ مفید قوت کی حقیقی جد و جہد کا احساس ہورہا ہے

۱۷- ایسا شخص اپنے معمولی کاروبار سے علٰحدگی اختیار کرے، دیہات مین پیدل سیر کرے، صاف ہوا سے بخوبی لطف اندوز ہو، اور اپنی اسی دھن مین لگا رہے، بعد ازان اس عنوان پر کتابون مین جو کچھ لکھا گیا ہو اُسے مطالعہ کرے، دفعتہً اسکی ذہنی تاریکی رفع ہوجائیگی، اور جس بات کی اُسے تلاش تھی وہ خود بخود اُسکے ذہن مین وارد ہوجائیگی،

۱۸۔ پیش آنی والی مشکلات کے اعتبار سے دماغی ورزش وتربیت جسمانی ورزش سے مشابہ ہے ابتداءً تکلیف اور پست ہمتی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اُن بندھون کو توڑ ڈالنا جو اکثر خیال کی نالیون کے دہانون پر پائے جاتے ہین، محنت طلب کام ہے، لیکن جون ہی کہ یہ کام شروع ہوجاتا ہے، خیال کی ان نالیون کو کھودنا اور گہرا بنانا سہل اور دل خوش کن ثابت ہونے لگتا ہے،

۱۹۔ خیال کی نالیون کو ہمیشہ گہرا کرتے رہنا ان عادات مین سے ہے، جن پر انسان کی بزرگی کا دارومدار ہے، دماغی ترقی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بعض منتظر دماغی شبکات کو بعض دیگر شبکات سے پیوستہ کرنیکی کوشش روزانہ جاری رکھی جائے جیسا کہ جملہ عادات کا دستور ہے، یہ عادت بھی رفتہ رفتہ مستحکم ہوجاتی ہے اور جڑ پکڑ لیتی ہے، اور دماغی نشو ونما مین نہایت قابل قدر امداد دیتی ہے،

اعلان

چونکہ اب رسالہ ہر مہینہ کی ۱۰ تاریخ کو شایع ہوجاتا ہے اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تک دفتر مین بھیجدینی چاہئے۔ بعض لوگ کئی کئی مہینون کے بعد بیدار ہوتے ہین، اور اپنی غفلت کا خمیازہ چاہتے ہین کہ دفتر اٹھائے،

منیجر

ابن یمین
اور
اُنکی شاعری

(۲)

از مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دار المصنفین

طمع و ہوس | حرص، طمع اور دنیا پرستی کی مذمت اخلاقی شاعری کے عام عنوانات ہین جنپر اکثر شعرا نے طبع آزمائیان کی ہین، ان چیزون کی حقیقت پوچھو تو مختصر لفظون مین یہ ہے کہ قدر کفاف سے زیادہ کی طلب حرص، طمع اور دنیا پرستی ہے، یہ جذبات اسوقت پیدا ہوتے ہین جب انسان کو اپنی ضرورت و خواہش پر قابو نہین ہوتا، اور وہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش کے آگے بھی مجبور محض ہو جاتا ہے، غور کرو تو صاف نظر آئیگا کہ ہمارے اکثر مطلوبات محض طمع و حرص ہی کا نتیجہ ہین، جس انسان کی قوتِ ضبط و قناعت جسقدر کمزور ہوتی ہے اسی تناسب سے طمع اور دنیا پرستی کے شعلے اُسکے آتشکدۂ حرص مین بھڑکتے ہین، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسانی خواہشات کا دائرہ اسقدر وسیع ہے کہ اسکے آگے گنج قارون کی حقیقت بھی ایک نقطہ سے زیادہ نہین، اس بنا پر اس کشمکش سے نجات پانیکی بہترین صورت یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشون مین اعتدال پیدا کرے،

ہمارے اخلاقی شعرا نے انسانی طمع و ہوس کے شعلون پر پانی ڈالنے کی مختلف تدبیرین اختیار کی ہین، حرص کی بُرائی، طمع کی مذمت، اور دنیا پرستی پر ملامت یہ سب اسی سلسلہ کی کڑیان ہین ابن یمین کہتے ہین،

در جہان پوشش و خور دست کران نیست گزیر　　زین فزون خواستنت عمر بغم کاستن است

چہ نشینی بہوس ما یصفت بر سر گنج
از سر جملہ سرانجام چو برخاستن است

اے دل نصیحتے بشنو تا برون بری
گوئے مراد از خم چوگان روزگار

خواری مکش ز حرص چو مرغان خانگی
سیمرغ وار عزّ قناعت کن اختیار

طبع انسانی برد مقصور شد
کو ز دنیا می نخواہد گشت سیر

کے توان کردن سبوئے پُرز آب
کانچہ از بالا در آمد شد نہ زیر

تشنہ می باش و از خضر مپذیر
منّتِ آب چشمۂ حیوان

لیکن اگر اسی قدر پر اکتفا کیا جائے تو یہ غلطی ہے، کیونکہ انسان کی ہر ضرورت طمع و حرص کا نتیجہ نہین ہوتی، پس وہ محض قناعت اور ترک آذوقہ طلبی پر تا دیر قائم نہین رہ سکتا، اسلئے بہترین مفید ترین طریقہ یہ ہے کہ ایک طرف ضرورت سے زیادہ کی طلب بُری ٹھرائی جائے، اور دوسری طرف حصول معاش کے لئے سعی وجہد کی تعلیم دیجائے، کیونکہ اسکے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے، اور نظام عالم قائم نہین رہ سکتا، ابن یمین کی تعلیم اور انکی عملی زندگی کے نتائج بالکل اسی اصول کے مطابق ہین چنانچہ کہتے ہین،

گفتند چو رزق ہست مقسوم
زحمت چہ کشی ز بہر جستن

گفتم کہ بلے، ولے ازین پیش
گشت است حوالتے معین

روزی یکے بمصر و شام است
وان ہمدگرے بروم وارمن

از بندہ ببین تو این تکا پوے
کاین حکم خدائے راند بر من

تواضع ہماری اخلاقی شاعری مین تواضع کا مضمون بہت عام ہے، اور تمام شعراء نے اسکو دل کھول کے

بیان کیا ہے، آجکل کی نئی دنیا معترض ہے کہ اسی اخلاقی تعلیم کا نتیجہ قوم کا موجودہ ضعف، بزدلی اور ذلت پسندی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض بالکل نافہمی پر مبنی ہے،

بے شبہہ تواضع، عجز، انکسار اور خاکساری یہ چیزین ایسی ہین جو حد اعتدال سے بڑھکر عام بزدلی اور ضعف اخلاقی بنجاتی ہین، لیکن ہمارے شعرار نے جہان تواضع کی تعلیم دی ہے، وہان اسکا موقع و محل بھی بتا دیا ہے، ہر موقع پر اور ہر شخص کے ساتھ تواضع داخل اخلاق نہین، ابن یمین نے اس نکتہ کو مختلف پہلوے بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہین کہ تواضع انسان کو اسکے رتبہ سے فروتر نہین بلکہ بلند تر کر دیتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ اراذل نہین بلکہ شرفا کے ساتھ برتا جائے،

کسے کو طریقِ تواضع رود	کند بر سر بیشترف سلطنت
ولیکن محلّش بدان و مکن	ملک سیرتی در گہ شیطنت
تواضع بود با بزرگان ادب	بود با فرومائگان مسکنت
	(ذلت)

با بزرگانِ رہ تواضع گیر	با فرومائگان تکبّر کن

دوسری جگہ کہتے ہین کہ چار چیزین یعنی مفسد کے ساتھ سخاوت، احمق سے محبت، نادان کے ساتھ تواضع، اور دانا سے تکبر داخل حماقت ہے، تواضع کے اس نکتہ کو جس طرح ابن یمین نے لکھا ہے، شاید بہت کم لوگون نے لکھا،

بود چار چیز از کمالِ حماقت	مکن ہیچ یک زان زینہا تصوّر
بمفسد سخاوت باحمق محبت	بنادان تواضع بدانا تکبر

حلم | حلم کی تعلیم پر بھی بعینہ یہی اعتراض کیا جاتا ہے، لیکن یہ اعتراض بھی محض غلط فہمی کی بنا پر ہے، وہ یہ کہ لوگ ان اشعار کے مخاطب کو نہین جانتے، اصل یہ ہے کہ ان اشعار کے مخاطب عوام نہین بلکہ وہ

مطلق العنان امراء و رؤسا تھے جنکی تنک مزاجیان حاشیہ نشینان دولت کے لئے برق خرمن تھین، اور ذرا ذراسی بات پر کتنے جسم بے رُوح اور کتنے قالب بیجان ہوجاتے تھے، ایسے خودسر اشخاص کے آتش غضب کو ٹھنڈا کرنیکے لئے عفو، حلم اور درگذر کی تعلیم سے بہتر اور کونسی تعلیم ہوسکتی تھی، ابن یمین کہتے ہین،

باتو گویم کہ چیست غایت حلم — ہرکہ زہرت دہد شکر بخشش
کم مباش از درخت سایہ فگن — ہرکہ سنگت زند ثمر بخشش
ہرکہ بخراشدت جگر بجفا — ہمچو کان کریم زر بخشش
از صدف یادگیر نکتۂ حلم — آنکہ بُرّد سرت گہر بخشش

ظاہر و باطن کی یکرنگی

ای شدہ ظاہر پرست باطنت آباد کن — خرقۂ پاکت چہ سود گر بدنت پاک نیست
گر بفلک برکشی دامنِ نعت چو مہر — نیست صفا گر ز صدق جیب دلت پاک نیست

مکارم اخلاق

دلا مکارم اخلاق گر ہمی خواہی — دو کار پیشہ کن اینک مکارم اخلاق
مشو مخالفِ حکم خدای عز و جل — بکوش تا بود اندر میان خلق وفاق

بلاغت دیکھو کہ دو مصرعون مین انسانی زندگی کی پوری داستان سعادت کہہ گئے،

وقت کی قدر و قیمت

انسان کی کامیابی کا معیار اُسکے اعمال ہین، اسلئے وقت کا ایک ایک لمحہ جسقدر گران قیمت ہے اسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، ابن یمین وقت کی اہمیت ثابت کرنیکے لئے اُسکو بار بار اور سو سو طرح سے بیان کرتے ہین، اُنکا تمامتر زور سخن اسپر صرف ہوتا ہے کہ ماضی کے غم اور مستقبل کی بیہودہ فکر مین حال کو ہاتھ سے نہ جانے دو، تمھارے پاس یہی خزانہ اور یہی ایک خزانہ ہے۔

گر خرد یار تست ابن یمین — ہر طرف نہ بنائے کارت را
جہد کن تا بنا خوشی ندہی — خوشی روز و روزگارت را

وقت را مغتنم شمر کامسال — می نیابی نشاط پارت را

گر تو خواہی کہ برخوری از عمر — خلق را غیر ازین تمنا نیست

نقد امروز را ز دست مدہ — دی گذشت و امید فردا نیست

غم ناآمدہ خوردن نبود شیوۂ عقل — وانچہ بگذشت ازان ہم نکند عاقل یاد

وقت را دان کہ درانی و غنیمت شمرش — زانکہ از پیش تو آن ہم گذرانست چو باد

گر بدین نکتہ کہ گفت ابن یمین کار کنی — نگذرد بر تو زمانی کہ نباشی دلشاد

نقد امروز مدہ نسیۂ فرداستان — کہ یقین را ندہد مردم فرزانہ بشک

آزادی و بے نیازی آزادی و بے نیازی کو اخلاق سے جتنا گہرا تعلق ہے، اس سے کون ناواقف ہے انسان کی عزت و وقار، اثر و اقتدار کا تمامتر دار و مدار اسکی آزادہ وشی اور بے نیازی پر ہے، ابن یمین کہتے ہین،

پادشاہی نزد اہل معرفت آزادگی ست — ہر کہ بند آز را بگشاد از دل پادشاست

گرد خاک آستان کلبۂ آزادگی — گر خرد دارد کسے چشم خرد را توتیاست

خودداری و سعی عمل انسان کی ذلت کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ خوددار اور ساعی عمل نہین، ابن یمین ان اشخاص کو مخاطب کر کے کہتے ہین،

رزق مقسوم و وقت معلوم است — ساعتے پیش و لحظۂ پس نیست

بقدم کوش تا بکام رسی — مرد واماندہ کاروان رس نیست

ہم ز خود جوے ہر چہ می جوئی ۔۔۔ کہ بغیر از تو در جہان کس نیست

اپنی ہر تمنا اور مراد صرف اپنی محنت و سعی سے طلب کرنا چاہیئے کہ اسی کا نام حقیقی شیوۂ خودداری ہے،

از خود طلب مراد دل اے دل کہ غیر تو ۔۔۔ در خانۂ ہیچ خانہ خداے پدید نیست

ابن یمین کرم مطلب در جہان کہ آن ۔۔۔ عنقاے مغربی ست کہ جاے پدید نیست

لیکن یہی خودداری جب اعتدال سے بڑھجاتی ہے تو کبر و خود پسندی ہوجاتی ہے جو انسان کی تصویر اخلاق کا سب سے بُرا اور کریہہ منظر ہے، اسلئے ایک قطعہ مین یہ بھی بتا دیا کہ عزت نفس اور خودداری کیا ہے، اور خود پسندی و حماقت کی حقیقت کیا ہے؟

مرد باید کہ ہر کجا باشد ۔۔۔ عزتِ خویشتن نگہ دارد

خود پسندی و ابلہی نکند ۔۔۔ ہر چہ کبر و منی است بگذارد

بطریقے رود کہ مردم را ۔۔۔ سر موے ز خود نیازارد

ہمہ کس را ز خویش بہ داند ۔۔۔ ہیچکس را حقیر نشمارد

ہمت عالی ۔ میدان جنگ مین دشمن کی بڑھتی ہوئی صفین اُلٹ دینے سے زیادہ اپنی حاجت و ضرورت پر فتحیاب ہونا قوی ترین ہمت ہے، نفس خبیث کی حاجت براری کے لیئے دوسرون کے آگے اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرنا انتہا درجہ کی بے ہمتی و نامردی ہے، آزادی و خودداری کے سلسلہ مین یہ سب سے زیادہ ضروری کڑی تھی، ابن یمین لکھتے ہین،

چو خاک پای پشیمان شوی ز آتش حرص ۔۔۔ شود بباد ہمہ آبرو چون نشود

غلام خاطر آنم کہ ہمت عالیش ۔۔۔ (اور کچھ حاصل نہین) رہین منت ابناے دہر دون نشود

ایک اور قطعہ مین کمال بلاغت کے ساتھ اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہین،

بر ہر چہ کردگار تراداد صبر کن ۔۔۔ تا بیش ازان جزات دہد کردگار تو

ہمت بلند دار کہ پیشِ خدا و خلق . باشد بقدر ہمتِ تو اعتبار تو

قول وعمل انسان کی عزت واحترام کی بنیاد اُسکے قول وعمل کے توافق واتحاد پر ہے، جس شخص کی زبان ودل مین موافقت نہین وہ ہمیشہ اور ہر جگہ ذلیل اور اپنی تمناؤن مین نامراد رہتا ہے، جب ایسے اشخاص کی کثرت کسی قوم مین ہوتی ہے تو ناکامی ونامرادی اس قوم کا طغرائے امتیاز بنجاتی ہے، آج مسلمانون کو اپنے ہر ارادہ مین ناکامی اور ہر سعی وجہد مین نامرادی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ عام مجالس ومجامع مین اُنکے منتخب ورہنما اشخاص جو کچھ کہتے ہین وہ الفاظ اور جملے انکے حلق سے نیچے نہین اُترتے، بلکہ منھ سے نکل کر فضاے عالم مین منتشر اور فنا ہوجاتے ہین ہمارے اخلاقی ناصح **ابن یمین** اس عیب سے محفوظ رہنے کے لئے کہتے ہین،

ہر چہ گوئی بکن، وگرنہ مگو . تا بود از تو دور عیب دعوار

عیب، دانی کہ از کجا خیزد . زانکہ بیرون نباشد این دو کار

دوسری جگہ کہتے ہین اور کسقدر سچ کہتے ہین کہ جو کام کرنیکا ہے محض کہنے سے پورا نہین ہوسکتا،

درعمل کوش وترک قول بگیر . کار کردہ نمی شود بسخن

اعتدال کی تعلیم یون تو اخلاقی تعلیم کا ایک ایک عنوان مفید ہے لیکن انسان کے مدارج زندگی مین جسقدر کارآمد میانہ روی کی تعلیم ہے، غالبًا اسکے برابر کسی اور کا درجہ نہین، جب انسان مین میانہ روی نہین ہوتی تو وہ اپنی بے اعتدالی کے ہاتھون بہت جلد بلندی سے پستی، عزت سے ذلت، اور امارت سے غربت کی مصیبت مین گرفتار ہوجاتا ہے، ہماری قوم مین بے اعتدالی کے دردناک نتائج دیکھنے ہون تو ہر شخص خود اپنے خاندان اور کنبہ مین ان دردناک مناظر کو دیکھہ سکتا ہے، ان جانگداز حوادث سے بچانیکے لئے ابن یمین بار بار اعتدال کی تعلیم دیتے ہین،

اوسط کارہا نگہ میدار . نہ ضعیفی و نہ تہور کن

نہ چو طاؤس مجلس آرا شو　　نہ بو بیران وطن چو کنگر کن

(داتو)

ایک دوسرے قطعہ مین بہت وضاحت کے ساتھ اسی مضمون کو بیان کرتے ہین اور سچ تو یہ ہے کہ علم الاقتصاد کی ضخیم مجلدات انہین چند شعرون کی مزید تشریح و توضیح ہین،

ای پسر در ضبط انچت ہست جہدے می نمای　　تا زہر چہ آن نیست اندوہی نباید خوردنت

لیک گر ضبط از رہ امساک خواہی کردنش　　خون نام نیک خود این بس بود در گردنت

بشنو از من تا نمایم در معیشت راہ راست　　سنت ابن یمین باید بجا آوردنت

از در افراط و ز تفریط بودن محترز　　بر طریق اعتدال آہنگ باید کردنت

دوستی | انسان کے لئے اس سے زیادہ مفید اور پر لطف کوئی چیز نہین کہ دنیا مین اسکا کوئی سچا دوست ہو طبعی طور پر ہر شخص چاہتا ہے کہ ایک ایسا شخص ہو جو صحیح معنون مین اسکا معتمد اور عزیز دوست ہو، جسکی دوستی کے آگے بہت سی قرابتین اور رشتہ داریان بھی ہیچ ہون، جو اسکے غم اور خوشی ہر چیز کا شریک ہو، زر و زر، مال و دولت تو کیا چیز ہے، اپنی جان تک اس سے دریغ نہ رکھے، ابن یمین ایسے دوست کی تلاش و جستجو ضروری قرار دیتے ہین،

گر تو میخواہی کہ آری بہترین چیزے بدست　　یار یکدل آن بود از ہر چہ یابی در جہان

ہمچنین یارے کم افتد، ور بدست آید ترا　　گر خرد داری نگہ دارش گرامی تر ز جان

دو دوست باہم اگر یکدل اند در ہمہ حال　　ہزار طعنۂ دشمن بہ نیم جو نخرند

مثال شان بنمایم ترا ز مہرۂ نرد　　یگان یگان بسوے خانہ راہ می نبرند

وے دو مہرہ چو ہم پشت یکدگر گیرند　　دگر طپانچۂ دشمن ہیچ رو نخورند

بکوش ابن یمین دوستے بچنگ آور　　کہ دشمنان سوے یک تن بصد گزند نگرند

مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کوئی سچا دوست رکھتا ہے تو ہزارون دشمن کی بھی اسکو پروا نہین،
اسکی مثال نرد کے مہرون کی ہے کہ جب مہرے الگ الگ بڑھتے ہین تو مقابل کی زدمین آکر پٹتے ہین،
لیکن دو مہرے جب ایک دوسرے کی مدد پر چلتے ہین تو دونون زد سے محفوظ رہتے ہین،

اچھون کی صحبت لیکن کبھی یہی دوستی انسان کی تباہی و بربادی کا باعث بھی ہوجاتی ہے یعنی انسان جب اپنا دوست اور ہمصحبت بُرے اشخاص کو بناتا ہے تو انکی بُرائیان اسمین سرایت کرتی ہین اور اسکی سعادت شقاوت سے بدلجاتی ہے، اسلئے یہ تعلیم نامکمل رہتی، اگر صحبت نیک کی ترغیب نہ کیجاتی، ابن یمین متعدد قطعات مین مختلف پیرایون سے اچھون کی صحبت اختیار کرنیکی ضرورت بتاتے ہین،

از ہنر مرد بہرہ ور گردد　　چون برِ صاحبِ ہنر گردد
قطرۂ آب مختصر مایہ　　چون بدریا رود گہر گردد
صحبت نیشکر چو یابد آب　　بضرورت ہمان شکر گردد

با بدان کم نشین کہ صحبتِ بد　　گرچہ پاکی ترا پلید کند
آفتابے باین بزرگی را　　ذرۂ ابر ناپدید کند

ہم صحبتِ کریم شو ار بایدت کرم　　زیرا کہ طبع می شود از طبع خوے گیر
گیرد صبا ز ہرچہ برو بگذرد نصیب　　از جیفہ گند گیرد و بوے خوش از عبیر

باشد لئیم در نظر عقل چون شبہ (پوت)　　بے قیمت و کریم بود در جہان چو دُر

کم آمیزی کی تعلیم بعض لوگ صحبتِ احباب کے اسدرجہ خوگر ہوجاتے ہین کہ ہر وقت اپنے احباب مین

OSMANIA LIBRARY HYDERABAD

گھلے ملے رہتے ہین، لیکن اس افراط صحبت سے انسان ہلکا اور بے وقعت ہوجاتا ہے، عرب مین "زرغبا تزدد حبا" ایک مشہور مقولہ ہے، ابن یمین کہتے ہین،

گرکم بدرت آئم معذور ہمی دارم　ان راکہ بسے بینید ہجرش نخواہند
باران کہ پیاپے شد گردند ملول ازوے　آنکہ کہ نمی بارد وصلش نخواہند

مردمی کیا ہے؟

مردمی چیست ہیچ میدانی　روز دولت فروتنی کردن
سیم وزر بیقیاس بخشیدن　گاہ قدرت غضب فرو خوردن

اخفاے راز

پدر کہ جان عزیزش بلب رسیدہ بگفت　یکے نصیحت من گوش گیر جان عزیز
بدوست گرچہ عزیز است راز دل مکشاے　کہ دوست نیز بگوید بدوستان عزیز

حاجت برآری

دولت اور قوت پر گھمنڈ نہین چاہیئے، کیونکہ یہ آنی جانی چیز ہے، آج ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ کل قوت ضعف سے اور امارت افلاس سے بدل جاے، اسلئے آج ہی جہانتک ممکن ہو ضعیفون کی مدد اور محتاجون کی حاجت برآری کرلین، ایسا نہو کہ کل گردش چرخ سے وہ دولتمند اور ہم مفلس ہون اور اُنکے آگے اپنی حاجت لیجائین تو وہ ناکام ونامراد اپنے دروازہ سے نکالدین،

چو روزگار بکام تو گشت و دولت یار　بکوش تا دل آزردۂ بدست آری
مباش یکنفس از کار خویشتن غافل　مگر کہ فرصت امکان زدست بگذاری
کہ زان کسے کہ تو حاجت یاری امروز　روا بود کہ تو فردا طلب کنی یاری

چار چیزین انسان کو ذلیل کرتی ہین

چہار چیز دہد آبروے مرد بباد　باختیار مباش اے پسر مباش تو آن
یکے دروغ، دوم صحبت عوام الناس　سوم مزاح، چہارم شراب بانادان

چار چیزین چار چیزون کی محتاج ہین

چہار چیز بچہار دگر بود محتاج　بیان کنم اگر امر تو مستمع باشی

خرد بہ تجر بہ خویشی بدوستی کردن نسب بعجز، حسب سروری بزر باشی

ان تعلیمات کے علاوہ سیکڑون اخلاقی نکتے ہین جنکو ابن یمین اپنی نصیحت آمیز شاعری مین ادا کرگئے ہین، نمونہ کے طور پر چند عنوانات اس مضمون مین قائم کرلئے گئے ہین، تم غور کرسکتے ہو کہ اخلاقی تعلیم مین انھون نے کسقدر صحیح مذاق سے کام لیا ہے اور کتنے مفید ترین اخلاق کی تعلیم دی ہے، پھر سلامت روی کی انتہا ہے کہ جن الفاظ، ترکیب اور تشبیہات کے ذریعہ سے مطالب بیان کئے ہین ان مین کہین انگلی رکھنے کی بھی جگہ نہین ہے، شیخ سعدی اخلاق کی تعلیم دیتے ہین، اور اسمین شک نہین کہ نہایت موثر پیرایہ مین دیتے ہین، لیکن مذاق زمانہ سے متاثر ہوکر جا بجا حسن وعشق کی شر انگیز داستان بھی چھیڑ دیتے ہین، جس سے ایک اخلاقی صحیفہ کو بہر حال پاک وصاف رہنا چاہیئے،

عمر خیام کی رباعیان، خواجہ حافظ کا دیوان بے شبہہ اخلاقی مواعظ سے خالی نہین لیکن مینا و مے چنگ و بربط، اور مطرب ومغنی کی پرشور آوازون کے سامنے انکی آواز دب کر رہ گئی ہے، مانا کہ حافظ و خیام کی بزم نشاط مین چنگ و بربط اور مینا ومے کی اصلیت نواے سروش اور شراب حقیقت ہی کیون نہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہر شخص صوفی منش نہین ہوسکتا کہ اپنے دل کو ایسا باور کرائے، بار بار سامنے آنیوالے صریح خیالات اور الفاظ کے ظاہری معنی بے اثر نہین ہوسکتے، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دیوان حافظ پڑھکر یا تو انسان ولی کامل ہوجاتا ہے یا بالکل رند وباش، اس جملہ پر غور کرو کیا معنی رکھتا ہے،

غم کھاؤ، زندگی ضائع نہ کرو، اور حال کو کام مین لاؤ، یہ سب سکھاتے ہین، عمر خیام کہتے ہین کہ مرنے سے پہلے زندگی مین جو کچھ کرنا ہو کرو، لیکن زندگی کا لمحہ لمحہ کسمین صرف ہو، شراب نوشی مین،

تا کے زغم زمانہ محزون باشی با چشم پرآب ودل پرخون باشی

مے نوش وبعیش کوش خوشدل می باش زان پیش کزین دائرہ بیرون باشی

خواجہ حافظ کہتے ہین کہ عزلت وگوشہ نشینی بہترین چیز ہی لیکن شرط یہ ہے کہ اسکے ساتھ یہ سامان ہون،

دو یار زیرک و از بادۂ کہن دو منے | فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے

فرماتے ہین کہ اگر یہ موقع نصیب ہو تو دنیا و آخرت کے بدلے بھی ہم اسکو ہاتھ سے نہین دیسکتے،

من این مقام بدنیا و آخرت ندہم | اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے

آگے چلکر یہ تلقین کرتے ہین

بیا کہ رونق این کارخانہ کم نشود | ز زہد ہمچو توئی یا ز فسق ہمچو منے

ابن یمین بھی عزلت و گوشہ نشینی کی تعلیم دیتے ہین، لیکن کن مشاغل اور کن اسباب کے ساتھ

اسکو خود انکی زبان سے سنو،

کنجے و ہمدمی و کتابے و خوردۂ | از بہر ذوق نفس ز تاج و سریر بہ

از بہر ستر عورت جامے و خرقۂ | از اطلس مذہب و شعر حریر بہ

از بہر دفع تشنگی از بادۂ سفال | آب مباح سرد ز جام عصیر بہ
(شراب انگور)

حلوا و مرغ و تره اگر نیست گو مباش | صحت چو ہست از ہمہ نان فطیر بہ

وجہ کفاف اگر بکف آید ز دہقنت | نزد خرد ز خدمت شاہ و وزیر بہ
(کاشتکاری)

ایک دوسرے قطعہ مین کہتے ہین،

نان جوین و خرقۂ پشمین و آب خور | سیپارۂ قرآن و حدیث پیمبری

با یکدو ہمنفس کہ نیرزد بہ نیم جو | در پیش چشم ہمت شان ملک سنجری

این آن سعادت است کہ بروے حسد برد | دارائے تخت قیصر و ملک سکندری

اصل یہ ہے کہ حافظ و خیام اور ابن یمین قناعت و گوشہ گیری کی تعلیم دینے مین تو برابر ہین لیکن علانیہ نظر آئیگا کہ ان دونون کی قناعت و گوشہ گیری مین بہت بڑا فرق ہے، یعنی خیام و حافظ کی قناعت و گوشہ گیری رندانہ ہے اور ابن یمین کی زاہدانہ، اب اخلاق کے رمز شناس خود فیصلہ کرلین کہ

ان مین سے کون صراط مستقیم پر ہے،

ابن یمین کی غزلین

فارسی انواع شاعری پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل خیالات اور مناظر کا سمان دکھانے کیلئے قصائد مخصوص ہین، واقعہ نگاری کے لئے مثنوی، اور وسیع مگر ایک ہی قسم کے خیالات ادا کرنیکے لئے قطعات، غزل کی جو صنف تھی وہ ان منفرق اور چھوٹے چھوٹے خیالات کے لئے تھی جو شعرا کے دلون مین پیدا ہوتے رہتے تھے، زوال تمدن اور سوسائٹی کے تغیر مذاق کا یہ نتیجہ ہوا کہ ساتوین صدی مین غزل کی صنف حسن وعشق کی داستان گوئی کے لئے مخصوص ہوگئی، تمام شعراے ایران جب غزلین کہتے تھے تو وہ عشقیہ مضامین سے لبریز ہوتی تھین، یہ محض تصوف کی کرامت تھی کہ با این ہمہ اس بزم عشق مین اسکی جگہ بھی قائم رہی، اور چونکہ تصوف کو فلسفہ واخلاق سے بہت قریبی تعلق تھا اسلئے اسکے صدقہ مین کہین کہین اخلاقی مضامین بھی ادا ہوتے تھے، لیکن یہ جو کچھ تھا ضمنی وعارضی تھا، مقصود حقیقی یعنی عشق ہی ہوتا،

لیکن اس پر شور زمانے مین صرف ابن یمین کی آواز تھی جو اس غوغاے عام کی ہم آہنگی سے بالکل الگ تھلگ رہی، اور وہ اپنے اصل مذاق کے مطابق غزلون مین بھی اخلاقی مضامین ادا کرتے رہے چنانچہ قطعات کے مجموعے مین چند غزلین بھی ہین جو اخلاقی مضامین سے لبریز ہین، ان غزلون مین تسلسل بیان کا وصف عام طور پر نمایان ہے، یہان مین صرف چند غزلون کے کچھ اشعار نقل کردینا کافی سمجھتا ہون، اہل نظر ان جواہر ریزون کی قدر وقیمت خود معلوم کرسکتے ہین،

دنیا کے نیک وبد، خیر وشر، رنج ومسرت سب گذر جانے والے ہین، اسلئے حوادث سے نہ ڈرو پریشان خاطر نہو، اور ہر حال مین خدا کے شاکر رہو،

اے دل غم جہان مخور این نیز بگذرد — گیتی چو ہست برگذر این نیز بگذرد

دور روزگار نہ بر وفق راے تست — اندہ مخور کہ بیخبر این نیز بگذرد

بالجملہ پاسے دار کہ مردان مرد را　　بگذشت ازین بسے بسر این نیز بگذرد

منت خدای را کہ شب دیر باز غم　　افتاد با دم سحر این نیز بگذرد

این بین زموج حوادث مترس ازانکہ　　ہر چند ہست با خطر این نیز بگذرد

عزت و نیکنامی | زندگی اور دولت و مال کا صحیح مصرف یہ ہونا چاہیئے کہ انسان عزت و نیکنامی حاصل کرے، اس مضمون کو لکھتے ہین،

شنیدہ ام کہ بآب زر این حدیث چو زر　　نوشتہ اند بر ایوان کاخ اسکندر

بمال و ملک جہان را اگر بقا بودے　　ز دیگرے نرسیدی بمن زمین بدگر

عزیز من دو سہ روزی کہ فرصتے داری　　چنان بزی کہ چو بیرون روی ازین کشور

بہر دیار کہ نامت برد کسے بزبان　　بجز دعات نگویند کہتر و بہتر

پدر کہ جان عزیزش بلب رسیدہ بگفت　　یکے نصیحت من گوش کن تو جان پدر

بہر دیار کہ در چشم خلق خوار شوی　　سبک سفر کن ازانجا برو بجاے دگر

بشہر خویش بسے بیقدر بود مردم　　بکان خویش بسے بے بہا بود گوہر

درخت اگر متحرک شدے ز جا بجاے　　نہ جور آرہ کشیدے و نے جفاے تبر

بکوش تا بتوانی ولے بدست آری　　کہ در جہان آن ازین نیست ہیچ جان پدر

دنیا سے بے تعلقی | ایدل ازین جہان دل آزار درگذر　　در تنگنائے گنبد دوار درگذر

کار جہان نہ لائق اہل بصارت است　　فرزانہ دار از سر این کار درگذر

در بحر غم ز حرص چو غواص شوخ چشم　　غوطہ مخور ز گوہر شہوار درگذر

دار غرور نیست مقام قرار تو　　منصور دار از سر این دار درگذر

با مار بہر مہرہ کسے دوستی نکرد　　برکن طمع ز مہرۂ دانہ مار درگذر

چون میتوان بگلشن روحانیان رسید — سعی نما ازین رہ پر خار درگذر

ابن یمین نشیمن قدس ست جاے تو — زین آستان چو جعفر طیار درگذر

شرافت و فضیلت

قرآن مجید کی ایک آیت ہے "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" انسان کی شرافت کا صحیح معیار اسکے اعمال ہین، کیونکہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ابن یمین کہتے ہین،

آن راکہ ندانی نسب و نسبت حالش — اُو را بنود ہیچ گواہے چو فعالش

آنرا کہ پسندیدہ بود خوے و خصالش — زنہار مپرس از پدر و عم و زخالش

زیرا کہ درختے کہ مراو را نشناسی — بارش خبر آرد کہ چہ بود ست نہالش

زیرا شرف مرد باصل و بہ نسب نیست — در معرفت و عقل و تمیز ست و کمالش

شہزادۂ نادان کہ ورا علم و عمل نیست — بیقدر بماند چو نماند زر و مالش

درویش کہ او معرفت علم و عمل یافت — اُو سلطنتے یافت کہ خود نیست زوالش

از صحبت نااہل بصد مرحلہ بگریز — تا در دہن شیر نیفتی ز خصالش

فنائے دنیا اور حسن خلق کی تلقین

باخبر باش کہ دنیا گذرانست اے دل — خیز کاین خوابگہ بیخبرانست اے دل

ہر یک از برگ بنفشہ کہ دمد از دل خاک — خال مشکین رخ سیمبرانست اے دل

شاخ سنبل کہ سر از جیب زمین بردارد — جعد عنبر شکن خوبرو انست اے دل

در ہمہ کار پس و پیش نگہ باید داشت — خویش و بیگانہ ز ہر سو نگرانست اے دل

ہمہ خلق جہان خلق پسندیدہ نماے — کہ سوے خلد برین راہ برانست اے دل

گرنہ بر وفق مراد تو بود کار جہان — از جہان نیست کہ دور قمرانست اے دل

خود گرفتم کہ نمودم ید بیضا بسخن — نطق عیسیٰ چہ کنی دور خرانست اے دل

اے بسا کابن یمین در گہ و بیگہ می گفت — کہ سعادت ہمہ با بے ہنرانست اے دل

علم دعقل

بگوش ہوش من آمد مدام آوازے | کہ ہست طائر جان را ہوائے پروازے
بلے نشیمن او شاخسار سدرہ سزد | چہ می کند قفس اندرونہ دمسازے
بعلم وعقل اگر پرورش کنی جان را | ز ستر غیب نماند بر او نہان رازے
غذائے طوطی جان تو شکرے خوردست | عزیز دار مر او را کہ ارزد اعزازے
بود ز نفس گرش آرزوے نفس دہی | کسے لطعمہ نداد ارزنی بشہبازے
بہ نزد ابن یمین گرچہ یار خاک خوری | بہ است از انکہ ہمیشہ مسخر آزے

غالباً تم کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہو گا کہ ابن یمین کی جو اخلاقی تعلیمات ہین وہ بہت صحیح، صاف اور اعلیٰ ہین، اور وہ انہی خصوصیات کی بنا پر اپنے تمام ہمچشمون مین ممتاز ہین، اب مین آخر مین یہ کہے بغیر نہین رہ سکتا کہ ہمارے ہان اخلاقی تعلیم کے سلسلہ مین ہر طرح کے رطب و یابس کا مجموعہ جو فارسی رسائل پڑہائے جاتے ہین، اگر انکی بجائے ابن یمین کا منتخب کلام داخل نصاب کر لیا جائے تو یقیناً زیادہ مفید ہو، اور اس سے اچھے نتائج نکلین، ابتدائی تعلیم محض بچون کی تعلیم نہین ہوتی بلکہ اُنکے آیندہ خُلق وسیرۃ کی وہ بنیاد ہوتی ہے، اسلئے اسکا لحاظ کر لینا ضروری ہے کہ وہ بنیاد غلط نہو، کیونکہ اسی پر عمارت کی شان و شوکت اور حسن و استحکام کا دار مدار ہے،

باب المراسلۃ والمناظرۃ

سورۂ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر

از تذکرۂ مولانا ابوالکلام آزاد

معارف عدد ہفتم مین سورۂ یوسف کے ایک واقعہ کی تفسیر شایع ہوئی تھی جسکے آخر مین مین نے یہ مصرع لکھا تھا، ع متاع من ز نہانخانۂ ازل بردہ ست، چنانچہ آج مولانا ابوالکلام کے تذکرہ کا ایک ورق (حاشیہ صفحہ ۱۲۵ - ۱۲۸) اس مسئلہ کے متعلق شایع کرتے ہین، کتاب البلاغ پریس (ریپن لین نمبر ۴ کلکتہ) مین زیر طبع ہے،

عام طور پر یہ واقعہ یون سمجھا جاتا ہے کہ وہ عورتین حضرت یوسف کا جمال صورت دیکھکر ایسی بیخود ہوئین کہ پھلون کی جگہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے، مگر قرآن حکیم سے ایسا ثابت نہین ہوتا، حضرت یوسف نے اس واقعہ کے بعد ہی دعا مانگی: والا تصرف عنی کیدھن اصب الیھن "خدایا! اگر ان عورتون کے مکر و فریب سے تونے نہ بچایا تو ممکن ہے کہ مین ان پر جھک پڑون" یہان ان عورتون کے معاملہ کو "کید" کہا لیکن اگر وہ تاب نظارۂ جمال نہ لاکر بیخود ہوگئی تھین تو اسمین "کید" کی کونسی بات تھی، پھر خدا فرماتا ہے، فصرف عنہ کیدھن "ہم نے ان عورتون کے کید کو اسکی طرف سے ہٹا دیا" پھر قیدخانہ مین بادشاہ کے پیامبر سے کہا، ما بال النسوۃ التی قطعن ایدیھن، ان ربی بکیدھن علیم یعنی "پہلے اس معاملہ کو صاف کرو کہ وہ جو عورتون نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے تو اسکی حقیقت کیا تھی؟ میرا پروردگار انکے مکر کو خوب جانتا ہے"، ان دونون مقامات مین بھی اس معاملہ کو کید سے تعبیر کیا، اور آخری آیت مین تو صاف صاف قطع ید کو حضرت یوسف "کید" کہہ رہے ہین، اس سے بھی بڑھکر یہ کہ جب حسب تحریک حضرت یوسفؑ بادشاہ نے ان عورتون سے معاملہ کی تحقیق چاہی تو ان لفظون مین پوچھا، ما خطبکن اذ راودتن

یوسف عن نفسہ ؟ "بتلاؤ کیا حال تھا جب تم لوگوں نے یوسف کو پھسلانا چاہا تھا"؟ یہاں وہی "راود تن عن نفسہ" کا لفظ ہے جو ان عورتوں نے امراۃ العزیز کی نسبت کہا تھا، "تراود فتاھا عن نفسہ" اور "راودتہ التی ھو فی بیتھا عن نفسہ" اور "ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم" پس اگر وہ عورتیں صورت ہی دیکھکر محو و بیخود ہوگئی تھین تو اسمین پھسلانے اور بہلانے کا مکر کیا ہوا؟ اگر کہا جائے کہ ہاتھ کاٹنے کے بعد انھون نے پھسلانا چاہا تھا تو یہ قرآن مین کہین نہین ہے، وہان تو صرف اس اعتراف پر معاملہ ختم ہوجاتا ہے کہ "ان ھذا الا ملک کریم" اور بلاغۃ قرآنی کے خلاف ہے کہ ایک غیر متذکرہ و مجہول واقعہ کی طرف جا بجا اشارہ کیا جائے، پس اس آیت کی یہ تفسیر کسی طرح صحیح نہین ہوسکتی، صاف بات یہ ہے کہ ملامت کرنیوالی عورتون کے دلون مین در اصل پہلے سے کھوٹ تھا، وہ خود حضرت یوسف پر ریجھی ہوئی تھین، مگر بظاہر امراۃ العزیز کو طعنہ دیا کرتی تھین کہ ایک نوخیز غلام پر مرنے لگی اور اسکو بھی قابو مین نہ لاسکی، یعنی ہم ہوتے تو ایک ہی چلتر مین پاکبازی کی ساری دہوم ختم کر دیتے، "فلما سمعت بمکرھن" جب امراۃ العزیز نے انکی اس مکاری کا حال سُنا تو حضرت یوسف سے مقابلہ کرادیا کہ اچھا مین تو اسکو قابو مین نہ لاسکی، اگر اسکی پاکبازی ایسی ہی پھسل پڑنے والی ہے تو تم بھی اپنے سارے داؤ آزما دیکھو، جب حضرت یوسف سامنے آئے تو "اکبرنہ" انکی عصمت و پاکی کی عظمت نے انکو قائل کر دیا "وقطعن ایدیھن" جب اظہار عشق و فریفتگی کے سارے چلتر ناکام رہے تو پھر یہ کیا کہ اپنا کمال عشق جتانیکے لئے اپنے ہات کاٹ لئے، یعنی زخم لگا کر خون بہا دیا، یہ بھی ایک چلتر تھا کہ نہ مانو گے تو یہی چھری ہوگی اور ہماری جان، لیکن جب وہ کوہ عصمت اسپر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا تو بے اختیار پکار اٹھین "ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم" "ہم نے تو وہ وہ ناز و عشوہ دکھلائے اور وہ چلتر کئے کہ کوئی کیسا ہی انسان ہوتا مگر اپنے کو قابو مین نہین رکھہ سکتا تھا، لیکن یہ تو پاکی و قدوسیت کا فرشتہ ہے جسکو گناہ کا کوئی دام بھی پھنسا نہین سکتا"، پھر امراۃ العزیز بولی "فذالکن الذی لمتننی فیہ" دیکھا یہ ہے "وہ پیکر عصمت اور مجسمہ ملکوتیت

جسکے لئے مجھکو ملامت کیا کرتی ہین"،

ہزار دام سے نکلا ہون ایک جنبش مین جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

خود امراۃ العزیز کا یہ قول ہی تفسیر مشہور کی تغلیط کے لئے کافی ہے، ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم "ہان بیشک مین نے اسکو بہت پہسلانا چاہا تہا، مگر وہ بے قابو نہوا" یعنی ایسے پاک شخص کے مقابلہ مین اپنی ناکامی کا اقرار باعث عار نہین، اگر یہ معاملہ صرف محویت حسن صورت ہی کا تہا تو اس موقع پر یہ کہنے کا کون موقع تہا، ان عورتون نے کہا تہا ان ھذا الا ملک کریم "اگر وہ صرف حسن سیرت ہی دیکہکر بیخود ہو گئی ہوتین تو ملک کریم کیون کہا؟ فرشتون کی خوبصورتی کا تو شہرہ نہین ہے، پاکی اور عصمت کا ہے فلما سمعت بمکرھن - اگر صرف ان عورتون نے حضرت یوسف کی تحقیر ہی کی تہی، اور بنیاد ملامت صرف یہی تہی کہ ایک غلام پر کیون جان دینے لگی اور خود انکے دل مین کہوٹ نہ تہا، تو اسمین مکر کی کونسی بات ہوئی، مکر کے معنی عربی مین یہ ہین "ایصال الشی الی الغیر بطریق خفی" وکذالک الکید والمخادعۃ جب ان عورتون کے خیال کو مکر کہا تو اسمین کوئی مخفی بات بھی اندر کی ہونی چاہیئے، ایک مرتبہ مجھکو خیال ہوا کہ یہ مشہور تفسیر تو خود ایک حدیث کے خلاف ہے، حضرت عائشہ کی مشہور روایت مین ہے کہ مرض الموت مین آپ نے بلال سے کہا ابوبکرؓ کو نماز پڑہانیکے لئے کہدو، اسپر حضرت عائشہؓ نے اور پھر انکی تحریک سے حضرت حفصہ نے کہا "رجل اسیف" ابوبکر بڑے ہی رقیق القلب آدمی ہین ان سے نہ ہوسکیگا کہ آپکی جگہ کھڑے ہوکر نماز پڑہائین، عمر کے لئے فرما دیجئے، اسپر آپ نے فرمایا "انکن صواحب یوسف"، اگر وہی مشہور تفسیر مان لی جائے تو آپکی یہ تمثیل کسی طرح بھی درست نہین ہوتی ہے

ہم ان تاویلون سے بیخبر نہین ہین جو مفسرین نے لائمات کا مکر و کید ثابت کرنے کے لئے کی ہین، مگر اس صاف صاف تفسیر کے بعد ان تکلفات کی ضرورت باقی نہین رہتی، حضرت یوسف کے جمال صورت سے بھی ہمین انکار نہین، اور حضرت یوسف پر کیا موقوف ہے؟ دنیا مین کوئی نبی بھی

بد صورت نہین آیا، انبیاے کرام فطرۃ و مزاج انسانی کا کامل ترین ظہور ہوتے ہین، کمال فطرت بغیر اعتدال و قوام خلقت و کمال نشو جسم و ہیکل ممکن نہین" وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشب شبابا لا یشبہ الغلمان" اور اعتدال و قوام خلقت مین اعتدال ظاہر و باطن دونون داخل ہین، پس انبیاے کرام کے ظاہر و باطن، دونون مین بجز جمال و حسن و خوبروئی کے اور کچھ نہین ہوتا، اور نہ ہوسکتا ہے، مگر مجرد جمال صورت کوئی ایسی چیز نہین جو انبیا کے لئے موجب فخر و مباہات یا معجزہ ہو اور قرآن حکیم اسکا خاص طور پر ذکر کرے، حضرت یوسفؑ کا اصلی جمال، جمال عصمت و باطن تھا جسکا جلوہ قَالَ مَعَاذَ اللہِ اِنَّ رَبِّیْ اَحْسَنَ مَثْوَایَ کے مقام پر بھی نمایان ہوا، مَا ھٰذَا بَشَرًا کے معاملہ مین بھی، اَلسِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ کے اعلان مین بھی، اور اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ کے تخت جلال و عظمت پر بھی، کیا یہ جمال اُنکے حسن مقدس کی جہان آرائی کے لئے بس نہین کرتا ؟

لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب،

تفسیر سورۂ یوسف کی جو یہ مشہور و عام غلطیون مین سے ایک غلطی یہ تھی، سورۂ مذکورہ کی تفسیر مین یہ بحث بالتفصیل لکھا جا چکا ہے،

باب التقریظ والانتقاد

گلکدہ

یعنی

مجموعۂ غزلیات جناب مرزا ہادی صاحب عزیز لکھنوی

از

مولوی ابوالحسنات ندوی رفیق دارالمصنفین

موجودہ شعرائے لکھنؤ دو طبقون مین منقسم کئے جا سکتے ہین، ایک وہ جو قدیم طرز شاعری پراب تک قائم ہے، دوسرا وہ جس نے قدیم طرز سخنگوئی مین نیا رنگ پیدا کیا ہے، جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز اس دوسری جماعت کے ایک ممتاز رکن ہین، دنیائے ادب مین شاعر کی حیثیت سے بارہا انکا تذکرہ اخبارات و رسائل مین آچکا ہے اس لئے وہ کسی جدید تعارف کے محتاج نہین، ماہ گذشتہ مین انھون نے اپنی غزلون کا ایک مجموعہ "گلکدہ" کے نام سے شائع کیا ہے، امید ہے کہ ادب و شاعری کے حلقون مین وہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔

مرزا عزیز کی شاعری کی ممتاز خصوصیات تین ہین، جذبات نگاری، فارسی کی ترکیبون کا استعمال اور باوجود اسکے کلام کی صفائی اور روانی اور ابتذال سے پرہیز، ہر شعر مین انکی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جذبات انسانی کی تصویر کھینچی جائے کیونکہ شاعری درحقیقت جذبات ہی کو موزون فقرون مین ادا کرنیکا نام ہے، وہ شعر شعر نہین جو جذبات انسانی کا ترجمان نہو، ذیل کے اشعار کو پڑھو، دیکھو کسقدر انکا لفظ لفظ جذبات کے آب حیات مین ڈوبا ہوا ہے، اور اُسکے مصرع مصرع مین سوز و گداز کے کتنے شعلے بھڑک رہے ہین،

آگے خدا کو علم ہے کیا جانے کیا ہوا　　بس اُنکے رخ سے یاد ہے اٹھنا نقاب کا

بے نیازی پہ تری ناز سیہ کارونکو — اُٹھ لئے پھر آئین درِ توبہ اگر باز نہو
آج صیاد نے فرمانِ رہائی تو دیا — لیکن اُنکو کہ جنھین طاقت پرواز نہو
دلمین پیوست ہی اک تیر نکالون کیونکر — ڈر رہا ہون کہ نگاہِ غلط انداز نہو
دلِ پُر درد سے جو آہ پر تاثیر نکلی ہے — غم پنہان کی لیکر ساتھ اک تصویر نکلی ہے
مٹے طلسم تصور تو اب قدم اٹھین — کہ ذرہ ذرہ پہ تصویر یار راہ مین ہے
کچھ دور وہ ساتھ اپنے جنازہ کے چلینگے — کیا دیر ہے بیمار محبت کہین مر بھی
بیٹھا ہے جھکائے ہوئے سر دیر سے کوئی — بیمارِ شبِ غم کوئی کروٹ تو ادھر بھی
دینا نہ عزیز آنکھ کو گردش دم آخر — بیٹھے ہین سرہانے تیرے ارباب نظر بھی
کسنے دیکھا کونسی معجز نما نظرین اٹھین — لو وہی ٹوٹے ہوئے دل پھر صدا دینے لگے
یہی کہہ کہکے مین نے منزلون کی ہمت افزائی — کہ اب آتا ہے اے دل اب درِ جانانہ آتا ہے
ترے وعدے کی حقیقت کو ہمین سمجھے رہے ہین — وہ حریص زندگی ہے جسے اعتبار آئے
قیامت کیا عزیز ایک نام ہی فریاد کا میری — فروغ اس بزم ہستی کا فقط ضبطِ فغان تک ہے
عالم کے انقلاب کا اللہ رے اثر — مین دیکھتا ہون دلکی بھی دنیا بدل گئی

مرزا صاحب غزلگوئی مین مرزا غالب کے طرز سخن کا تتبع کرتے ہین، اور اُنکی غزلون پر غزلین کہتے ہین، ارباب نظر جانتے ہین کہ مرزا غالب کے طریق کلام کی کامیابی کے ساتھ پیروی کس درجہ مشکل ہے، قید "کامیابی" کا اضافہ اس لئے کیا گیا ہے کہ آج کل غالب پرستی کی جو آندھی ملک مین چل رہی ہے اسنے صحت وخطا، عیب وہنر، فصاحت وتعقید کی چشم تمیز کو گرد آلود کر دیا ہے،

مرزا عزیز کی اس قسم کی غزلون کے چند اشعار ذیل مین نقل کئے جاتے ہین، مرزا غالب

کی ان زمینون مین ایسے عمدہ شعر نکال لینے پر جناب عزیز کی جسقدر تحسین و آفرین کیجائے کم ہے۔

دیکھکر ہر در و دیوار کو حیران ہونا
وہ مرا پہلے پہل داخل زندان ہونا

ان سے کرتا ہے دم نزع وصیت یہ عزیز
خلق روئیگی مگر تم نہ پریشان ہونا

مڑ مڑ کے دیکھتا تھا مین وحشت مین بار بار
کوئی تو میرے ساتھ بیابان نورد تھا

کوسون دیار عشق مین آبادیان نہین
یاد تش بخیر جب سے مرا دل نہین رہا

ظاہر ہوا ہے میرے رخ نیلگون سے اب
انجام ضبط گریۂ طاقت گداز کا،

ظاہر مین ایک سادہ ورق ہی یہ دل مگر
نقش طلسم راز ہے اک کارساز کا،

کسکے جلوہ نے یہ کی آئینہ بندی ہر سو
دیکھا جس ذرہ کو وہ دیدۂ حیران نکلا

مرگیا ایک نظر دیکھکے گردون کی طرف
ترے بیمار کا جب کوئی نہ پرسان نکلا

ہے ضبط گریہ میرے لئے اک محال بات
گو آنسوؤن مین دل کی حقیقت ہی کیون نہو

میری خاموشی کی شرحین لوگ جو چاہین کرین
درد دل مین کیا کہون جب ہمزبان کوئی نہو

پائی جب خلوت کہین پابند رسم ضبط نے
رو دیا یہ سونچکر شاید یہان کوئی نہو

جفا و امتحان کا عشق مین جب ایک حاصل ہو
ستم ہی کیون نہو بدنام نام امتحان کیون ہو

نہ پوچھو دم کے رکنے کا سبب تم نزع مین مجھسے
کیا ہو زندگی بھر ضبط جسنے رائگان کیون ہو

زمانے کے حوادث خود مری فطرت مین داخل ہین
مصیبت دلکی کیا کم ہی بلائے آسمان کیون ہو

رونا نل ملا ہے ہر اک دلکو بیش و کم
وہ داغ عشق نقش سویدا کہین جسے

یہ کہکے بزم وعظ مین اک جام پی لیا
کب تک رکھین امید شراب طہور کی

دل تابع کشش تھا کشش تابع جمال
ہان ہان محبت آپ نے کی اور ضرور کی

مانا کہ بزم حسن کے آداب ہین بہت
جب دل پہ اختیار نہو کیا کرے کوئی

مرزا صاحب نے کلام مین فارسی الفاظ اور ترکیبون کی آمیزش سے وسعت بیان، نزاکت مضمون اور حسن ادا پیدا کرنیکی طرف جو توجہ کی ہے اور اسمین جس حد تک وہ کامیاب ہوئے ہین وہ داد طلب ہے، حقیقت یہ ہے کہ فارسی ترکیبون سے جسقدر وسیع اور غیر محدود معانی چھوٹے چھوٹے فقرون مین ادا ہو جاتے ہین محض اُردو یا ہندی الفاظ کی ترکیب سے وہ طلسم معانی نہین بن سکتا ہمارے موجودہ شعرائے اُردو مین فارسی ترکیبون کی آمیزش کرنے والے اشخاص بکثرت پیدا ہو گئے ہین، لیکن سچ یہ ہے کہ بہت کم اصحاب ذوق سلیم کا ثبوت دیسکے، یہی چیز جسقدر کلام مین حسن اور بلندی پیدا کرتی ہے اسیقدر بسا اوقات عیب اور پستی بھی پیدا کرتی ہے۔

ایک منصف مزاج نقاد سخن علانیہ اسکا اقرار کریگا کہ اس بارہ مین مرزا صاحب نے جسقدر ذوق صحیح اور سلامت طبعی سے کام لیا ہے وہ مدح و ستایش سے مستغنی ہے، اور یہ وصف اُن کے کلام مین اسقدر عام ہے کہ خاص طور پر دکھانے کی حاجت نہین، جہان سے بھی کلام پڑھو قدم قدم پر یہ حسن نظر آئیگا، چنانچہ اشعار بالا کو پڑھکر بھی ہر شخص اسکا اندازہ لگا سکتا ہے۔

باایہمہ فارسی کی بعض ترکیبون کی صحت کے متعلق مجھے شک ہے، چنانچہ ذیل کے اشعار مین خط کشیدہ الفاظ اور ترکیبین قابل غور ہین،

گل جو گلزار مین ہین گوش بر آواز عزیز ۔۔۔ مجھسے بلبل نے لیا طرز یہ شیوائی کا

اُبھرین گی اور حسن کی سرگرمیان ابھی ۔۔۔ لیتے ہین کام نالۂ آتش نشین سے ہم

بیان کرتا ہی جب کوئی مرا اندازہ وحشت ۔۔۔ لبون تک خون مین ڈوبا ہوا افسانہ آتا ہی

ہے شور مری لاش پہ ہر رہگذری کا ۔۔۔ لیکن وہی عالم ہی تری بیخبری کا

وہ شوق قتل و ولولۂ دل نہین رہا ۔۔۔ اب اُنکے امتحان کے قابل نہین رہا

یہ مختصر سی ہے مری سوانح عمری ۔۔۔ ہمیشہ وقف ستمہائے روزگار رہا

مجھے یہ تسلیم ہے کہ اس قسم کے مسامحات بہت کم ہین، اوران مین سے بعض شاید قواعد کے رو سے صحیح بھی نکلین لیکن فصاحت کا معیار قواعد سے زیادہ بلند ہے ہمین مرزا عزیز سے جس کلام کی توقع ہے اسکو ان شکوک وشبہات سے بھی پاک وصاف ہونا چاہئے، ایک غزل کا شعر ہے،

بقدر جوش جوانی بڑھا غرور انکا　　کہ مے نے نشہ باندازۂ خمار کیا

یہی تشبیہ مرزا غالب کے یہان بھی اس شعر مین ہے،

دیتے ہین جنت حیات دہر کے بدلے　　نشہ باندازۂ خمار نہین ہے

لیکن ان دونون مین جو امتیاز اور فرق ہے ظاہر ہے، مرزا عزیز کے ہان قلب تشبیہ ہوگیا ہے

اسی طرح یہ چند الفاظ اور ترکیبین بھی قابل غور ہین،

ہنگامہ خیز کشمکش حسن وعشق مین　　دل یون پسا کہ جیسے غبار نبرد تھا

آئینۂ حیات ہے تیرا فروغ حسن　　زندہ وہی ہے جو کہ ترا روشناس ہے

نہین زاہد تجھے اندازۂ لذات روحانی　　بہشت روح اک نظارہ ہے آفت جاں تکا

لذات کی صحت مین شبہہ نہین، لیکن یہ ضرور نہین کہ غزل کی زبان مین ہر صحیح لفظ شیرین اور لطیف بھی ہو،

اس قسم کے بعض اشعار کو چھوڑکر بقیہ پورا گلکدہ مسامحات اور نکتہ چینیون کی دار وگیر سے پاک ہے اور استادانہ رنگ اوسمین صاف جھلکتا ہے،

صفائی وروانی اگر کلام کے حسن رُخ کا آب ورنگ ہے تو مرزا عزیز نے اسکے بھی بہترین نمونے پیش کئے ہین ذیل کے اشعار کو پڑھو کسقدر بے تکلف صاف اور روان ہین،

بدگمان کو میری میت پہ یقین سکتے کا ہے　　حکم ہے آئینہ دکھلاؤ مری تصویر کا

بعد میرے میرا سامان سب تبرک ہوگیا　　حلقہ حلقہ بٹ رہا ہے اب مری زنجیر کا

اک خدائی جان دینے کیلئے تیار ہے　　کیا قیامت ہی کمر سے باندھنا شمشیر کا

شمع بجھکر رہگئی، پروانہ جلکر رہگیا　　یادگار حسن وعشق اک داغ دلپر رہگیا

ضعف مین کرتا بیان کسطرح آخر درد دل　　آپکا بیمار اک کروٹ بدلکر رہگیا

ہچکیاں آئی تھین دو چار جو ہنگام وفات　　تھی وہ آواز شکست دل بسمل قاتل

سوز باطن کا اثر ضبط سے چھپتا ہی کہین　　شمع کو آبلہ، سر تا بقدم دیکھتے ہین

آخر مین یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ شعرائے لکھنؤ کی اس نئی جماعت نے قدیم طرز شاعری کے بدلنے مین گو کامیابی بہت کچھہ حاصل کی ہے، تاہم اب تک جو کچھ ہوا ہی وہ یہی ہے کہ قدیم مرثیہ گوئی کو تغزل کے قالب مین بدلدیا گیا ہی اور یہی وجہ ہی کہ سوز وگداز، حسرت وغم، یاس وماتم، ناامیدی وموت کے جذبات بکثرت اور سو سو پہلو سے ادا ہوتے ہین، لیکن جوش وخروش، رندی وسرمستی، رفعت و بلندی، اور معاملات حسن وعشق، اور واردات قلبی کے مضامین کی بڑی کمی ہے، اسلئے ہمارے نئے ممتاز شعرا کو اب ان چیزونکی طرف بھی توجہ ضروری ہے صف ماتم ہٹا کر بزم نشاط قائم کیجئے کہ مدت کے مردہ دلونمین تر وتازگی اور جوش وخروش پیدا ہو اور غم وحسرت کے بجائے ہمارے نوجوانونمین امید اور ترنگ کے ولولے موجزن ہون،

الفاظ کسیقدر شیرین اور فصیح ہون لیکن کبھی کبھی وہ کثرت تکرار سے بے مزہ اور کانون کو ناگوار معلوم ہونے لگتے ہین، مرزا صاحب نے بعض الفاظ مثلاً "جذبات" "مرکز" "ناسوز" وغیرہ کو بار بار دہرایا ہے، ہر غزل مین علحدہ علحدہ یہ الفاظ بُرے نہین معلوم ہوتے لیکن ایک مجموعہ اور دیوان کی صورت مین وہ حد احترا ز تک پہنچ جاتے ہین، تاہم ان چند الفاظ سے قطع نظر کرکے اگر اس دیوان کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ مصنف نے شعرائے لکھنؤ کے سینکڑون ہزارون مبتذل الفاظ اور خیالات سے اپنے کلام کو اسقدر بلند کیا ہے کہ غزل کی زمین آسمان بن گئی ہے۔

ادبیات

سخن حبیب

از جناب مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ حیدرآباد دکن

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
(امیر خسرو)

لالۂ ہمرنگ تو در دامنِ گلزار نیست
بوے شکین زلف تو در طبلۂ عطار نیست

شور وحشت شد ز سر با نیست پای در طلب
رسم جانبازی ز پا آمد سرے بردار نیست

طبع نازک از بنا ز قید رسم افتادہ ست
رشتہ الفت چو دارم حاجتِ زنار نیست

غنچہ را شکلِ دہن شد، شیوۂ گفتار کو؟
سرو را قد سہی شد جلوۂ رفتار نیست

نیست دولت در جہان جز وصلِ یارِ سیم تن
نقدِ عیشے در زمان جز دولتِ دیدار نیست

کیفِ چشمِ مست تو در بادۂ گلرنگ کو؟
ذوق جامِ لعل تو در ساغر سرشار نیست

در بہاران سیرِ گلشن غنچۂ دل وا نکرد
چون بہارِ گلشنم آن غیرتِ گلزار نیست

نیست کارے با طبیب شہر رنجورِ ترا
گشتہ سکین مبتلاے دردِ دل بیمار نیست

دیدۂ کز عشقِ جانان می نیارد سیل اشک
درخورِ جنات علن تحتہا الانہار نیست

از بن ہر موے حسرت نالہا سر می زند
نغمہاے دلکشا در بندِ چوب و تار نیست

سپاسِ یزدان

از مولوی محمد احسن اللہ ثاقب (سابق مدیر قند پارسی) پروفیسر فارسی و عربی وکٹوریا کالج گوالیار

سپاسے کہ شایانِ یزدان بود
نہ درخورد نیروے انسان بود

خداوندِ گیتی خداوندِ جان
بفرمانش دوزخ بامرش جنان

جہان داد را مر خدائی تراست
ہمہ بندگانیم شاہی تراست

گہرہائے رخشان بجیحون دہی
فروزان شقائق بہامون دہی

دمِ عطرسا از تو یابد صبا،
مہِ چاردہ از تو جوید ضیا

تو افراختی چرخ گردندہ را
کہ حیران کند مرد بینندہ را

شبش از ستارہ منور کنی
کہ یابد زمین ہم ازان روشنی

زمین رشکِ مینو کنی در بہار
ز ہر گونہ گل بر دمد بے شمار

ہوا قطرہ افشان و گل ہر طرف
دہد آدمی زاد دل را ز کف

گروہے فرستی ز نوشین لبان
کہ ہر عشوۂ شان بود دلستان

بقد سرو نازد، بخد آفتاب
دلِ سینہ ریشان ازانہا تباب

بابرو کمان و بگیسو کمند
کہ آرند یک شہر جان را بہ بند

ز چشمانِ شہلا کہ گیرد حساب
کہ مستند و کردند عالم خراب

تبسم، مگو راہِ دل می زند
کہ آتش بجان متصل می زند

گروہے فرستی ز فرماندہان
کہ از سطوتِ شان بلرزد جہان

ہمہ دادپرور ہمہ عدل کوش
ہمہ کوہ حلم و ہمہ بحرِ ہوش

زعاصی بہر لحظہ پوزش پذیر — بشکوۂ الکاظمین مستنیر

کرا طاقتِ آن ستاید ترا — ندانم پسند آنچہ آید ترا

مگر سجدہ آرم بدرگاہِ تو — فدا سازم این جسم در راہِ تو

کہ چون تشنہ میرم شرابم دہی — برو جانیان قطرہ آبم دہی

تبہ کاری من بدان حد رسید — کہ چشم کسے ردے نیکی ندید

نہ سوزے نہ دردے یکے مردہ دل — دماغے پریشان قویٰ مضمحل

تو دانی ازین ہا چہ راحت رسد — کہ نخلے کہ افتادہ کے بر دہد

فغان از زمانے کہ آیم بتو — سیہ نامۂ خود نمایم بتو

زنا کردنیہا سر افگندہ پیش — بشمشیر حسرت دل و سینہ ریش

ندامت مگر یاری من کند — ز دیوان غفران نویدے رسد

تو گفتی کہ رحمت فزون از غضب — ہمین ست و این ست و این کار رب

قد سبقت رحمتی علیٰ غضبی

خدایا ز رحمت نصیبے بدہ — بدستم دگر دو زر خسران منہ

غزل

مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

زیر مزار جاکر ڈرتا فلک سے کیا مین — یون مٹکے رہ گیا ہون جیسے کبھی نہ تہا مین

صیاد نے چھڑایا مجھسے وہ آشیانہ — اک عمر جسکی خاطر تنکے چُنا کیا مین

کُھل جائیگی حقیقت اس عاریت سرا کی — جس دن اُتار دونگا یہ جامۂ فنا مین

اظہار حسرت و غم اب کیون مری لحد پر — گو آج مین نہین ہون لیکن کبھی تو تہا مین

کچھ بولتا تو کُھلتے کاہیکو رازِ عالم — شمع خموش بنکر سبکی سُنا کیا مین

دنیا کے اہل عبرت پڑھ لینگے یہ کتابت
مٹی پہ چھوڑتا ہون اک نقش بوریا مین

دل لے سکا نہ کروٹ تیرا نظارہ کر کے
بزم جہان مین دیکھون کسکو ترے سوا مین

ہجران نصیب دل کو وصلت کا ہوش کب تھا
کہتا ہی مجھسے کوئی تیرے قریب تھا مین

ثاقب غزل نہین تھی یہ ماجرائے دل تھا
جو کچھ تھا رازِ الفت باتون مین کہہ گیا مین

کلام فانی

جناب شوکت علی صاحب فانی بی۔ اے ال ال بی بدایون

ہم اپنے جی سے گذرے یون سحر کی
شب غم بڑھ چلی تھی مختصر کی

تمہین کس دل سے اپنی جان کہئے
وفا اُس نے تو کی اور عمر بھر کی

انہین بیچین کرنا چاہتا ہے
قضا آئی ہے کیا دردِ جگر کی

کشش کیسی کہان کا جذبۂ دل
وہ آئے ہین بن آئی ہے اثر کی

ہم اکثر جا کے ویرانہ سے پلٹے
ہمارے گھر سے ویرانی نہ سرکی

مرا قتل انکے ہاتھون یہ تو باتین
کچھ اُنکے منھ کی ہین کچھ نامہ بر کی

تمہارے عشق کا اللہ رے فیض
جگر مین دھوم ہے دردِ جگر کی

نگاہِ شوق کے دم تک تھی آنکھین
اب آنکھین یادگارین ہین نظر کی

اُٹھا ہاتھ اے تصوّر فاتحہ کو
یہ دل کی ہے وہ تربت ہی جگر کی

شب فرقت کٹی یا عمر فانی
اجل کے ساتھ آمد ہے سحر کی

مطبوعات جدیدہ

قدیم و جدید معاصرین

اردو سلسلۂ صحافت مین چند نئے رسائل و اخبارات خاص طور پر قابل ذکر ہین، اُن مین سے کچھ تو پرانے رسائل ہین جو نئے دم خم سے میدان مین آئے ہین، اور کچھ نئے جو ہمارے حلقۂ معاصرت کی خوشنما کڑیان ہین،

صبح امید، اسکا ذکر پہلے بھی ہم کر چکے ہین، اُسوقت ہم نے جو امید باندہی تھی، الحمد للہ کہ پوری ہو رہی ہے، اسکا مقصد اردو مین معتدل، سیاسی، معاشرتی اور ادبی ذخیرہ پیدا کرنا ہے، چند پچھلے پرچون مین اُس نے قابل قدر مضامین شایع کئے ہین، اسکے سیاسی خیالات و تعلیمات استوار و مدلل ہین، غوغاے عام کی پیروی اسکا مسلک نہین، یہ صرف حقیقت پر نظر رکھتا ہے، سیاست کی تلخی کے ساتھ ادبی لطائف کی شیرینی کو بھی اس نے ملا دیا ہے، رفتار قوم کے نیچے جو شذرات لکھے جاتے ہین اُنکا فقرہ فقرہ ادب و انشا کی چاشنی مین ڈوبا ہوتا ہے، آخر مین بہار سخن کے عنوان کے تحت مین قدیم شعراے اُردو کے کلام کا انتخاب ہوتا ہے، اس انتخاب مین غالب کو لینا اسلئے بیکار ہے کہ انکا دیوان تو خود منتخب اور مختصر ہے، ضخیم دیوانون کے مالک شعرا کا جائزہ لینا البتہ مناسب ہے، لکھائی چھپائی بہت صاف اور عمدہ ہے، قیمت سالانہ للعہ پتہ: دفتر صبح امید، امین الدولہ پارک لکھنؤ،

قوم، جناب عباس حسین قاری علیگ کی ایڈیٹری مین دلی سے ہفتہ وار شایع ہوتا ہے، ادب معاشرت، تمدن، تاریخ، سیاست ہر قسم کے مضامین کی سرخیان ہوتی ہین، لیکن زیادہ تر مباحث ملکی و سیاسی ہوتے ہین، ہمدرد کے سوا دلی سے کوئی نامور اخبار نہین نکلا، عموماً جو اخبارات نکلے، انکی حیثیت محض مقامی رہی، قوم پہلا اخبار ہے جس نے ہمدرد کے فراموش شدہ عہد کو زندہ کیا ہے، خیالات پُرجوش

طرز تحریر پسندیدہ، ترتیب موزون، مواد وافر، لکھائی چھپائی صاف، کاغذ بھی اچھا، قیمت سالانہ ؏،

پتہ: دفتر اخبار قوم، دہلی،

اعجاز القرآن، امرتسر سے شایع ہوا ہے، اسکا مقصد محض دینی خدمت اور تعلیمات قرآنی کی تبلیغ و اشاعت ہے، ابھی پہلا پرچہ شایع ہوا ہے، جسمین کوئی خاص قابل ذکر مضمون نہین، اس لئے مضامین کی نسبت ابھی کوئی راے نہین ظاہر کیجا سکتی، لکھائی، چھپائی کاغذ ہر چیز محتاج توجہ و اصلاح ہے قیمت سالانہ ؏، دفتر اعجاز القرآن، حکیم روڈ، امرتسر، (پنجاب)

اسوۂ حسنہ، یہ رسالہ کسی جدید تعارف کا محتاج نہین، چھ مہینے کی مجبورانہ تعطیل کے بعد اب پھر نکلا ہے، اسکی گذشتہ خدمات اسلامی حلقون مین فراموش نہ کی گئی ہونگی، اس رسالہ مین عموماً اخلاقی اور اصلاحی مضامین شایع ہوتے ہین، جس خوش اسلوبی کے ساتھ یہ اپنے فرائض ادا کرتا رہا ہے یقین ہے کہ اس جدید دور مین بھی وہ اُن سے قاصر نہ رہیگا، اسکا حصۂ نقد، عیوب مراعات سے ہمیشہ پاک رہا ہے، واقعات حاضرہ کے متعلق اسکی راے ہمیشہ بے لاگ رہی ہے، پہلے میرٹھ سے شایع ہوتا تھا اب دہلی (بازار مچھلی والان) سے شایع ہوتا ہے، قیمت قسم اول ؏، قیمت قسم دوم ؏،

زمانہ کانپور، یہ رسالہ بھی اپنی گذشتہ شاندار خدمات کے لحاظ سے محتاج تعارف نہین، ایک زمانہ مین اردو کے ادبی رسائل مین اسکا شمار سب سے اول تھا، اسکے بعد بعض حالات کی وجہ سے کسیقدر اپنے رتبہ سے گر گیا تھا، مگر اس جدید دور مین یہ بوڑھا پہلوان بھی نئے تیور کے ساتھ میدان مین اترا ہے امید ہے کہ اگر منشی دیا نرائن صاحب نگم کی توجہ آزاد نے سلب نہ کرلی تو رسالہ اپنی پہلی شان دوبارہ حاصل کرلیگا، ادہر جو پرچے نکلے ہین اُن مین اردو نظم و نثر کا عمدہ لٹریچر فراہم کیا گیا ہے، اسکے افسانہ کا حصہ ہمیشہ پسندیدہ رہا ہے، بعض اقتصادی مضامین بھی اس نے قابل قدر شایع کئے ہین، رفتار زمانہ کے تحت مین جن سیاسی خیالات کا اظہار ہوتا ہے، شاید قوم پرست اُنکو پسند نہ کرین، لکھائی چھپائی

کاغذ عمدہ ہوتا ہے، ہر مہینہ مین متعدد تصویرین بھی ہوتی ہین قیمت سالانہ للعہ (۴)، دفتر زمانہ کانپور،

النظامیہ، فرنگی محل لکھنؤ کا علمی اور مذہبی رسالہ ہے جو کئی برس سے کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے کبھی کبھی اسمین عمدہ مضامین نکلا کرتے ہین، علماے فرنگی محل کے خیالات اور مجتہدات علمی کو دیکھنا ہو تو اس رسالہ کو منگوائیے، قیمت ۸ عہ پتہ: فرنگی محل لکھنؤ،

محقق، دلی کے متعدد جدید رسائل مین ایک نیا رسالہ یہ نکلا ہے جسکا دعوی ہے کہ وہ مذہب کو عقل ونظر کی میزان سے تولیگا، پہلا پرچہ ہمارے پاس پہنچا ہے، ع سالے کہ نکواست از بہارش پیداست کیا آجکل دلی مین برسات کا موسم ہے۔

الواعظ، حیدرآباد دکن سے ایک نیا ماہوار مذہبی رسالہ نکلا ہے، مضامین نظم ونثر پسندیدہ ہوتے ہین، قیمت سے پتہ: دفتر واعظ، شاہ علی بنڈہ حیدرآباد،

مخزن، لاہور کا یہ پرانا ادبی رسالہ جو تقریبًا ۱۸ برس سے نکل رہا ہے، ہمارے اکثر ادبی رسالون کا پدر اول ہے، یہ امر اُسکے اولیات مین شمار ہوگا کہ جدید تعلیم یافتہ فرقہ کو اسی نے سب سے پہلے ادہر متوجہ کیا، اسوقت اُردو کے اکابر اہل قلم مثلاً ڈاکٹر اقبال، میر نیرنگ، مولوی حسرت ہانی انکا جوہر تحریر اسی کے ذریعہ منظر عام پر نمایان ہوا،

شیخ عبدالقادر بی۔اے جب سے عملاً اس رسالہ سے علٰحدہ ہوگئے، وہ اپنا قدیم وقار قائم نہ رکھ سکا تاہم اسکی سخت جانی کی داد دینی پڑیگی کہ اُس نے اس نااتفاقی کے باوجود اپنی زندگی کو اس مدت دراز تک قائم رکھا، مولوی تاجور نجیب آبادی کچھ عرصہ سے اُسکے ایڈیٹر ہین، اور ہم نہایت خوشی کے ساتھ دیکھ رہے ہین کہ وہ مخزن کی نشأۃ ثانیہ مین کامیاب کوشش کررہے ہین، اور اب مخزن کا نام دوبارہ زبانون پر آرہا ہے، اگر مضامین کے انتخاب مین ذرا اور احتیاط برتی جاے تو اسکی سطح کی بلندی مین کوئی شک وشبہہ نہ رہے، قیمت للعہ پتہ: دفتر مخزن لاہور،

مجلد سوم	ماہ اپریل سنہ ۱۹ ء مطابق ربیع الثانی سنہ ھ	عدد دہم

مضامین

(۱)	شذرات	مولوی عبدالماجد بی۔اے	۵۰۶ - ۵۱۰
(۲)	بعض فرق اسلامیہ	مولانا عبدالسلام ندوی	۵۱۱ ۵۲۱
(۳)	معاصرانہ چشمک	جناب مہدی حسن صاحب فادی الاقتصادی	۵۲۲ ۵۴۱
(۴)	اصول تعلیم	جناب ظفر حسین خانصاحب گورنمنٹ ٹریننگ کالج	۵۴۲ ۵۵۱
(۵)	سرسید کے چند خطوط		۵۵۲ ۵۵۵
(۶)	غزل فارسی	مولانا عبدالسلام ندوی	۵۵۶ -
(۷)	غزل فارسی	مولوی ابوالحسنات ندوی	۵۵۶ ۵۵۷
(۸)	مساوات فاروقی	مولوی حامد حسن قادری بچھرایونی (ایڈیٹر سعید)	۵۵۷ ۵۵۸
(۹)	غزل اردو	جناب مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی	۵۵۸ -
(۱۰)	مطبوعات جدیدہ	انقلاب دہلی (۵۵۸) مسلمانان اندلس نتائج بعثت	
		مسدس ہاروت و ماروت۔	۵۵۹ ۵۶۰

تصحیح۔ نمبر ۹ میں "سخن حبیب" کے دو مصرعوں میں حسب ذیل تصحیح فرمالیں،

۱۔ طبع نازک بے نیاز از قید رسم افتادہ است،

۲۔ آٹھویں شعر کے مصرع ثانی میں "درِ دل" کی بجائے دردِ دل چاہیئے۔

ایڈیٹر

شذرات

ازمولوی عبدالماجد بی اے

حال مین مسز اینی بسنٹ کے مشہور روزانہ اخبار نیو انڈیا کے علمی ضمیمہ مین محمد ابراہیم صاحب کے قلم سے علامہ شبلی کے معرکۃ الآرا رسالہ کتبخانہ اسکندریہ کا ملخص ترجمہ شایع ہوا ہے، مترجم صاحب کی کوشش بہرصورت قابل ستائش ہے، لیکن افسوس ہے کہ بیجا اختصار نے ترجمہ کو بے لطف بنا دیا ہے۔ مدت ہوئی حیدرآباد کے ایک صاحب نے رسالہ مذکور کا پورا ترجمہ انگریزی مین کیا تھا جو اسی زمانہ مین شایع ہوگیا تھا، لیکن اُسے لفظی پابندیون نے خشک وبے مزہ بنا دیا تھا، ضرورت اسکی ہے کہ مسٹر محمد علی کی قابلیت کا کوئی شخص اسکے مطالب کو اپنے طرز پر انگریزی مین ادا کرے جسمین ترجمہ کی جھلک نہو۔

بنگال کو ہندوستان کے دوسرے صوبون پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہے وہ محض سیاسیات کی بنا پر نہین محض اس بنا پر نہین کہ اُس نے بنرجی، باسو، و سنہا پیدا کئے ہین بلکہ علم و فن کے ہر شعبہ مین اسکا قدم سب سے آگے ہے، ٹیگور سے بڑھکر اسوقت دنیا مین کسی شاعر کی شہرت نہین، "نوبل پرائز" جو اساتذۂ علم و ادب کے لئے سب سے بڑا تمغہ سمجھا جاتا ہے، کئی سال ہوے انہین مل چکا ہے، اور مشہور انگریزی پبلشر میکملن کمپنی اُنکی تصانیف کا کاپی رائٹ (حق اشاعت) ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ معاوضہ دیکر خریدتی ہے، مس تارادت بنگال ہی کی مشہور انگریزی شاعرہ ہوئی ہے، نئے لوگون مین اس وقت ہیرندر و ناتھ چٹو پادھیا کی شاعرانہ شہرت کا آفتاب عروج پر ہے، بڑے سے بڑے انگریز ناقدین سخن انکی داد دینے پر مجبور رہتے ہیں، سرجے، سی بوس نے طبعیات وعلم الحیات مین اس پایہ کے انکشافات

کئے ہین کہ کلیسلے، اور ٹنڈل تک کے نام اُسکے سامنے ماند پڑ گئے ہین، فن کیمیا (کمیسٹری) مین سر پی۔ سی راے کی تحقیقات و اجتہادات سے یورپ مین استناد کیا جاتا ہے، ڈاکٹر برجیندر ناتھ سیل کی فلسفیانہ عظمت یورپ کے اعلیٰ علمی حلقون مین مسلم ہی، آر، سی دت اور پروفیسر جادو ناتھ سرکار کی مورخانہ اہمیت سے کسکو انکار ہو سکتا ہی، اسی طرح طب، ریاضی، ہیئت، منطق، اقتصادیات غرض ہر علم و فن کی مجلس مین فرزندان بنگال نے محققین یورپ کے پہلو مین اپنی جگہ نکال لی ہے، لیکن کیا اس ساری آبادی مین کوئی مسلمان نہین بستا؟ ہندو بنگالیون مین اس درجہ و مرتبہ کے اگر سو دو سو افراد ہو چکے ہین تو مسلمان بنگالیون مین کم سے کم دس پانچ تو اس معیار پر پورے اُترتے، لیکن کیا دو ایک کا نام بھی لیا جا سکتا ہی؟ سُنتے ہین کہ بنگال کے مسلمان جوش و ولولہ، عزم و بلند نظری، حمیت و غیرت قومی مین اپنے ہم مذہبون سے بہت آگے ہین، کیا کسی پرجوش و باہمت و غیور قوم کی دماغی سطح اسقدر پست رہنا چاہیئے؟

اردو جسقدر اول نظر مین کم مایہ معلوم ہوتی ہے حقیقتہً اسقدر نہین، اس ظاہری کم مائگی کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے ہان ابتک پبلشنگ (نشر و اشاعت) کا کوئی معقول و باقاعدہ انتظام نہین، یورپ مین یہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے، سیکڑون بڑے بڑے کارخانے اور کمپنیان محض نشر و اشاعت مطبوعات کی غرض سے قائم ہین جو شائقین کتب کو انکے مذاق کی مطبوعات سے برابر آگاہ کرتی رہتی ہین، انگلستان کا نہایت مشہور دار الاشاعت ٹائمس بک کلب ہے، اسکا دعویٰ ہے کہ وہ انگریزی زبان کی ہر کتاب کو خواہ کسی ملک اور کسی زمانہ مین چھپی ہو مہیا کر سکتا ہے بشرطیکہ دنیا مین اسکا وجود کہین باقی ہو، اس سے بھی بڑھکر اس نے یہ سہولت پیدا کر رکھی ہی کہ جس فن سے ذوق ہو اسکی اسے اطلاع دیدیجائے اور وہ اس موضوع کے متعلق تمام مطبوعات کی ایک فہرست مع انکی قیمت اور مصنف کے نام وغیرہ کے بھیجدیگا کہ خریدار اس مین سے خود انتخاب کرلے، اردو کے لئے بھی

جب تک بڑے پیمانہ پر کوئی دارالاشاعت نہ قائم ہوگا ہمین علوم کی ترقی نہین ہوسکتی ۔

ہمارے ہان کسی تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے بھی اگر یہ سوال پیش کیا جاے کہ اردو مین فن منطق پر کچھ کتابین ہین تو شاید ہر شخص اسکا جواب نفی ہی مین دے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اردو مین اس فن پر متعدد کتابین موجود ہین، ذیل مین چند کے عنوانات مع اُنکے سنین طبع و اسمار مصنفین کے درج کیے جاتے ہین؛

کتاب	مصنف	سنہ و مقام طبع
کوائف المنطق	مسٹر ٹی جے اسکاٹ (بریلی مین پادری تھے)	۱۸۶۲ء لکھنؤ
خلاصتہ المنطق	بابو دیبی پرشاد	۱۸۶۲ء لکھنؤ
مبادی الحکمتہ	مولانا نذیر احمد	۱۸۷۳ء دہلی
منطق قیاسی	بابو مدن گوپال ایم ۔ اے	۱۸۷۹ء لاہور
منہاج المنطق	محمد رضا خان	۱۸۸۰ء لکھنؤ
منطق استخراجی	چودہری علی گوہر ایم اے	۱۸۹۰ء لاہور
منطق استقرائی	پیرزادہ محمد حسین ایم اے	۱۸۹۳ء لاہور

اِنکے علاوہ ملک کے مشہور مشرقی کتبخانون مین اور بھی متعدد کتابین اردو مین منطق کی ملتی ہین لیکن انکے وجود کا کسکو علم ہے؟ اس عام بیخبری و لاعلمی کا اگر کچھ علاج ہوسکتا ہے تو صرف یہی کہ اعلیٰ پیمانہ پر ایک دارالاشاعت قائم کیا جائے ۔

علوم و فنون کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے مصنفین و اہل قلم کی قدردانی کیجائے، انکی تصنیفات کی سرپرستی ہو، اور انہین گرانقدر وظائف و کمر معاش کی جانب سے

مطمئن کر دیا جائے، مشرق مین ہمیشہ اس طریقہ پر عمل رہا ہے، اور جمہوریت پسند و حریت دوست

مغرب بھی اس دائرہ سے ابتک قدم باہر نہین رکھہ سکا ہے، انگلستان، فرانس، جرمنی ہر ملک مین

کم و بیش یہ طریقہ ابتک جاری ہے، خود ہندوستان مین گورنمنٹ آج سے چالیس پچاس سال پیشتر

اس اصول پر عامل تھی، مولانا نذیر احمد کی اکثر تصانیف اسی دور کی یادگار ہین، آزاد و حالی کی بھی

بعض تحریرین اسی سلسلہ کی کڑیان ہین، لیکن ایک عرصہ سے یہ مد غالباً سرکاری بجٹ (تقدمہ) سے

نکال دیگئی، کیا اب گورنمنٹ کے نزدیک اردو کو اسکی ضرورت باقی نہین، یا گورنمنٹ کے اہل حل و عقد

اب اتنے جوہر شناس و علم دوست نہین رہے جتنے پیشتر تھے؟ اسقدر تو یقینی ہے کہ مولانا نذیر احمد کی

مبادی الحکمۃ پر جو تقریظات اسوقت کے ڈائرکٹر تعلیمات اور لفٹننٹ گورنر نے تحریر کی تھین، اُنکی

توقع موجودہ اعلیٰ عہدیداروں سے ہرگز نہین ہو سکتی

اسی زمانہ کے ایک خوش قسمت مصنف مولوی مظہر الحق مظہر ہین، دلّی کے باشندہ، پہلے شاید

کسی اسکول مین ماسٹر تھے، پھر ایک رئیس کے اتالیق ہو گئے، ۱۸۷۰ء مین اُنھون نے ایک کتاب

مظہر المضامین کے نام سے ترجمہ و تالیف کی، جسمین یورپ کے علوم و فنون و دیگر حالات کے متعلق

تیس متفرق مضامین ہین، کتاب کی ضخامت چھوٹی تقطیع پر ڈیڑھ سو صفحہ کی ہے، نوعیت مضامین کا اندازہ

عنوانات ذیل سے ہو سکتا ہے،

(۱) غبارہ یا بیلون،	(۵) کتبخانہ ہاے یورپ،
(۲) خاصہ کہربائی یا الکٹرسٹی،	(۶) مقیاس الریح یا آلہ بیرومیٹر
(۳) آلات برقی،	(۷) قوس قزح،
(۴) مرکز العلوم کیمبرج یونیورسٹی،	(۸) بجلی اور رعد وغیرہ،

کتاب معمولی درجہ کی تھی، لیکن حکومت کی سرپرستی اُسے بھی حاصل ہوگئی، مصنف کو معقول صلہ ملا اور کتاب طبع ہوئی، اسکے دیباچہ مین مصنف صاحب اپنے ایک تذکرۂ شعراء فارسی کا تذکرہ ان الفاظ مین کرتے ہین:-

"دو ہزار شاعرون کی پانچ برس مین تاریخ لکھی، جان کھپائی، تلاش کی، منصف جانتے ہین کہ فارسی شاعرون کی ایسی تاریخ کسی نے نہ لکھی تھی، مگر قسمت کی بات ہے اسکا کوئی خریدار نہوا، ایک صندوق مین پڑی ہے، سچ تو یون ہے کہ ردّی ہے، اگر خدانے چاہا اور کچھ سرمایہ بہم پہنچا تو خود ہی لکھونگا، گورنمنٹ کو بھیجونگا، اسکے سوا کون قدردان ہے"

کیا اسوقت بھی کسی اہل قلم کو گورنمنٹ سے وہ حسن ظن ہے جسکا نمونہ فقرۂ زیر خط مین نظر آتا ہے"

ضمناً اس کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسوقت گورنمنٹ کا ارادہ اُردو یونیورسٹی کے قیام کا تھا چنانچہ خود یہ کتاب بھی اسی سلسلہ مین لکھی گئی تھی، مصنف لکھتے ہین کہ ہملوگ

"اپنی محسن سرکار کا شکریہ ادا کرتے ہین کہ عنقریب انہین علوم کی یونیورسٹی بزبان اُردو بھی مقرر ہونیوالی ہے، لیکن یہ کام کچھ آسان نہین، بڑا بھاری ہے، مدت چاہیئے جب ان علوم کی کتابون کا ترجمہ ہو، اس خیال سے اپنے ہم وطنون کی بہبود کے لئے اور اس نظر سے کہ یونیورسٹی مذکور کی اعانت ہو، احقر الخلائق .... الخ"

یہ عجیب لطیفہ ہے کہ جو خواب شمالی ہند مین ۱۸۶۰ء مین دیکھا گیا تھا اسکی تعبیر پچاس سال کے بعد دکن مین پوری ہوتی نظر آرہی ہے،

مقالات

اسلام مین مختلف فرقون کی نشو ونما
اور
اُسکے علل واسباب

از مولانا عبد السلام ندوی

خیالات اگرچہ بذات خود مادی نہین لیکن وہ مادیات کے سلسلے سے الگ نہین ہین، ہمارا دماغ جو خیالات کا گہوارہ ہے وہ خود مادیات سے گھرا ہوا ہے، اسلئے ذرون کی جنبش، ہوا کی حرکت اور دریا کی موج، مناظر طبعیہ کی دلفریبی، قوس وقزح کی بوقلمونی، تلوارون کی جھنکار، غرض دنیا کی ایک ایک چیز ہمارے دماغ مین ایک غیر محسوس ٹھوکر لگاتی ہے، اور اس سے خیالات کی جو لہرین اٹھتی ہین وہ مختلف علوم، مختلف عقاید، اور مختلف مذاہب کی صورت اختیار کرکے بحر بیکران بنجاتی ہین، نیوٹن کا مسئلہ جذب وکشش کتنا عظیم الشان اور کتنا نیتجہ خیز مسئلہ ہے، لیکن اسکا رگ وریشہ صرف انگور کے ایک خوشہ کے ساتھ وابستہ ہے،

یونان اور ہندوستان دونون کی سرزمین نے بکثرت دیوتا پیدا کئے، لیکن یونان کے دیوتا اکثر حسین، خوبرو اور نرم خو ہوتے تھے، کیونکہ وہان کے دلفریب مناظر اسی قسم کے لطیف مذہبی تخیل کو پیدا کرسکتے تھے، لیکن ہندوستان کے دیوتا سخت مہیب خوفناک اور ڈراونی شکل مین نمودار ہوئے کیونکہ یہان کے عظیم الشان میدانون، جنگلون اور پہاڑون کے نظارے سے دماغ مین اسی قسم کے بھیانک خیالات پیدا ہوسکتے تھے، دنیا مین جو لوگ کسی مذہبی عقیدہ کو تسلیم کرتے ہین، انکا دماغ بھی مختلف اسباب سے انکے قبول کرنے کے لئے پہلے سے تیار رہتا ہے، مثلاً شیعہ مذہب کو سب سے زیادہ ایران مین فروغ حاصل ہوا، بابی مذہب کے بانی اور اسکے پیرو سب سے پہلے ایران مین پیدا ہوئے، لیکن اسکا اصلی

سبب کیا تھا؟ اسکو یورپ کے مشہور مستشرق ڈاکٹر براؤن کی زبان سے سننا چاہیئے، وہ اپنی کتاب نقطۃ الکاف مین لکھتے ہین،

ایرانیان کہ از قدیم الایام ہموارہ اعتقاد باینکہ سلطنت موہبتے الٰہی است در ذہن ایشان راسخ شدہ بود، و از عہد ساسانیان معتاد بودند باینکہ پادشاہان خود را موجودات فوق بشری وچیزے شبیہ بالہ محسوب دارند (چنانکہ شاپور اول یعنی شاپور بن اردشیر بابکان در کتبہا خود را سوس (خدا) واہامی نامد) طریقہ شیعہ درمسئلہ امامت بالضرورت خیلے مناسب طبع ایشان می نمود، این است کہ کم کم مذہب شیعہ در ایران رواج یافتہ خطہ ایران مرکز و پناہگاہ این شیعہ از اسلام گردید، شیعہ نیز فرق مختلفہ می باشد، بعضی آنند کہ ائمہ را فقط معصوم می دانند بدون اینکہ ازین پایہ بالاتر روند، دیگر باین اکتفا نکردہ ایشان را دارائے بعضی از نعوت الٰہی یا آنکہ مظاہر خداوند تعالیٰ میدانند واین طائفہ باسم غلاۃ معروف اند- غلاۃ نیز چندین فرقہ بودہ اندکہ در جزئیات باہم اختلاف داشتہ اند، ولے بقول محمد بن عبدالکریم شہرستانی در ملل ونحل معتقدات ایشان ازین چہار طریقہ بیرون نبودہ است، تناسخ، تشبیہ، یا حلول رجعت بداء شیخیہ یعنی پیروان شیخ احمد احسائی را در جزاین طریقہ اخیرہ باید محسوب نمود، بنابراین اصل ریشہ طریقہ بابیہ را در بین معتقدات وطریقہ شیخیہ باید جستجو نمود، اصول عقاید شیخیہ از قرار ذیل است-

(۱) ائمہ اثنا عشر یعنی علی با یازدہ فرزندش مظاہر الٰہی ودارائے نعوت وصفات الٰہی بودہ اند-

(۲) ازانجائیکہ امام دوازدہم در ۲۶۰ھ از انظار غائب گردید وفقط در آخر الزمان ظہور خواہد کرد برائے اینکہ زمین را پرکند از قسط وعدل بعد از آنکہ پرشدہ باشد از ظلم وجور، وازانجائیکہ مومنین دائما بہ ہدایت ودلالت او محتاج باشند وخداوند بمقتضائے رحمت کاملہ خود باید رفع حوائج مردم نماید وامام غائب را در محل دسترس ایشان قرار دہد بنا علی ہذہ المقدمات

همیشه باید مابین مومنین یک نفر باشد که بلا واسطه با امام غائب اتصال و رابطه داشته و واسطه فیض بین امام وامت باشد واین چنین شخص را باصطلاح ایشان شیعه کامل گویند۔

شیخ احمد احسائی و بعد از و حاجی سید کاظم رشتی در نظر شیخیه شیعه کامل و واسطه فیض بوده اند

بعد از فوت حاجی سید کاظم رشتی در ۱۲۵۹ھ ابتدا معلوم نبود که جانشین وے یعنی شیعه کامل بعد از و که خواهد بود و لے طول نکشید که دو مدعی برائے این مقام پیدا شدند یکے حاجی محمد کریم خان کرمانی که رئیس کل شیخیه متاخرین گردید و دیگر مرزا علی محمد شیرازی که خود را بلقب باب بخواند مفهوم و مقصود ازین کلمه تقریباً همان معنی بود که از شیعه کامل اراده می شد،

لیکن شیعہ اور بابیہ کے علاوہ اسلام مین اور بھی متعدد فرقے پیدا ہوئے، اور اُنھون نے مختلف عقاید و مسائل ایجاد کئے، اسلئے اگر ان عقاید و اعمال کی تاریخ جدید طرز پر مرتب کرنی ہے تو ہمکو نہایت دیدہ ریزی سے پتہ لگانا چاہیئے کہ یہ فرقے کن اسباب سے پیدا ہوئے؟ کن اسباب سے لوگون نے اُنکے خیالات قبول کئے؟ کن لوگون نے اُنکی تائید کی؟ کن اسباب سے وہ ایک خاص زمانہ مین پیدا ہوے؟ اور ان تمام چیزون کا اسلام کی تاریخ پر بحیثیت مجموعی کیا اثر پڑا؟ یہ سچ ہے کہ ان فرقون کی تعداد اور اُنکی شاخین اس کثرت سے ہین کہ اگر ہر ایک کے عقاید و مسائل پر ان حیثیتون سے بحث کیجائے تو ہمکو کامیابی نہین ہوگی، تاہم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے لحاظ سے اس دلچسپ بحث کو بالکل نظر انداز بھی نہین کرنا چاہیئے۔

غلولیہ یا تناسخیہ شیعہ فرقہ اگرچہ اس عقیدہ کی بنا پر پیدا ہوا کہ خلافت صرف اہل بیت مین نصاً محدود ہے اور کوئی دوسرا شخص پیغمبر کا جانشین نہین ہو سکتا، لیکن آگے چل کر یہ عقیدہ مختلف مظاہر مین نمایان ہوا، غلاۃ کا ایک فرقہ پیدا ہوا جو حضرت علیؓ اور دوسرے ائمہ کو خدا یا مظہر خدا تسلیم کرتا تھا، یہ فرقہ جن اسباب کی بنا پر پیدا ہوا اسکی نسبت علامہ شہرستانی ملل و نحل مین لکھتے ہین،

"غالیہ وہ لوگ ہین جنھون نے اپنے ائمہ کے حق مین غلو کیا یہانتک کہ انکو مخلوقیت کی حد سے نکال دیا، اور ان پر خدا کے احکام لگائے، ان لوگون نے کبھی کسی امام کو خدا سے تشبیہ دی اور کبھی خدا کو مخلوق سے، انکے یہ شبہات حلولیہ، تناسخیہ اور یہود و نصاریٰ کے مذاہب سے پیدا ہوئے کیونکہ یہود نے خالق کو مخلوق سے اور نصاریٰ نے مخلوق کو خالق سے تشبیہ دی، پس یہ شبہے غلاۃ شیعہ کے ذہنون مین سرایت کر گئے، یہانتک کہ انھون نے بعض ائمہ پر خدا کے احکام لگائے۔

سب سے پہلے عبداللہ بن سبا نے جو یہودی تھا اس قسم کا خیال پیدا کیا، اور دوسرے یہودی یعنی عبداللہ بن سودا نے اسکی تائید کی،

ان دونون کا مقصد اگرچہ جیسا کہ علامہ ابو منصور نے کتاب الفرق بین الفرق مین تصریح کی ہے یہ تھا کہ مسلمانون مین بھی حضرت علی اور انکی اولاد کے متعلق وہی مذہبی عقیدہ قائم کردین جو عیسائیون مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت قائم ہو چکا تھا، لیکن آگے چل کر اس عقیدہ نے تاریخ اسلام مین متعدد پولیٹکل پیچیدگیان پیدا کردین، ابو مسلم اصفہانی اسی قوت کی بل پر بنو امیہ کے مقابلہ مین کھڑا ہوا، اور جو لوگ اس عقیدہ کے قائل تھے انھون نے اسکی اعانت کی، شیبان بن سلمہ الخارجی کی نسبت کتاب الفرق بین الفرق مین لکھا ہے،

واعان ابا مسلم علی اعدائه فی حروبه	اس نے ابو مسلم کو اسکے دشمنون کے مقابل مین مدد دی
وکان مع ذلك يقول بتشبيه الله تعالىٰ بخلقه	اور اسکے ساتھ اس بات کا قائل تھا کہ خدا اپنی مخلوق کے مشابہ ہو سکتا ہے

خلفاے عباسیہ جو اس عقیدہ کے سیاسی خطرات سے واقف تھے، اس قسم کے لوگون کو کبھی ابھرنے نہین دیتے تھے، منصور نے ابو مسلم کو اسی بنا پر قتل کرا دیا کہ وہ خود اس خدائی طاقت کی بنا پر مستقل سلطنت کا دعویدار ہو سکتا تھا، خراسان مین یوسف البرم نامی اسی قسم کا ایک شخص پیدا ہوا اور بہت سے لوگون کو اپنا متبع بنا لیا تو مہدی نے فوج کے ذریعہ سے اسکو گرفتار کرایا اور پھانسی دیدی، اسی زمانہ مین

۵ کتاب مذکور صفحہ ۸۱

مقنع نے نبوت کا دعوی کیا، بہت سے شعبدے دکھائے اور تناسخ کا مدعی ہوا، مہدی نے اُسکا بھی استیصال کردیا، معتصم کے زمانہ مین بابک نے اسی قسم کی قوت کا اظہار کیا اور وہ بھی قتل ہوا۔

بادشاہ کی انتہائی طاقت یہ ہے کہ وہ لوگون کو خدا کی شکل مین نظر آے، لیکن خلفاے عباسیہ چونکہ اس عقیدہ کی سیاسی پیچیدگیون سے واقف تھے اسلئے جو لوگ انکو خدا بناتے تھے وہ انکو بھی ناپسند کرتے تھے، ایکبار خراسان سے بہت سے معتقدین تناسخ آے اور منصور کے محل کے گرد گھوم گھوم کر کہنے لگے کہ "یہ ہمارے خدا کا محل ہے"۔ منصور سخت برہم ہوا، اور چونکہ اسوقت محل مین کوئی سواری نتھی پیادہ پا نکلا، عام اعلان کیا گیا اور ان مین چھ سو آدمی قتل کردیئے گئے۔

اس عقیدے کے سیاسی خطرات کے پیش نظر رکھنے کے بعد تاریخ علم کلام کے بہت سے عقدے خود بخود حل ہوجاتے ہین، فرق اسلامیہ مین صرف معتزلہ کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو خدا کو ہر حیثیت سے منزہ مانتا ہے، اس بنا پر انکا مذہب عقیدۂ تشبیہ و حلول کے بالکل مخالف ہے چنانچہ علامۂ شہرستانی ملل و نحل مین لکھتے ہین،

وکان التشبیہ بالاصل والوضع فی الشیعۃ	دراصل تشبیہ کا عقیدہ شیعون تک محدود تھا بعض
وانما عادت الی بعض اھل السنۃ بعد ذلک	اہل سنت مین یہ عقیدہ بعد مین پیدا ہوا، اہل سنت مین
وتمکن الاعتزال فیھم لما رأوا ان ذلک اقرب	اعتزال کو رسوخ حاصل ہوا کہ انکے نزدیک یہ عقیدہ
الی المعقول وابعد من التشبیہ والحلول[1]	عقل سے قریب اور تشبیہ و حلول سے بعید تھا۔

اہل سنت والجماعت مین خلفاے عباسیہ نے اعتزال کی جو تائید کی اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ عقیدۂ تشبیہ و حلول کی بنیاد سرے سے اُکھڑ جائے، اور جو سیاسی پیچیدگیان اسکی وجہ سے پیدا ہوتی ہین وہ پیدا ہونے پائین۔

[1] کتاب مذکور جلد ۲ صفحہ ۱۰-۱۱۔

معتزلہ نے نفی صفات کا مسئلہ جسکا حاصل یہ ہے کہ خدا کی ذات مین الگ الگ صفات نہین پائے جاتے، بلکہ اسکی ذات ہی تمام صفات کا مظہر بنجاتی ہے، اس غرض سے ایجاد کیا تھا کہ تعدد الٰہ یا تعدد قدما کی نفی کیجائے، لیکن چونکہ اس عقیدے سے مسئلہ حلول خود بخود باطل ہوجاتا تھا، اس لئے خلفائے عباسیہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکی تائید کی، علامہ شہرستانی نے ملل ونحل مین لکھا ہے۔

ونصرهم جماعة من بني امية على قولهم بالقدر	اور بنوامیہ کی ایک جماعت نے مسئلہ قدر مین اُنکی
وجماعة من خلفاء بني العباس على قولهم	تائید کی اور خلفائے عباسیہ کی ایک جماعت نے
بنفي الصفات وخلق القرآن[۱]	مسئلہ نفی صفات اور خلق قرآن کی حمایت کی۔

خلفائے بنوامیہ نے مسئلہ تقدیر کی تائید جن سیاسی مصالح کی بنا پر کی اسکی تفصیل آگے آئیگی، لیکن خلفائے عباسیہ نے مسئلہ نفی صفات وخلق قرآن کی جو حمایت کی اسکا مقصد بجز عقیدۂ تشبیہ وحلول کے قلع وقمع کرنا تھا جو انکے نزدیک سلطنت کے لئے خطرناک تھا۔

فرقہ خرمیہ | اسلام سے پہلے نوشیروان کے عہد مین ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو مزدکیہ کے نام سے مشہور تھا ان لوگون کا عقیدہ یہ تھا کہ ہرچیز مباح ہے، کوئی چیز ناجائز نہین، تمام لوگ زر، زمین اور زن مین شریک مساوی ہین، ایک شخص نہایت آزادی کے ساتھ دوسرے کی دولت، جائداد اور بی بی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، روس مین بالشویزم کی بنیاد بھی اسی اصول پر قائم ہوئی ہے،

اسلام مین بھی اسی قسم کا ایک فرقہ پیدا ہوا جو خراسان، رے، اصفہان، اذربائجان، کرخ ابی دلف، دو، درنجان، صروان، مصبرہ، ماسندان اور ان اطراف کے تمام دیہات اور قصبات مین پھیل گیا[۲]۔

اس فرقہ کی دو قسمین تھین، بابکیہ اور مازیاریہ، اور دونون کے دونون محمرہ کے لقب سے

---

[۱] کتاب مذکور صفحہ ۱۳، [۲] مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۳۶،

مشہور تھے، فرقہ بابکیہ، بابک خرمی کا پیرو تہا، جو آذر بائجان کے ایک کوہستانی علاقہ مین پیدا ہوا اور اسقدر مطلق العنانی اور فتنہ پردازی شروع کی کہ خلفاے بنو عباس کو تقریباً ۲۰ برس تک اسکے مقابلہ مین مصروف کارزار رہنا پڑا، بالآخر معتصم کے عہد مین اپنے بہائی اسحاق بن ابراہیم کے ساتھ گرفتار ہوا اور پہانسی پائی، مازیاریہ، مازیار کے پیرو تھے جس نے جرجان مین اس عقیدہ کا اظہار کیا، اور وہ بھی معتصم کے زمانہ مین گرفتار ہوکر مصلوب ہوا۔

تمام دنیا کی عید دن کو ہوتی ہے، لیکن فرقہ بابکیہ اپنی عید ایک مخصوص رات مین کرتا تہا جمین مرد اور عورت دونون جمع ہوکر شراب پیتے تھے، گاتے تھے، اور جب زن و مرد کا کامل اجتماع و اختلاط ہوجاتا تہا تو چراغ بجہا دیا جاتا تہا، اور جو عورت جسکے ہاتھ مین آجاتی تھی وہ اُس سے متمتع ہوتا تہا[1]۔

بظاہر یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ یہ فرقہ خواجہ حافظ کے فلسفۂ عیش و مسرت کی عملی تفسیر کرتا تہا جنھون نے یہ تعلیم دی ہے،

رموز مملکت خویش خسروان دانند گداے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

لیکن اوپر جو تفصیل گذر چکی ہے اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسکی حوصلہ آزمائی کے لئے ع "فراغتے وکتابے وگوشۂ چمنے" کے علاوہ میدان کارزار کی بھی ضرورت تھی، کیا اسلام مین اسی قسم کے عیش پرست لوگ پیدا ہوتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ فرقہ بھی غلاۃ شیعہ مین فرقہ حلولیہ یا تناسخیہ مین شامل تہا، ان لوگون کا خیال تہا کہ جو لوگ امام سے ربط و اتصال پیدا کرلیتے ہین وہ شریعت کی تمام پابندیون سے آزاد ہوجاتے ہین، یہی خیال تہا جو انکو تمام معاصی و منکرات کے ارتکاب کی جرأت دلاتا تہا، چنانچہ علامہ شہرستانی ملل و نحل مین لکھتے ہین،

---

[1] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۵۳ و ۲۵۴،

وتاول قوله تعالی لیس علی الذین آمنوا و عملوا الصلحات جناح فیما طعموا الآیة علی ان من وصل الی الامام ارتفع عنه الحرج فی جمیع ما یطعم و وصل الی الکمال والبلاغ وعنه نشأت الخرمیة والمزدکیة بالعراق[۱]	اور اس نے اس آیت کی کہ "جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا اُن پر کوئی گناہ نہین" یہ تفسیر کی کہ جو شخص امام تک پہنچگیا اُس سے ہر اُس چیز کے متعلق جسکو وہ کھاے حرج اُٹھہ گیا اور وہ درجۂ کمال تک پہنچگیا، عراق مین خرمیہ اور مزدکیہ اسی خیال کی بنا پر پیدا ہوے

استاذ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی کتاب الفرق بین الفرق مین لکھتے ہین:-

فاما غلاتهم الذین قالوا بالوهیة الائمه وابا حوا محرمات الشریعه کالبیانیه والمغیریته والجناحیة والمنصوریة والخطابیه و الحلولیه ومن جری مجراهم فماهم من فرق الاسلام وان کانوا منتسبین الیه[۲]	لیکن اُنکے وہ غلاۃ جو ائمہ کی الوہیت کے قائل ہوئے اور محرمات شریعت کو مباح کر لیا، اور فرائض شریعت کو ساقط کردیا، جیسے بیانیہ، مغیریہ، جناحیہ، منصوریہ، خطابیہ، حلولیہ، اور انکے مثل اور لوگ تو یہ اسلام کے فرقون مین نہین ہین، اگرچہ انکی طرف منسوب ہین -

اسی بنا پر جب ان مظاہر خدا مین کوئی مظہر انکی نگاہ سے غائب ہوجاتا تھا توان لوگون مین سخت اضطراب پہیل جاتا تھا، خراسان مین ابومسلم کے قتل کی خبر پہنچی تو یہ لوگ سخت مضطرب ہوئے اور اس اضطراب کی حالت مین کسی نے کہا کہ "وہ جب تک عدل وانصاف کا منارہ بلند نہ کرلے نہ مرسکتا نہ مرا ہے"، کسی نے اسکی موت کو تسلیم کیا اور اُسکی بیٹی فاطمہ کو امام بنایا[۳]- اس لحاظ سے یہ لوگ بھی سلطنت کے لئے اُسیقدر خطرناک ہوسکتے تھے جسقدر فرقہ حلولیہ یا تناسخیہ خطرناک تھا، یہی وجہ ہے کہ خلفا نے انکے استیصال کیلئے اپنی پوری طاقت صرف کردی اور انکے صناديد کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کیا، تاریخ کی کتابون مین ہے کہ خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین بکثرت زنادقہ و ملاحدہ پیدا ہوئے

[۱] کتاب مذکور صفحہ ۲۰۳ [۲] ایضاً صفحہ ۱۷ [۳] مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۳۶-

اور انکو خلفاء نے قتل کرادیا، مہدی کے زمانہ کے زندیق ضرب المثل ہین[۱]، ہادی کے زمانہ مین زنادقہ کا ایک گروہ تہا جو مسلمانون کو طواف کی حالت مین دیکہکر کہتا تہا کہ یہ لوگ جانورون کی طرح کہلیان مین چکر لگا رہے ہین، ہادی نے ان سب کی جستجو کی اور ان مین ایک جماعت کو قتل کرادیا[۲]۔ ان واقعات کو پڑھکر لوگون کے دل مین خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ان ملاحدہ کو فلسفہ اور مذہبی آزادی نے پیدا کیا ہوگا، لیکن درحقیقت یہ لوگ یا تو فرقہ خرمیہ مین شامل تھے یا اُن پر اس فرقہ کا شبہہ ہوتا تہا، اسلئے وہ پالیٹکس کی زد مین آکر تہ تیغ ہوجاتے تھے، ورنہ خلفاے عباسیہ نے فلسفہ اور فلسفہ کے نتائج کو کبھی صدمہ نہین پہنچایا

فرقہ باطنیہ | جس طرح شراب پینے سے رگون مین نہایت سرعت کے ساتھ خون دوڑنے لگتا ہے۔ اسی طرح یہ فرقہ تمام دنیاے اسلام مین اس سرعت کے ساتھ پہیلا کہ اسلام کے قالب مین مشرق سے لیکر مغرب تک دفعتہً یہ زہر سرایت کرگیا، سب سے پہلے اس مذہب کو ایک جماعت نے قائم کیا جنمین محمد بن حسین بذیذان، اور میمون بن دیصان خاص طور پر مشہور ہین، یہ دونون عراق کے جیلخانہ مین قید تھے، اور اسی مین اس مذہب کی بنیاد ڈالی، اور قیدخانہ سے نکل کر بذیذان نے اس مذہب کی دعوت کا آغاز کیا، مورخین کے بیان کے مطابق اس دعوت کا ظہور مامون کے عہد مین ہوا اور معتصم کے زمانہ مین وہ عام طور پر پہیلی، یہانتک کہ خود افشین جو معتصم کی فوج کا سپہ سالار رہتا تہا، اس مذہب مین داخل ہوا اور بابک خرمی کے اتباع بھی اسمین شامل ہوکر باہم مدغم ہوگئے، یہ یاد رہے کہ خلافت عباسیہ مین عجمیت کو جو رسوخ حاصل ہوا تہا اسکا یہی عہد شباب تہا، فرقہ باطنیہ کا جادو خصوصیت کے ساتھ جن لوگون پر چلا وہ حسب ذیل ہین،

(۱) عوام، اَن پڑھ، اور جاہل لوگ مثلاً نبطی، کردی اور مجوس کی اولاد،

(۲) فرقہ شعوبیہ جو عجم کو عرب پر ترجیح دیتا تہا اور یہ تمنا رکہتا تہا کہ سلطنت پھر عجمیون کو واپس ملجاے

۱ؔ ثمار القلوب ثعالبی صفحہ ۱۳۰، ۲ؔ مختصر الدول صفحہ ۲۲۱،

۳ - بنو ربیعہ جنکا دل قبیلۂ مضر پر اسلئے جلتا تہا کہ پیغمبر اسلام کا ظہور انہی مین سے ہوا، اسی رشک وحسد کی بنا پر جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوی کیا تو بنو حنیفہ اسپر ایمان لائے، تاکہ جسطرح قبیلہ مضر مین ایک پیغمبر پیدا ہوا اسی طرح بنو ربیعہ مین بھی ایک پیغمبر پیدا ہو جائے -

فرقہ باطنیہ کے متعلق مورخین مین سخت اختلاف ہے، علامہ ابن صاعد اندلسی کی تصریح کے مطابق وہ قدیم فلسفہ سے متاثر نظر آتا ہے، چنانچہ انھون نے طبقات الامم مین جہان بندقلیس کا تذکرہ کیا ہے وہان لکہتے ہین،

وطائفة من الباطنية تنتهي الى حكمته وتزعم ان له رموزا قلما يوقف عليها وكان محمد بن عبد الله بن مرة الجبلي الباطني من اهل قرطبة كلفا بفلسفته دوباً على دراستها ۱ہ	باطنیہ کے ایک گروہ کا سلسلہ اسی کی حکمت تک منتہی ہوتا ہے، اور وہ خیال کرتا ہے کہ اسکے چند رموز ہین جن سے بہت کم واقفیت حاصل ہو سکتی ہے، محمد بن عبداللہ بن مرۃ الجبلی الباطنی جو قرطبہ کا رہنے والا تہا اسکے فلسفہ کا دلدادہ تہا اور ہمیشہ اسکا درس دیا کرتا تہا -

یہ لوگ چونکہ قرآن، زبور، توراۃ اور انجیل وغیرہ مین شکوک پیدا کرتے تھے اور حشر ونشر وملائکہ وغیرہ کے منکر تھے، اسلئے بعض متکلمین کا خیال ہے کہ وہ دہریت کے قائل تھے، چنانچہ استاد ابو منصور بغدادی کتاب الفرق بین الفرق مین لکہتے ہین،

وفي هذا الذي ذكرنا دلالة على ان غرض الباطنية القول بمذاهب الدهرية واستباحة المحرمات وترك العبادات،	یہ تمام باتین جو ہمنے بیان کین اُنسے ثابت ہوتا ہے کہ باطنیہ کا مقصد دہریت اور محرمات شرعیہ کی اباحت اور عبادات کا چھوڑنا تہا -

بعض لوگون کا خیال ہے کہ یہ لوگ صابی المذہب تھے کیونکہ حمدان قرمط جو میمون بن دیصان کے

ؔ۱ طبقات الامم صفحہ ۲۱،

بعد اس مذہب کا داعی ہوا، حران کا صابی تہا، اور حران کے صابی اپنا مذہب کسی پر ظاہر نہین کرتے

اور یہی حال باطنیون کا بھی ہے ۔

فرقہ باطنیہ نے بھی فرقہ خرمیہ کی طرح احکام شریعت کے متعلق مطلق العنانی اختیار کی تھی اسلئے بعض لوگون کا خیال ہے کہ وہ فرقہ خرمیہ سے الگ نہین ہے، مسعودی نے مروج الذہب مین لکہا ہے کہ فرقہ خرمیہ کو خراسان مین باطنیہ ہی کہا جاتا ہے، لیکن درحقیقت اسکی تولید کا اصلی سبب یہ ہے کہ جو قدیم قومین کسی جدید مذہب مین داخل ہوتی ہین انکے دلون مین مدتون انکے مذہب، انکی سلطنت اور انکے تمدن کی یاد تازہ رہتی ہے، اور ہر ممکن طریقہ سے اپنے مذہبی احکام و روایات کو اس جدید مذہب مین شامل کرنا چاہتے ہین، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکہتے ہین[۱]

اور مذہبی تحریف کے اسباب مین ایک سبب ایک مذہب کا دوسرے مذہب کے ساتھ اسطرح مدغم ہوجاتا ہے کہ دونون باہم متمائز نہون، یہ اس وجہ سے کہ جب ایک انسان کسی مذہب کا پابند ہوتا ہے اور اُسکے دل مین اس طبقہ کے علوم متمکن ہوجاتے ہین پھر وہ مذہب اسلام مین داخل ہوتا ہے تو اُسکے دل کا میلان اس قدیم مذہب اور قدیم علوم کی طرف رہتا ہے، اس لئے اسکے لئے اس مذہب مین کوئی وجہ چاہے وہ ضعیف ہو یا موضوع تلاش کرتا ہے اور بسا اوقات وضع روایت اور وضع کو بھی اسکے لئے جائز رکہتا ہے، رسول اللہ صلعم کا یہ قول کہ بنو اسرائیل کا مذہب ہمیشہ معتدل حالت مین قائم رہا، یہانتک کہ ان مین لونڈی زادے پیدا ہوے، اور انھون نے اپنی راے سے باتین پیدا کین اسلئے خود گمراہ ہوے اور دوسرون کو گمراہ کیا، اسی بنیاد پر ہے ہمارے مذہب مین بنو اسرائیل کے علوم، خطباے جاہلیت کی تذکیر، یونان کی حکمت، اور بابلیون کی دعوت اور پارسیون کی تاریخ، اور نجوم رمل اور کلام اسی بنا پر داخل ہوا۔ باقی

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۹۶،

حالی و شبلی
کی
معاصرانہ چشمک

جدت موضوع چاہتی تھی کہ جہانتک ہماری آخری بزم کا تعلق ہے اس لپیٹ مین کوئی چھوٹنے نپائے، لیکن افسوس ہے مواد ترکیبی کی کمی نے زیادہ پھیلنے کا موقع نہ دیا، اور گو "چشمک" کا دائرہ اطلاقی حالی و شبلی کی شوخی قلم سے آگے نہین بڑھتا لیکن مین ضمناً اور دون کا انداز طبیعت (کیرکٹر) بھی دکھاؤنگا، اور بکھرے ہوے موتیون کو جہان جہان سے ہاتھ آئینگے سلسلۂ بیان مین پروتا جاؤنگا،

سرسید کی "بزم ادب" بچے کھچے پرانے لائق پرستش بزرگون کا گویا نچوڑ تھی، لیکن جس طرح خیمہ کے ساتھ طنابین بھی اُکھڑ جاتی مین، اُنکے رفقا بھی ایک ایک کرکے آگے پیچھے ہمسے رخصت ہوتے گئے، انکی نکتہ سنجیان، اور روشن خیالیان، بوڑھے عمر سے دور لطائف و ظرائف، قدیم اسلامی سوسائٹی کے تبرکات تھے، جن سے ہم ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھے، اور اب ان اصحاب کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے جنھون نے جماجمایا نقشہ یعنی پچھلے پہر کا خواب اپنی آنکھون سے دیکھا ہے،

ان مین سے ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کا مالک تھا، اور مستقل ہستی رکھتا تھا، آج **وقار الملک** اور محسن الملک کی یادگار مین چند سطرین بھی کوئی لکھنے والا نظر نہین آتا، اور "رجال العصر" کے سلسلہ مین انکی ضمنی اہمیت انکا بہترین حق ہے، جو ہمارے ہاتھون انکو مل سکتا ہے، مین یہان ان دونون لائق افراد کی زندگی کا وہ رُخ دکھانا نہین چاہتا جسکے لحاظ سے کبھی یہ سالار جنگ اعظم کے نفس ناطقہ بنے ہوئے تھے،

محسن الملک کے اس کارنامہ کو یاد دلانا چاہتا ہون جب انکے قیام لندن مین وزیر انگلستان کو

اعتراف کرنا پڑا کہ ہندوستان مین اتنا بڑا عالی دماغ موجود ہے، اسی طرح ان دونون صاحبون کی سیاسی اور قومی خدمات بھی میرے موضوع کے لئے حیثیت اضافی رکھتی ہین، لیکن یہ بات بھولنے کے لائق نہین ہے کہ جہانتک سرسید کی ادبی تبلیغ کا تعلق ہے یہ دونون گویا اُنکے دست و بازو تھے، سرسید کے ساتھ محسن الملک کی نوک جھونک ادبی راز و نیاز جسکا ایک خاکہ مراسلات دلچسپ مین دکھایا گیا ہے اور جسکے عالمانہ اور سخن گسترانہ شواہد "مرحوم تہذیب الاخلاق" کے سیزدہ سالہ فائل مین بکثرت ملین گے، فتوحاتِ ادب کا بہترین سرمایہ ہین، جنپر مستقلاً اظہار خیال کی ضرورت ہے، میرے موضوع کے صفحاتِ محدود مین انکے پھیلانے کی گنجائش نہین یہان صرف چشم سخن کے اشارہ پر قناعت کرنی ہوگی

بہرحال کس کس کسکو یاد کرون، محسن الملک، وقارالملک، چراغ علی، ذکاء اللہ، نذیراحمد، حالی و شبلی وغیرہ وغیرہ سجی سجائی محفل تھی جو دیکھتے دیکھتے درہم برہم ہوگئی "سرسید کی بزم ادب" ایسا وسیع موضوع ہے کہ اگر مولوی وحیدالدین سلیم نے اپنی عمر ضایع نہ کی ہوتی اور سرسید اور انکے رفقاء کے ساتھ جو وابستگی انکو رہی ہے اور جسکے آثار "معارف" کے نقش اول مین بافراط موجود ہین، وہ افسانۂ یاران کہن کی حیثیت سے ایک ضخیم الاوراق اور نہایت دلچسپ کتاب طیار کرسکتے تھے، اگر یہ صحیح ہے کہ کسی شخص کی اخلاقی فوقیت کا راز دراصل اسکی پاکیزہ سوسائٹی مین مضمر ہوتا ہے تو "سیر الصحابہ" کی طرح علیگڈھ کی یہ آخری بزم ادب ہمارے لئے دقت کی چیز اور نیتجہ خیز رہتی،

خیر، ان تصریحات کے بعد اصل موضوع کی طرف لوٹیے، سرسید نے ہمیشہ معاصرین ادب کی حوصلہ افزائی کی، انکی بااثر شخصیت خاموش تصرف کے ساتھ دوسرون کی قلب ماہیت کرتی رہتی تھی، شبلی نے "مولویت" علیگڈھ مین پہنچکر چھوڑی، انکے خیالات کی کایا پلٹ، مذاق تصنیف اور وسیع النظری غرض یہ جو کچھ ہوئے سرسید کے دامن تربیت کا اثر تھا، شبلی نے المامون کا دوسرا اڈیشن جب شایع کیا ہے تو سرسید نے جس خلوص کے ساتھ اسپر دیباچہ لکھا وہ آج بھی انکی شرافت ادبی کا پتہ دیتا ہے،

اسی طرح حالی کی نیچرل شاعری خیالات کے لحاظ سے سرسید کے فیض صحبت کی ممنون ہے، ابھی یہ فیصلہ باقی ہے کہ حالی کی روش جدید نے پروفیسر آزاد کی ڈالی ہوئی داغ بیل یعنی اُنکے نتائج فکر سے کہانتک فائدہ اُٹھایا جنکو تاریخی حیثیت سے کم سے کم اولیت کا شرف حاصل ہے، مختصر یہ کہ متاخرین ادب کے ساتھ سرسید کا درجۂ تناسبہ صرف مربیانہ تہا اسلئے ایسی باوقار ہستی سے چشمک تو خیر اسکی کسرات بھی بمشکل ہاتھ آئیگی،

پروفیسر آزاد اسقدر بلند خیال اور استادانہ دل و دماغ رکھتے تھے کہ انکے ہان بھی جہانتک معاصرین کا تعلق ہے "چشمک" کا گذر نہین، ایک واقعۂ دلچسپ اہل ذوق کی ضیافت طبع کے لئے لکھتا ہون، لاہور مین پہلی دفعہ جب ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ ہوا تو پروفیسر آزاد زندہ تھے، گو دماغ کسی حد تک متاثر ہو چکا تہا، نذیر احمد ملنے کے لئے گئے، حالی اور غالباً شبلی بھی ساتھ تھے نذیر احمد کا لکچر ہونے والا تہا جو چھپا ہوا اُنکے ہاتھ مین تہا، آزاد رسالہ کی طرف متوجہ ہوئے تو نذیر احمد نے یہ کہکر آگے بڑہا دیا کہ ایک نظر دیکھ لیجئے، کانفرنس مین پیش کرنا ہے، آزاد فوراً قلم سنبھال کر بیٹھ گئے اور کاٹ چھانٹ شروع کردی، نذیر احمد آزاد کی اس بے تکلفی سے اسقدر متاثر ہوئے کہ جوش محبت سے آنکھین نم ہو گئین، اُنکو قدرتی طور پر یہ خیال آیا کہ ابھی اُنکے دائرہ مین ایک شخص ایسا موجود ہے جو ایک "بوڑھے بچہ" کی مشق سخن پر نظر ثانی کر سکتا ہے،

حالی بھی آزاد کی استادی کا لوہا مانتے تھے، اُنکی مخلصانہ عقیدت کیشی کے لئے وہ تقریظ و تنقید دیکھئے جو "آب حیات" اور "نیرنگ خیال" پر حالی نے لکھی ہے، وہ جسمین ضمناً یہ طے کر دیا ہے کہ نیچرل شاعری درصل آزاد کی صنعتِ فکر کا نقش اولین اور انکی اولیات مین محسوب ہونیکے لائق ہے، حالی لکھتے ہین، "نظم و نثر مین بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے، یعنی لٹریچر کے رقبہ کا طول و عرض بڑھ گیا، لیکن سکا ارتفاع جہان تہا وہین رہا، یعنی اخلاقی سطح بہت اونچی نہین ہوئی، لیکن آزاد کی

پاکیزہ خیالی اور خوش بیانی نے بہ کمی پوری کر دی "نیرنگ خیال" کی بہت کچھ داد دی ہے، کیونکہ آزاد کے قلم نے "پہلے پہل جذبات انسانی کی تجسیم و تشخیص کی، اور معقولات کی تصویرین محسوسات کی شکلون مین کھینچی ہین، اور خصائل انسانی کے فطری خواص ایسے موثر اور دلکش پیرایہ مین بیان کئے ہین جن سے اردو لٹریچر اب تک خالی تھا"۔

شبلی بھی آزاد کا ادب کرتے تھے فرمایا کرتے تھے "آزاد اردو ے معلی کا ہیرو ہے، اسکو کسی سہارے کی ضرورت نہین، وہ اصلی معنون مین ایک زبردست انشا پرداز ہے"[۱] تاہم ایک ہلکی سی چشمک دیکھئے، ہندوستان کے سب سے بڑے انشا پرداز نے نیرنگ خیال مین جہانگیر کی یہ تصویر کھینچی ہے، "اسکے بعد ایک اور بادشاہ آیا جو اپنی وضع سے ہندو راجہ معلوم ہوتا تھا، وہ خود نشہ مین چور تھا، ایک عورت صاحب جمال (نور جہان) اسکا ہاتھ پکڑے آتی تھی اور جدھر چاہتی تھی پھراتی تھی، وہ جو کچھ دیکھتا تھا، اسکے نور جمال سے دیکھتا تھا اور جو کچھ کہتا تھا اسکی زبان سے کہتا تھا، اسپر بھی ہاتھ مین ایک فرد کاغذ کا تھا اور کان پر قلم دھرا تھا، یہ سوانگ دیکھکر سب مسکرائے مگر چونکہ دولت اسکے ساتھ ساتھ تھی، اور اقبال آگے آگے اہتمام کرتا آتا تھا، اسلئے بدمست بھی نہین ہوتا تھا، جب نشہ سے آنکھین کھلتی تھین تو کچھ لکھ بھی لیتا تھا"

"تزک جہانگیری" کی ریویو مین شبلی فرماتے ہین "آؤ دیکھین اس جھوٹ مین کچھ سچ بھی ہے؟ ہمارے انشا پرداز نے جہانگیر کے کبھی کبھی ہوش مین آنیکا جو کارنامہ بتایا ہے وہ اسکی کتاب تزک جہانگیری ہے" اسکے بعد شبلی نے جو کچھ لکھا ہے ناقدانہ اور سخن گسترانہ ہے، یعنی بے ضرر چشمک کی ایک خوبصورت مثال ہے جو عنوان زیر بحث کے تحت مین آسکتی ہے،

---

[۱] معارف: آزاد مرحوم کی وفات پر مولانا شبلی نے دارالعلوم کے صدر ہال مین جو لکچر طلبہ کے سامنے دیا تھا اسکا پہلا فقرہ یہ تھا "آج اردو کا خداے سخن مر گیا"

"شعرالعجم" جس زمانہ مین لکھی جارہی تھی مین نے شبلی کو توجہ دلائی کہ آزاد کی تالیف موعود پر نگاہ رہے کیونکہ جو موضوع مشترک پر نکلنے والی ہے، وہ سمجھے میرا مطلب "سخندان فارس" سے ہے، ایک دوست کو لکھتے ہین،

"آزاد کا سخندان پارس حصہ دوم نکلا، سبحان اللہ، لیکن الحمد اللہ میرے شعرالعجم کو ہاتھ نہین لگایا ہے"

مجھے تحریر فرماتے ہین "آزاد کی کتاب آئی، جانتا تھا کہ وہ تحقیق کے میدان کا مرد نہین، تاہم ادہر اُدہر کی گپین بھی ہانک دیتا تو دق معلوم ہوتی لیکن خدا کا شکر ہے کہ گیارہ لکچر تک اس نے میری سرحد مین قدم نہین رکھا، بارہوین مین یہ میدان مین اُترا ہے، لیکن زور پہلے صرف ہو چکا تھا، یونہی سرسری چکر لگا کر نکل گیا"

مین نے لکھا، میری غرض، سخندانِ فارس سے نہین بلکہ آزاد کے "تذکرۂ شعرا" سے تھی، اسپر تحریر فرماتے ہین، "مین آزاد کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا تھا، لیکن آپ نے پھر ڈرا دیا، مجھکو پہلے سے معلوم ہوتا تو اس مضمون پر ہاتھ نہ ڈالتا"، یہ جزئیات جو دکھا رہا ہون خارج از موضوع نہین ہین، اُن سے یہ پتہ چلیگا کہ شطرنج کی اصطلاح مین بساط ادب کے یہ شاطر مہرے آپس مین کس طرح گتھے ہوئے تھے۔

نذیر احمد بھی تحقیق پسند نہین تھے، انکی لے دے زیادہ تر سرسید پر رہتی تھی لیکن اسطرح کہ:

"وہ کہین اور سنا کرے کوئی"

خلوص تھا کہ حرف حرف سے ٹپکا پڑتا تھا، طبیعت مین منقولانہ رنگ غالب تھا اسلئے شروع شروع سرسید کے اجتہادات سے انکو جھجھک سی تھی جو رفتہ رفتہ گئی اور اس طرح گئی کہ سرسید کے عقیدت کیشان باصفا مین یہ کسی سے پیچھے نہین تھے، اور اُسپر فخر کرتے تھے، یہ فراخ دلی جسکے

شواہد انکے لٹریچر مین کثرت سے نظر آئینگے، سرسید تک محدود نہ تھی، اورون کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا، ایک آدھ واقعہ استشہاداً لیجیے،

علیگڈہ کے اسٹریچی ہال مین کانفرنس کی مقتدر جماعت کا اجلاس ہے، اطراف ملک سے پڑھے لکھے اور رو دار لوگ آ آکر جمع ہوئے ہین، خطیبانہ بلند آہنگی کے سلسلہ مین ایک آواز یون گویا ہوتی ہے، "مین نے کسی زمانہ مین عربی اچھی پڑھی تھی اب تو ایسا ذہول ہوگیا کہ مولوی شبلی ایک صیغہ پوچھ بیٹھین تو بغلین جھانکنی پڑین،" ان فقرون کا نکلنا تھا کہ اس زمانہ کے مولوی شبلی جو نئے نئے علیگڈھ آئے تھے ہزارون نگاہون کے نقطۂ شعاعی بنے ہوئے تھے، اور یہ انکی قابلیت کا پہلا اعتراف تھا جسکا اثر بجلی کی طرح ہال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دَور گیا،

اسی طرح نذیر احمد لکچر سے پہلے کبھی کبھی اپنی نظم سُنایا کرتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہین :-

"جس طرح یحییٰ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھسے ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہے، اسی طرح میری نظم گویا ندائے عام ہے کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑھینگے، اور مین اپنی پندار مین انکی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہون"، اخلاقاً ایک ہم عصر کی شاعرانہ فوقیت کے اعتراف کا یہ کتنا بلیغ اور خوبصورت پیرایہ ہے،

اب مین نفس مطلب سے قریب ہوتا جاتا ہون، یہانتک صرف بیانات اضافی تھے، اصلی کام حالی و شبلی کو باہم ٹکرانا ہے، لیکن ترتیباً پہلے یہ دیکھیے کہ حالی نے شبلی کی نسبت جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُسمین "چشمک" کا کوئی عنصر موجود ہے، یا نہین ؟ معارف مین نامۂ حالی و شبلی کا سلسلہ کچھ عرصہ سے جاری ہے، ان خطون مین حالی، شبلی کو اس خلوص حسن اشتیاق سے یاد کرتے ہین، انکی ایک ایک تصنیف کا جس شوق و ذوق سے نام گناتے ہین وہ بھی اس آرزو کے ساتھ کہ کوئی کتاب انکی لائبریری کے آغوش مین جگہ پانے سے رہ نہ جائے، اخلاص کی آخری حد ہے، خط دیرین ملتا ہے

تو کہتے ہین" اسقدر مدت کے بعد عنایت نامہ کے ورود نے میری آنکھون کے ساتھ وہی کیا جو پیراہن یوسف نے چشم یعقوب کے ساتھ کیا تھا" جس خط کو دیکھئے درد محبت اور ایک خاص طرح کی صدق عقالی جو بڑے بوڑھون کا حصہ ہوتی ہے، لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے، شبلی کے پاؤن کا واقعہ پیش آتا ہی تو گھبرا کر انکے فرزند رشید یعنی حامد شبلی سے خیر و عافیت دریافت کرتے ہین، اور باوصف اسکے کہ آنکھ نے جواب دیدیا ہے، قوی مین باقتضاے سن عام اضمحلال ہے، پھر بھی اعظم گڈھ کے سفر کی آمادگی ظاہر کرتے ہین، یہانتک کہ الندوہ مین شبلی کے احباب کی رباعیات دیکھکر حالی کو خیال آتا ہے کہ وہ مولانا (شبلی) کے زمرۂ احباب مین ہونیکا فخر حاصل کرین، اسلیئے ایک رباعی موزون کرکے بھیجتے ہین کہ الندوہ کے کسی آیندہ نمبر مین اُسے بھی جگہ دیدیجیگا،

سیرۃ النعمان جب شایع ہوئی تو حالی نے اسپر ریویو لکھا، فرماتے ہین " اُنھون نے (یعنی شبلی نے) اپنی ہر ایک پہلی تصنیف مین جس بلندی پر آپکو دکھایا ہے، اسکے بعد کی تصنیف مین انکی لیاقت اور روشن دماغی اس سے بلند تر منظر پر جلوہ گر ہوتی ہے، اور جہانتک میری نگاہ پہنچتی ہے سیرۃ النعمان کو ان سب سے اعلیٰ منظر پر پاتا ہون" کتاب کی ترتیب، اصول استنباط، اور طرز اجتہاد کے لحاظ سے شبلی کو حالی نے " فاضل، ادیب، محقق اور اگر وہ منظور کرین تو منشی اور شاعر" کی حیثیت سے یاد کیا ہے اور دکھایا ہے، کہ "جس طرح حُسن تناسب اعضا کا نام ہے، سیرۃ النعمان مین روایت و درایت کی تطبیق، اور جس موزون طریقہ پر راے اور قیاس سے کام لیا گیا ہے، اس طریقۂ استدلال سے فلسفۂ مذہب کی بنیاد قائم ہوتی ہے، اور مصنف (یعنی شبلی) نے اپنی فضیلت اور لیاقت پر سے بہت سے پردے اُٹھا دیئے ہین"

شبلی "دستۂ گل" ہدیۃً بھیجتے ہین تو حالی جواباً لکھتے ہین:-

" کوئی کیونکر مان سکتا ہے کہ یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے سیرۃ النعمان، الفاروق اور

سوانخ مولانا روم جیسی مقدس کتابین لکھی ہین، غزلین کا ہیکو ہین شراب دو آتشہ ہے جسکے نشہ مین خمار چشم ساقی بھی ملا ہوا ہے،[۱] غزلیات حافظ کا جو حصہ محض رندی اور بیباکی کے مضامین پرشتمل ہے ممکن ہے کہ اسکے الفاظ مین زیادہ دلربائی ہو مگر خیالات کے لحاظ سے تو یہ غزلین اُس سے بہت زیادہ گرم ہین ۔"

آپ کہین گے کہ ان مسلسل انکشافات مین سوائے بہکی ہوئی باتون کے مقصود اصلی یعنی چشمک کا اب بھی پتہ نہین، لیکن مین عرض کرچکا ہون کہ مین اصلی نکتہ سے قریب تر ہوتا جاتا ہون، اصولاً اخلاق کے ساتھ تھوڑی سی کج ادائی بھی ہو تو زیادہ اجاگر ہوتی ہے، جو آنکھین روشنی کی عادی ہوتی ہین اُنکو تاریکی گران گذرتی ہے، اسی طرح نفس انسانی کا رخ روشن اسکے دوسرے رخ کو زیادہ نمایان کردیتا ہے، اسلئے میری اضافی تصریحات بیکار نہین ہین، بہرحال اظہار خلوص کی حد ہو چکی، کچھ اصل موضوع یعنی "چشمک" کی مثالین لیجئے،

حیات جاوید مین ایک موقع پر حالی فرماتے ہین "اعلےٰ تعلیم کی حمایت کے جوش مین سرسید کے قلم سے بعض مواقع پر ایسے الفاظ نکل گئے ہین کہ ترجمون کی غرض سے سوسائٹی قائم کرنیکو وہ اپنی ایک غلطی تسلیم کرتے تھے، اور اسی بنا پر شمس العلماء مولانا شبلی نے مسلمانون کی گذشتہ تعلیم مین اس غلطی کا جسکو سرسید ۶-۷ برس پہلے ایجوکیشن کمیشن مین تسلیم کرچکے تھے ذکر کیا ہے، اور اس بنا پر کہ مغربی علوم و فنون کا دیسی زبان مین ترجمہ ہونا ممکن نہین ہے، سائنٹفک سوسائٹی قائم کرنے کو سرسید کی ایک غلطی قرار دیا ہے، اور اپنے اس دعوی پر کہ ترجمہ ممکن نہین زیادہ تر وہی دلیلین جو خود سرسید نے بعض مواقع پر بیان کی ہین پیش کی ہین ۔"

حالی کہتے ہین کہ "اگر مولانا (یعنی شبلی) کی یہ اصلی رائے ہوتی تو ہمکو اس سے تعرض کی ضرورت

---

[۱] کاش ساقیہ ہوتا ۔ (م)

نہ تھی، لیکن چونکہ انھون نے خود سرسید کے بعض بیانات سے یہ راے استنباط کی ہے، اسلئے ہمکو سرسید کے خیالات کا اصل منشار ظاہر کرنا ہے،" حالی نے ایک ایک کرکے اعتراضات کی تردید کی ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے کہ شبلی کے اعتراضات کا زیادہ تر حصہ خود سرسید کے خیالات سے ماخوذ ہی[1] "چمک" کی یہ پہلی مثال ہے جسمین حالی کی حیثیت نسبتی اقدامی نہین بلکہ دفاعی ہے اور جسمین ناقدانہ اظہار خیال کے سوا درپردہ کوئی چوٹ نہین ہے،

یہانتک تو آپ نے دیکھا کہ حالی کا شبلی کے ساتھ کیا رنگ تھا، لیکن یہ شراب اب تیز ہوا چاہتی ہے، اب یہ دیکھیے شبلی کے خیالات و مقالات کا جہانتک خوش صفات حالی کا تعلق ہے، کیا حال ہے، شبلی نے ابھی المامون نہین لکھی ہے یا لکھی ہے، لیکن لکھنے سے پہلے "حیات سعدی" پیش نظر ہے، ایک عزیز کو لکھتے ہین "ایک کتاب حال مین مولوی حالی صاحب نے لکھی ہے اور مجھکو تحفتۃً بھی ہے، شیخ سعدی کی نہایت دلچسپ محققانہ سوانح عمری ہے، مین نے بے اختیار اُسکو تمہارے لئے پسند کیا، اور مولوی حالی صاحب کو لکھدیا ہے کہ وہ تمہارے نام بھیجدین، واقعی بے مثل ہے اور تم کو اپنے پاس رکھنا نہایت ضروری ہے،" لیکن یہ دیکھنا ہے کہ شبلی جب خود تصنیفات کے مالک ہوے تو حالی کے ساتھ انکا یہ حسن ظن کہانتک قائم رہا، ؟

سوانح مولانا روم مین شبلی یون اظہار خیال کرتے ہین "تمام اہل تذکرہ متفق ہین کہ جن لوگون نے غزل کو غزل بنایا، وہ سعدی، عراقی اور مولانا روم ہین، اس لحاظ سے مولانا کے دیوان پر ریویو کرتے ہوے ہمارا فرض تھا کہ سعدی اور عراقی سے انکا موازنہ کیا جاتا، تینون بزرگون کے نمونے دکھائے جاتے اور ہر ایک کی خصوصیات بیان کیجاتین، اور چونکہ مولانا ہمارے ہیرو ہین، اسلئے مذاق حال کے موافق

[1] جس مضمون کا حوالہ حالی نے دیا ہے، رسائل شبلی کے طبع جدید مین اُسکے دو ٹکڑے ہوگئے ہین، یعنی قدیم تعلیم اور تراجم، جدید معلومات کے اضافہ کے ساتھ وہ حصہ نکال ڈالا گیا ہے جسمین سرسید پر کچھ اعتراضات تھے،

خواہمخواہ بھی اُنکو ترجیح دیجاتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا واقعہ نگاری کے فرائض کے بالکل خلاف ہے"

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی مان لیا جائے کہ شبلی کا ردے سخن حیات سعدی، یا یادگار غالب کی طرف ہے تو "چشمک" کی یہ نہایت ہی چبھتی ہوئی مثال ہوگی جو ناظرین کے سامنے پیش کیجا سکتی ہے لیکن ایک نکتہ سنج پوچھ سکتا ہے کہ کیا یہی طریقہ نمایان طور پر "موازنۂ انیس و دبیر" مین اور ایک کافی حد تک "شعرالعجم" مین اختیار نہین کیا گیا، ؟ کلیات خسرو جسکی تہذیب و ترتیب بزعم علیگڈھ آجکل کے معرکۂ ادبی مین پیش پیش ہے اور جسمین تنقید کے سلسلہ مین معاصرانہ کلام کا موازنہ کیا گیا ہے کہانتک واقعہ نگاری کے خلاف "مذاق حال" سے بے نیازی کا دعوی کرسکتی ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ آیا حالی اس نکتہ کے سمجھنے سے قاصر تھے ؟

چشمک کی دوسری مثال لیجئے،

تذکرۂ گلشن ہند کے حاشیہ مین شبلی لکھتے ہین: -"مولوی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ مین لکھنؤ کی شاعری مین صرف نواب مرزا شوق کی مثنویون کا اعتراف کیا ہے، لیکن چونکہ انکے نزدیک شعراے لکھنؤ سے ایسی فصاحت اور سلاست کی توقع نہین ہوسکتی، اسلئے اسکی وجہ یہ قرار دی کہ نواب مرزا نے خواجہ اثر کی مثنوی دیکھی تھی اور اُسکا طرز اڑایا تھا، یہ اشعار اسی مثنوی کے ہین، اسکا فیصلہ خود ناظرین کرسکتے ہین کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا ماخذ اور نمونہ ہوسکتی ہے"۔

اسی طرح جیساکہ دیباچہ گلزار نسیم کے حاشیہ ذیل مین تصریح کیگئی ہے شبلی نے لائق چکبست کو لکھا تھا کہ "گلزار نسیم کی تنقید مین مولانا حالی نے سخت بے رحمی اور ناانصافی سے کام لیا ہے"

مین اسکے متعلق خود کچھ لکھنا نہین چاہتا مولوی عبدالحق کے ذمہ دار قلم سے ٹپکی ہوئی سیاہی جس طرح پھیلی ہے، ایک نظر دیکھنے کے لائق ہے، جس طرح ناممکن ہے کہ کسی ٹکسالی (اسٹینڈرڈ) کتاب کا انکا مقدمہ نہو، یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی نہ کسی حیثیت سے حالی کی پاسداری مین یہ شبلی پر چوٹ

نہ کرتے ہون، یعنی "چشمک" کے جراثیم انکے مقدمات مین اس کثرت سے ملین گے کہ یہ امر انکے لٹریچر کے خصائص کا ایک جزو ہوگیا ہے، پس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقع کے تاک مین رہتے ہین اور اظہار خیال سے کبھی نہین چوکتے، لیکن اگر مین غلطی نہین کرتا تو یہ جو کچھ لکھتے ہین نکتہ سنجانہ لکھتے ہین یعنی شبلی کی تنقیص مقصود بالذات نہین ہوتی۔

یہانتک تو "چشمک" کی صرف نرم مثالین تہین یعنی تلخ گولیان غلاف شکر مین، اب ذرا تو ی تر شواہد لیجئے، مناقب عمر بن عبدالعزیز کے ریویو کے سلسلہ مین شبلی فرماتے ہین۔

"سوانح نویسی کے فرائض مین سے جو بڑا فرض مصنف سے رہ گیا وہ تنقید ہے، یعنی مصنف نے اپنے ہیرو کی خوبیان دکھائی ہین، اُسکے کسی قول و فعل پر نکتہ چینی نہین کی، لیکن یہ اس زمانہ کے تمام سوانح نگارون کا انداز ہے"۔

اسی سلسلہ مین ارشاد ہوتا ہے:۔

"مصنفین اسلام آجکل کے قریب وہ طریقہ سے بالکل آشنا نہ تھے، آجکل کی سوانح نگاری کا انداز یہ ہے کہ حقیقت نگاری کے ظاہر کرنیکے لئے ہیرو پر نکتہ چینی کیجاتی ہے، لیکن اسطرح کہ محاسن نہایت وسعت اور عمومیت کے ساتھ ہر پہلو سے دکھائے جاتے ہین، پھر نہایت کمزور اور ضعیف الفاظ مین ایک آدہ اعتراض بھی کردیئے جاتے ہین، جس سے درصل مداحی کو اور قوت دینی مقصود ہوتی ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا منظور ہوتا ہے کہ مصنف نے واقعہ نگاری کے لحاظ سے کسی واقعہ کو چھپانا نہین چاہا ہے، اور اس لحاظ سے ممدوح کی چھوٹی سی چھوٹی برائی کا بھی ذکر کردیا ہے، ورنہ ایسے محاسن اور خوبیون کے مقابلہ مین ایک ذراسی برائی بالکل نظرانداز کرنیکے قابل تھی، یہ طریقہ ہماری زبان کے سوانح نگارون نے یورپ سے سیکھا ہے، اردو کی اعلےٰ سے اعلیٰ سوانح عمریون کا یہی انداز ہے، لیکن یہ طریقہ قدیم طریقہ سے بہت زیادہ قابل اعتراض بلکہ خطرناک ہے، قدیم طریقہ صرف سکوت کا

مجرم تھا، لیکن موجودہ طریقہ درحقیقت خیانت اور خداعی ہے جو واقعہ نگاری سے بمراحل دُور ہے،

یقیناً ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ شبلی کا روے سخن کسکی طرف ہے، اور اعلیٰ سے اعلیٰ سوانح عمری سے ممدوح کا مقصود کیا ہے؟ شیش محل مین بیٹھکر اورون پر پتھر پھینکنا ایک خوش ادائی سہی، لیکن کیا دانائی بھی ہے؟ اسکا جواب صفحات زیر تحریر مین ملجائیگا، لیکن جلدی نہ کیجئے اور لیجئے ماثر رحیمی کے ریویو مین ارشاد ہوتا ہے،

اس کتاب مین تمام خوبیون کے ساتھ یہ بہت بڑا عیب ہے کہ خانخانان کی خوبیان ہی خوبیان گنائی ہین، نکتہ چینی کا نام نہین، حالانکہ آجکل کے مذاق کے موافق سوانح عمری اور لائف کی یہ ضروری شرط ہے، لیکن اس طریقہ کو ہم آجکل کے پُرفریب طریقہ سے زیادہ پسند کرتے ہین، جس مین راست نویسی اور تنقید کا بہت کچھ دعوی کرکے بھی سوانح عمری کے بجاے مناقب کی کتاب لکھی جاتی ہے اور کوئی عیب اور وہ بھی خفیف کرکے لکھا جاتا ہے تو اس غرض سے کہ محاسن کے یقین کرانیکے کام آئے یعنی جب عیب نہین چھپایا ہے تو محاسن کیون غلط لکھے ہونگے، بہتر سے بہتر سوانح عمری جو ہماری زبان مین لکھی گئی ہے، اس طریقہ کی عمدہ مثال ہے، ابھی اور لیجئے۔

موازنہ انیس و دبیر مین اسی خیال کا اعادہ یون کیا گیا ہے۔

"ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین ان مین باوجود دعوے آزادی کے تنقید اور جرح سے بالکل کام نہین لیا گیا، اور اسکا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رُخ اسکو دکھاے جائین لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کر رہے ہین، جس چیز نے انکو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے، جسکا اثر رگ وپے مین سرایت کر گیا ہے اور عذر کرنے والون کو خود اسکا احساس نہین ہوتا، اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ ان اکابر کی تقلید کرتے ہین، ان مین ہزارون ایسے ہوتے ہین جنکو خود نیک وبد کی تمیز نہین ہوتی، اسلئے وہ اچھی

باتون کے ساتھ اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اسکا اثر پھیل جاتا ہے۔

اخلاقی حیثیت سے مولانا کی نگاہ جس نکتہ پر بار بار پڑتی ہے، اسکے اہم نتائج سے کون انکار کرسکتا ہے، آپ دیکھین گے ابھی تک اظہار خیال پر ایک نقاب پڑی ہوئی ہے، مگر یہ نقاب اسقدر ہلکی ہے کہ باریک تارون سے چھن چھن کر "چشمک" کی شوخیان آپکے ذوق پردہ دری کو اکسائینگی، لیکن ذرا ٹھہریئے اسکا حسن عریانی دیکھنے کے لائق ہے، یعنی اسوقت تک تصریحات کی جگہ صرف اشارات وکنایات تھے، اب صاف صاف لیجیے، شبلی کہتے ہین:

"حیات جاوید مین مولانا (حالی) نے سید صاحب کی یکرخی تصویر دکھائی ہے، اکثر لوگون کا خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بدطینتی ہے، لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیان سب برباد ہوجائین، پھر ایشیائی شاعری مین کیا برائی ہے، سوا اسکے کہ وہ محض دعوی کرتے تھے، واقعات کی شہادت پیش نہین کرتے تھے، بہرحال حیات جاوید کو محض مدلل مداحی سمجھتا ہون"

اس پر بھی تسکین نہین ہوتی ایک دوست کو پھر لکھتے ہین،

"اختلاف آراء بھی کیا چیز ہے. حیات جاوید کو مین لائف نہین سمجھتا بلکہ کتاب المناقب سمجھتا ہون اور وہ بھی غیر مکمل خیر والناس فیما یعشقون مذاھب۔

یہان یہ دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "آجکل کا پرفریب طریقۂ سوانح نگاری" جو شبلی کے خیال مین ایک طرح کی خیانت اور خداعی ہے"، اور جسپر بار بار بے چینی کے ساتھ زور دیا گیا ہے، درحقیقت حالی کی ایجاد ہے، یا شبلی کی تصنیفات بھی اسی دائرہ مین آجاتی ہین، تاریخی تنقید کا یہ ایک نہایت نازک نکتہ ہے جسپر مولانا نے اگر مزید روشنی ڈالی ہوتی تو دنیاے ادب کے لئے ایک جدید انکشاف ہوتا۔

اسی طرح حالی کی یہ صنعت گری جہان یورپ کے طرز تحریر سے اخذ بتائی گئی ہے شبلی یہ بھی فرماتے ہین کہ "اس پر فریب طریقہ" سے "جو ایشائی شاعری سے ملتا جلتا ہے" موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیان سب برباد ہو جائینگی" لٹریچر کی طرف سے مولانا کی اس فی الوقت دقیقہ رسی اور جوش التفات کا شکریہ، لیکن ایک نکتہ دان یہ سوال کرسکتا ہے کہ جس خطرے کا احتمال ظاہر کیا گیا ہے اسکے لحاظ سے مغربی زبان کی کوئی سوانح عمری ایسی دکہائی جا سکتی ہے جسمین محاسن کے ساتھ معائب اُبھار کر دکہاے گئے ہون، کم سے کم جتنی مستند کتابین سیرۃ (لائف) کی حیثیت سے انگریزی زبان مین لکھی گئی ہین، وہ اکثر دن کے دائرہ نظر مین ہونگی، لیکن افسوس ہے کہ حیات جاوید کی طرح کسی کتاب سے مولانا کی توقعات پوری ہوتی معلوم ہنین ہوتین، یعنی ان مین ایسے مستقل ابواب ہنین ملتے، جمنین تیکے از اقوام جرائم پیشہ" یا باب الاشرار" کے عنوان سے کسی شخص کے حفظ غیب کا غیر ضروری خاکہ اُڑایا گیا ہو۔

ایک ادیب معارضہ بالمثل کی حیثیت سے پوچھ سکتا ہے کہ بلحاظ فن حالی کے جس اقتصار کی طرف نیک نیتی سے شبلی کا ذہن منتقل ہوا ہے خود انکی تصنیفات مین یہ رعایت کہانتک ملحوظ رکھی گئی ہے یعنی المامون، سیرۃ النعمان، الفاروق اور الغزالی مین انسانی کمزوریان کس حدتک اُبھار کر دکہائی گئی ہین؟ اسکا جواب مجھے خوف ہے غیر امید فزا ہوگا کیا یہ علم النفس کی حق تلفی ہنین ہے جو ایک نکتہ سنج مورخ کے قلم سے ہو سکتی ہے کیونکہ عظمت خود ملک کے سب سے بڑے مورخ کے خیال کے مطابق واقعات کو بدل ہنین سکتی،

بہرحال یہ کہا جا سکتا ہے کہ حیات جاوید کے لئے حالی کی طرف سے اعتذار (اپالوجی) کی بالکل ضرورت ہنین، ایک شریف نے ایک شریف تر انسان کی ہمدردانہ سرگذشت لکھی اور آشنائے فن ہوکر لکھی، اور یہی اونچے سے اونچا معیار تحریر ہے جو ایمان بالغیب کی حیثیت سے

یورپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے :-

یہ قطعی ہے کہ حیات جاوید کا رئیس التذکرہ فرشتہ نہین تھا، انسان تھا لیکن اُسکے اخلاقی اوصاف اسکی اضطراری لغزشون پر جنہین انسانی کمزوری سمجھئے غالب تھے، یہی مابہ الامتیاز ہے جسکی بناپر سوانح نگار کسی بڑے سے بڑے شخص کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے، سرسید کی کمزوریان جنکی بے نقابی پر شبلی کو اسقدر اصرار ہے اور جنکے اظہار مین حالی نے صرف بیدردی سے کام نہین لیا، درصل سرسید کی زندگی کے وہ عناصر ہین جنکے بغیر انسانی اخلاق کی تکمیل ناممکن ہے، لیکن اس قسم کی اضافی تصریحات کا بےضرورت پھیلانا اور تحقیقی پہلو کا اس طرح نمایان کرنا کہ اصلی محاسن دب دبا جائین بالکل ایسا ہی ہوگا جس طرح ندوہ کے آخری مناقشات کو شبلی کی ادبی زندگی سے وابستہ کیا جائے، جسپر مولانا کا سوانح نگار کبھی راضی نہین ہوگا، اور جسے شبلی کی علمی "نفسیت" (سائیکالوجی) سے درصل کوئی تعلق نہین ہے،

یہ غور طلب ہے کہ غالب کی طرح شبلی کی افراط خودداری معاصرانہ کمالات کے اعتراف مین فیاض نہین ہے، شبلی نے الکلام لکھی لیکن سرسید کا نام تک نہ آیا، حالانکہ سرسید پہلے شخص ہین جنھون نے دور جدید مین مذہب کو معقولات عصریہ سے تطبیق دینکی کوشش کی اور یہ امر بلا اختلاف اُن کی ادبیات مین محسوب ہونیکے لائق ہے[۵]، ہمکو مصر کے مذہبی لٹریچر کی اوقات معلوم ہے، اسلئے مصطلح جبہ و دستار کی فضیلت سے اگر قطع نظر کیجئے تو سرسید اور انکے رفقا نے جو کچھ لکھدیا ہے مشکل سے اسپر کچھ اضافہ ہو سکتا ہے، اور یہ سرسید کے اختراعی دماغ اور اُنکے زبردست اجتہاد کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ عدم اعتراف درصل لٹریچر کی خوش ظرفی ہوگی، مین یہان اس بحث کو چھیڑنا نہین چاہتا کہ عقاید کو جو جذباتی چیز ہین، معقولات سے بھڑانا جسپر ہمارے متکلمین کو اسقدر ناز ہے درصل کہانتک دور از کار ہے

[۵] معارف: سب سے پہلے مولوی سید کرامت حسین جونپوری (کلکتہ) ہین -

چوکھنٹی چیز" کا مصداق ہے، میرا منشا صرف یہ ہے کہ اس موضوع پر جو کچھ اسوقت لکھا گیا یا آیندہ لکھا جائیگا وہ محض سرسید کے قلم کی آواز بازگشت ہوگی۔ یہ دلچسپ سوال ابھی باقی ہے کہ حالی کے ہیرو کے ساتھ شبلی کو اسقدر "چشمک" کیون ہے کیا یہ جامع حیثیات شخصیت شبلی کے ناموران اسلام کا رنگ پھیکا کرنے والی ہے؟ یا جس طرح ایک خوبصورت عورت دوسری پرکالۂ آتش کو دیکھ نہین سکتی درحقیقت جذبۂ رشک اسکی تہ مین ہے؟ ملک کے ایک بہت بڑے فاضل کی راے کے مطابق سرسید کے بعد اگر اردو مین کوئی قلم اٹھا سکتا ہے تو وہ حالی ہین، اور اسمین کچھ شک نہین کہ حالی نے "سرسید کی صرف کثیر الاوراق لائف نہین لکھدی" بلکہ یہ اردو لٹریچر مین ایسا اضافہ ہے جو حالی کی ذات پر ختم ہوگیا، لیکن کیا "شعر العجم" کے مصنف کو بھی اسپر رشک کرنا چاہیئے۔ اسکا جواب آگے چل کر تاریخ دیگی نہ جاننا کبھی کبھی جاننے سے زیادہ بالیکف ہوتا ہے، اسلئے سردست مین اس لطف کو کھونا نہین چاہتا۔

لیکن شعر العجم کے ساتھ جو ایک ذوقی چیز ہے میری بڑہی ہوئی حسن عقیدت اس موازنہ کو جائز نہین رکھیگی، اسلئے حیات جاوید کے مقابلہ مین شبلی کی صرف ان تصنیفات کو رکھیئے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے جنس مشترک کی حیثیت رکھتی ہین، آجکل کی عوائد رسمیہ (اٹی کیٹ) کی نزاکتین شائستہ سوسائٹی مین موازنۂ اوصاف کو جائز نہین رکھتین، لیکن مصنفین کے دماغون کی رگڑ، فن تنقید کا ایک سخن گسترانہ فرض ہے، جس سے قطع نظر نہین کیجا سکتی، اسلئے چشمک کے وہ عقدہاے سربستہ جنہین حالی کے مقابلہ مین لائق عزت شبلی کا پہلو کچھ دبتا ہوا سا ہے[ف]، کھلے ہوے راز کی حیثیت سے پیش کیے گئے ہین۔

[ف] میرے مخاطب صحیح وہ حضرات نہین ہین جو تنقیص و تنقید مین امتیاز نہین کر سکتے، یا کرنا نہین چاہتے، نہ جاننا (جہل) چنداں لائق اعتراض نہین لیکن یہ بھی نہ جاننا کہ نہین جانتے (جہل مرکب) قطعاً لائق معافی نہین، ایک بیباک نے حال مین لکھا تھا کہ شعر العجم پروفیسر براؤن کی "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" کا سرقہ ہے، شاید کہنا یہ منظور ہوگا کہ براؤن کی کتاب سے ماخوذ ہے، لیکن غریب کو معلوم نہین کہ براؤن نے فارسی شاعری کی تاریخ نہین لکھی (بقیہ صفحہ آیندہ)

قبل اسکے کہ مین اسے ختم کرون ایک فقرۂ معترضہ بار طبیعت ہو رہا ہے جس سے اسی سلسلہ مین نپٹ لینا چاہتا ہون۔ "چشمک"، جسکے متعدد نظائر جہانتک گنجائش تھی بہم پہنچائے گئے ہین، وراثت طبعی کے اثر سے اسکا سلسلہ اور بڑھتا ہے، ایک زاویۂ علمی کا نوجوان سید الطائفہ بنے آگے چل کر نظام ادبی کا ایک قوی تر عنصر ہونا ہے، ایک غیر متعلق تصنیف کے سلسلہ مین یون اظہار خیال کرتا ہے،

"مولوی نذیر احمد بھی اس گناہ کے مجرم ہین، جس قلم نے مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت اور ایامیٰ لکھنے مین زندگی بسر کی ہو وہ الفرائض، اجتہاد، ترجمہ قرآن،

بلکہ دراصل وہ اسلامی لٹریچر کی دماغی تاریخ ہے، ایران سے جو کچھ تعلق ہے یہ ہے کہ براؤن اُن مصنفین کو الگ کرتا گیا ہے جو اسلام کے وسیع دور مین خاک عجم سے وقتاً فوقتاً اُٹھتے رہے، اسمین شعرا کا ذکر ضمناً آیا ہے وہ بھی تاریخی حیثیت سے ذوقی اور جذباتی حیثیت سے نہین کہ یہ براؤن کے بس کی بات نہین تھی، شعرالعجم کا موضوع بالکل جداگانہ ہے،

ہماری زبان پر فلسفہ "ارتقا" ادرجانے کیا کیا بے سمجھے اس بری طرح چڑھ گیا ہے کہ خیر سے معلومات مین تو کچھ اضافہ ہوا نہین، لیکن ان الفاظ کی رہی سہی آبرو بھی جاتی رہی، جس ملک مین تنقید عالیہ (ہایر کریٹی سزم) کا مفہوم صحیح اچھے خاصے پڑھے لکھے نہ سمجھ سکتے ہون، مین نہین جانتا شعرالعجم کی نزاکتین کسطرح اُنکے ذہن مین داخل کی جائین مجبوراً مین اسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہون جس سے اورون کو باز رکھنا مقصود ہے، اور مجھکو کہنا پڑتا ہے کہ شعرالعجم تذکرۂ شعرا نہین بلکہ جہانتک شاعری کی ماہیت نفسی کا تعلق ہے اسکی ارتقائی تاریخ ہے، (دیکھئے "ارتقا" زبان پر آہی گیا)

جس طرح ماضی حال کا باوا اور مستقبل کا دادا ہے بعینہ دنیائے ادب مین بھی یہی ترتیب عمل جاری ہے، متقدمین نے متوسطین اور متوسطین نے متاخرین پیدا کئے، بالفاظ غیر سعدی، حافظ، فردوسی اور خیام جس زمانہ مین ہوئے اور جو کچھ ہوئے اسی زمانہ مین انکا ہونا ناگزیر سا تھا، اسی طرح اُنکے کلام کی عصری خصوصیات دراصل اُن کے کمال اجتہاد سے زیادہ وراثت ادبی کے قدرتی نتائج ہین، شعرالعجم نے اسی طلسم کی عقدہ کشائی کی ہے، لیکن یہ باتین ابھی نصف صدی کے بعد ہماری سمجھ مین آئنگی اسوقت تک اس کتاب پر اظہار خیال ملتوی رہتا تو اچھا تھا۔

شبلی تو کیا براؤن کا خاکہ اڑائینگے، لیکن ایک صاحب نے علیگڈھ مین ڈھکر ڈنکے کی چوٹ شاعری پر جس جامعیت کے ساتھ اظہار خیال کی ٹھہرائی، ایڈیٹر معارف کے سنجیدہ قلم کو اعتراف کرنا پڑا کہ گویا "شعرالعجم" ہے ایک چھوٹے سے لفظ کے زہر کو دیکھئے گا جسکا تریاق ایک دفتر بھی نہین ہو سکتا، ٭ہدی

اجہات الامۃ کے لئے سنجیدگی عبارت، متانت کلام، اور ثقاہت بیان کہان سے لائیگا، مقصود یہ ہے کہ مذہبی کتابون اور بزرگان دین کی تاریخ کے لئے سنجیدگی چاہیئے، شوخ اور ظریفانہ عبارت اور سخیف محاورات موزون نہین،،

یہ مولوی نذیر احمد کون ؟ وہی جنکا تصنیفی نام عوام مین "ڈپٹی نذیر احمد" ہے، آہا- آقاے اردو علامہ نذیر احمد، ایل ایل ڈی! جو ملک مین السنہ مشرقیہ کا سب سے بڑا ادیب تھا، جسکی عربیت اس پایہ کی تھی کہ سخت سے سخت نحرف بھی اسکا لوہا مانتے تھے اور اُسکے تبحر علمی سے مرعوب رہتے تھے جس نے اردو سی کم مایہ زبان کو اپنے خاص طرز ادا اور زور فصاحت سے ایسا کر دیا کہ آیندہ دنیا اُسپر ادب العالیہ (کلاسیکس) کا اطلاق کریگی، جسکی طبیعت مین قدرت نے عربی کا مذاق اسلئے رکھا تھا کہ وہ عرب کے صحیفۂ آسمانی کا قالب بدل سکے، پہلے ترجمۂ قرآن کا یہ رنگ تھا :-

"مستی نکالتیان اور پار کرتیان چھپکر"

اب وہ شستہ رفتہ اور فصیح اُردو کا ایسا مرقع ہے جسپر انشا پردازی ناز کر سکتی ہے،، نذیر احمد نے مراۃ العروس کے سوا اگر کچھ نہ لکھا ہوتا جب بھی انکے کمال انشا پردازی کے ثبوت کے لئے یہ اکیلی کتاب کافی تھی ہمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اُسوقت ایک گران پایہ مصنف تھے، جب ہمارے لائق ادب بزرگون مین بہتیرون نے قلم ہاتھ مین نہین لئے تھے، رہی انکی ظرافت جو انھی کا حصہ ہے اور جسے آپ کھانے مین نمک سمجھیے، اور مین لٹریچر کے چہرے کا تبسم کہونگا، جو نئی تحقیقات کے مطابق صرف خوش ادائی نہین بلکہ اخلاقی پاکیزگی کے ساتھ کامل صحت کی دلیل ہے،

صرف ایک مثال لیجیے، نزول قرآن کے سلسلہ مین نذیر احمد اپنے فصیح لکچر مین ایک جگہ کہتے ہین :-

"جن دنون قرآن نازل ہوا ہے وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر کے جوبن پر ایک بہار آرہی تھی

لوگون مین یہ مادہ ایسا برسر ترقی تہا کہ کوئی متنفس مذاقِ شعری سے خالی نہ تہا، یہ تو عربی زبان کے عروج کا زمانہ تہا، یون بھی عرب کو اپنی بولی پر بلا کا ناز تہا، انھون نے اپنے سوا دوسرون کا نام رکہا تہا عجم یعنی گونگے یا جنکو بات کرنیکا سلیقہ نہین، ایسے لوگون سے کیسی ہی اچھی بات کہی جاتی مگر وہ ہوتی حلیۂ فصاحت سے عاری تو اُنکے کان پر جون بھی نہ چلتی، بس ضرور تہا کہ اسی داؤ سے اُنکو پچھاڑا جائے جو داؤ انکو خوب روان تہا، یعنی فصاحت، قرآن نازل ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کے سرسید، محسن الملک، سید محمود، اور حالی و شبلی تھے سب کے چھکے چھوٹ گئے"

یہی بلاغت ہے جسکی بنا پر کہا گیا ہے کہ انشا پرداز کا ایک فقرہ ہزارون علمی اور تاریخی اوراق پر بھاری ہوتا ہے، اور یہی تصرفات ہین جنکے لحاظ سے ایک ادیب کو بڑے سے بڑے فلسفی اور مورخ پر ہمیشہ ترجیح رہیگی۔

یہی بلاغت تھی جس نے کسی زمانہ مین حیدرآباد دکن کے بسمارک کو نذیر احمد کا شیدائی بنا رکھا تہا، سر سالار جنگ اول اسٹیٹ ڈنر پر ہین طلائی قابون کا دور چل رہا ہے، چھری کانٹون کی دھیمی موسیقیت مین دفعتہً سرکاری ڈاک کے آنیکی اطلاع ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے "نذیر احمد کی کوئی مراسلت ہو تو فوراً پیش کیجائے" ایک منٹ کے بعد جلیل القدر میزبان شام کے ہاتھ مین ایک کاغذ ہوتا ہے: برقی روشنی کی جگمگاہٹ مین شائق ادب امیر الامرا کی نگاہ نقوش حرفی پر دوڑ رہی ہے اور چہرے پر رہ رہ کر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جسے تبسم زیر لب کی ہلکی لہرین کہیے۔ نذیر احمد کے خوان ادب کا یہ وہ لقمۂ تر تہا جس سے شاہی میز بھی بے نیاز نہ رہ سکی، لیکن اب یہ ہمارے گلے مین پھنسنے لگا ہے جسے ہم اگلنا چاہتے ہین، مگر یہ بے نمکی روایات سابقہ کے لحاظ سے کچھ ٹھیک نہین معلوم ہوتی، ادب چاہتا ہے انکا کمال انشاپردازی غیر شائستہ جنبش لب سے ہمیشہ بے نیاز رہیگا۔[۱]

---

[۱] معارف: ان فضائل و مناقب کا منکر بنکر کوئی بھی "کافر ادب" بننا گوارا نہ کریگا، لیکن اس اعتراض کا (بقیہ صفحہ آئندہ)

آخر مین مجھے ایک نکتہ صاف کرنا ہے یعنی حالی کے ساتھ شبلی کی چشمک کے جو شواہد پیش کئے گئے ہین ان سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھین کہ شبلی کو حالی سے خلوص نہین تھا، شبلی حالی کو ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ "جب تک مواد تحریری نہو مین ایک قدم بھی چل نہین سکتا، مگر حالی کی نکتہ آفرینی اسکی محتاج نہین، انکی دقیقہ رس اور نکتہ سنج طبیعت ایسی جگہ سے مطلب نکال لاتی ہے جہان ذہن بھی منتقل نہین ہوتا اور یہ کمال اجتہاد کی دلیل ہے"

پاؤن کے واقعہ کے بعد شبلی کو حالی نے دفور جوش مین جو رباعی لکھکر بھیجی تھی اور جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، شبلی الندوہ مین "مولانا حالی کی ذرہ نوازی" کے عنوان سے یون رقم طراز ہین :-

"مولانا کا میری نسبت ایسے خیالات ظاہر کرنا محض انکی ذرہ نوازی ہے، وہ میرے احباب مین شامل ہونے کا ننگ گوارا فرماتے ہین، لیکن میری عزت یہ ہے کہ مجھکو اپنے نیازمندون کے زمرہ مین شامل ہونیکی اجازت دین، اب چند ہی ایسی صورتین باقی رہ گئی ہین جنکو دیکھکر قدما کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ خدا ان بزرگون کا سایہ قائم رکھے"

بہرحال چشمک، جو کچھ تھی ادبی حیثیت سے تھی، رنج کے تعلقات دونون صاحبون کے استنے ہی خوشگوار تھے، جتنے باوصف اختلاف وکلاے مقدمہ کے اجلاس سے باہر ہوا کرتے ہین، ان چند صفون مین خصائص نفسی کے مختلف رُخ ضمناً سامنے آگئے ہین، ورنہ میری غایت محض تنشیط ادب یعنی احباب کی دماغی تفریح کے سوا اور کچھ نہین ہی، اس حیثیت سے اُردو لٹریچر مین غالباً یہ ایک نیا مضمون ہے[۱]،

عبدالحق

اب بھی جواب باقی ہو کہ شوخی تحریر اور ظرافت کلام جو لٹریچر کے چہرہ کا تبسم ہی "ہر جگہ اور ہر موقع پر اسی طرح نمایان رہنا چاہیئے یا کہین اپنی اوس کو ضبط بھی کرنا چاہیئے، مرد مقدس "بنکر پر سر منبر آپ لوگون کو صحیفۂ الٰہی اور احکام مذہبی کا مطلب سمجھاتے ہین اور ہنسی کا یہ حال ہے کہ وہ ایک منٹ کے لئے رکتی ہی نہین، ایسی حالت مین لامحالہ کہنا پڑیگا کہ ازراہ عنایت اس منصب سے دستکش ہوکر کسی "فیاض رئیس" کے موسم تقریب کا انتظار کیجیے"

[۱] اس مضمون مین جسقدر اقتباسات لئے گئے ہین انکے لئے اردو لٹریچر کے عناصر خمسہ (سرسید، آزاد، نذیر احمد، حالی و شبلی) کا پورا دفتر پیش نظر تھا، لیکن افسوس ہی کہ سلسلۂ اقتباس مین جن صفحات متعلق کے حوالے محفوظ نہین رکھے، ختم کرنیکے بعد اسکا خیال آیا، اب یہ ایک دردسری تھی جسے کسی طرح گوارا نہین کرسکا تاہم مین یقین دلانا چاہتا ہون کہ اس پیوندکاری مین جن کہین سے کوئی تصرف یا اضافہ نہین کیا ہی اور جسقدر اجزا جہان سے لئے گئے ہین علامات اقتباس مین بجنسہٖ پیش کردیئے گئے ہین جنمین کوئی کمی بیشی ہونے نہین پائی ہے

باب التربیۃ والتعلیم

اصول تعلیم

از جناب ظفر حسین خان صاحب گورنمنٹ ٹریننگ کالج لکھنؤ

ماہیت و مقصود تعلیم

دور جدید نے جہان تجربۂ انسانی کی گوناگون اور علمی تصادیر کے دوسرے رُخ کو ہمارے پیش نظر کردیا ہے وہان تعلیم کی ماہیت و مقصود پر بھی نیا ورق الٹ دیا ہے، آج "تعلیم" کا لغت، ذہنی اخلاقی اور جسمانی تربیت کے وسیع ترین مفہوم مین استعمال ہوتا ہے، معلم کا فرض درس و تدریس کے ساتھ ختم نہین ہوجاتا، بلکہ تلامذہ کے قواے ذہنیہ کے دوش بدوش، درستی اخلاق و صحت بدن کا لحاظ بھی اُسپر واجب ہے، چنانچہ معلم، مدرس بھی ہے اور مرشد و واعظ بھی، جسمانی ورزش کا استاد بھی ہے اور طبیب بھی جس زمانہ مین تعلیم کی "ماہیت" اس غلط فہمی مین ملفوف تھی کہ تعلیم کو تدریس کا مرادف سمجھا جاتا تھا تعلیم کا منشا، و مقصود بھی صرف اسقدر رہتا کہ متعلم کا حافظہ رنگارنگ معلومات سے بھر دیا جائے، اس عہد عقلی مین یہ رسم تعلیم کمال قبیح، لغو و مضحک تصور کیجاتی ہے، کہ علم کو طالبعلم کے دماغ مین ٹھونس دیا جاے، علم النفس کی موشگافیون نے اس حقیقت کو بے نقاب کردیا ہے کہ تعلیم کی غایت اصلی، دیگر قواے انسانی کے ساتھ قواے ذہنیہ کے نشو و ترقی مین امداد کرتا ہے، طریق قدیم سارا بوجھ حافظہ پر ڈالتا تھا، لیکن طریق جدید ذہن انسانی کی جملہ قوتون کو کماحقہ تربیت اور متناسب بالیدگی کو پیش پیش رکھتا ہے، الغرض تعلیم کامل حسب ذیل امور کی ضامن ہے،

(۱) درس و تدریس کے ذریعہ قواے ذہنی کی نشو و نما،

(۲) ارشاد و ہدایت، پند و نصیحت اور ذاتی نمونہ کے ذریعہ تہذیب اخلاق،

(۳) بلاناغہ ورزش، صفائی اور اصول حفظان صحت کی باقاعدہ پابندی کے ذریعہ صحتِ جسم، طاقت بدن اور چستی و مستعدی کی برقراری،

علم تعلیم اور فن تعلیم | ایشیا مین علم و فن باہمدگر مترادف بولے جاتے ہین، لیکن یورپ کے نزدیک اُنکے درمیان بین فرق ہے، علم، کائنات عالم کے کسی خاص شعبہ کے حقائق و واقعات لیکر محض بیان کردیتا ہے فن، ان علمی مقدمات و قضایا سے عملی نتائج اخذ کرتا، اور انکو ہدایات، قواعد اور تنبیہات کی شکل مین تدوین کرتا ہے، علم کا تعلق فہم و نظر و ادراک سے ہے، طالبعلم مباحث و مطالب علمیہ کو پڑھتا غور کرتا اور انکو سمجھتا ہے، اسکے خلاف فن کا رشتہ عمل سے قریب تر ہے، کسی فن کے ہدایات محض پڑھکر سمجھ لینے کی چیز نہین، بلکہ انکی تعمیل اور مشق لازمی ہے، علم کی حد تحصیل یہین ختم ہوجاتی ہے کہ معلومات صاف صاف ذہن مین مرتب ہون، جبکہ فن کا تقاضا ہے کہ ان معلومات کو قوت سے عمل مین لایا جائے علم و فن کے باہمی فرق کی وضاحت امثال ذیل سے ہوگی،

تشریح ایک علم ہے جسکے اندر جسم انسانی کا کچا چٹھا ہے، اس علم کا موضوع، ہڈیان، جوڑ، رگ پٹھے وغیرہ ہین، علم تشریح ہمکو اجزاے بدن کے حالات سے خبردار کردیتا ہے، اور بس، لیکن اسکے مقابل **فنِ جراحی** ہے، جو علم تشریح کے اخبار و بیانات سے مفید عملی ہدایات استنباط کرتا ہے، یہی علاقہ علم **افعال الاعضاء** اور **فن طب** کے درمیان ہے، اول الذکر اعضاے بدن اور اُنکے افعال کا ذکر کرتا ہے، اور فن طب ان معلومات سے استفادہ کرتا اور عملی قواعد اخذ کرتا ہے، علم افعال الاعضا کے علاوہ طب کی بنا دیگر علوم پر بھی ہے، مثلاً طبعیات، نباتات، کیمیا وغیرہ، **ریاضی** ایک نظری علم ہے، لیکن **فن معماری** کی داغ بیل تمامتر اسی پر پڑتی ہے، **فن ملاحی**، علم ہیئت اور علم جغرافیہ کا دست نگر ہے، غرضکہ ہر فن کی تدوین ایک یا ایک سے زیادہ علوم کی محتاج ہے، اور کسی مخصوص فن سے متعلق علم یا علوم کے ان اصول کی یکجائی جو گویا اس فن کی جڑ ہین، اسکے علم کے نام سے تعبیر کی جائیگی یعنی فن جراحی کے خلاف

علم جراحی سے مراد تشریح کے وہ اصول و قوانین ہین جن پر فن جراحی مبنی ہے، اسی طرح فن طب کے خلاف علم طب سے مراد علم افعال الاعضا، طبعیات، کیمیا، نباتات وغیرہ کے وہ اصول و قوانین ہین جن پر فن طب کا دار و مدار ہے، وقس علی ہذا،

علم تعلیم و فن تعلیم کی تفریق بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے، یعنی علم تعلیم عبارت ہے ان علوم کے قوانین و اصول کے ذخیرہ سے، جن قوانین و اصول پر فن تعلیم کا مدار ہے، علم تعلیم کا مایۂ خمیر کم سے کم حسب ذیل علوم ہین،

۱- علم النفس،

۲- علم الاخلاق،

۳- علم حفظان صحت،

۴- علم افعال الاعضاء،

تعلیمی نقطۂ نظر سے ان علوم کی شیرازہ بندی، علم تعلیم کی تدوین کا دوسرا نام ہے، چنانچہ بچہ کے نفسی حالات، سن و سال کے اعتبار سے قوائے ذہنیہ کا نشو و نما، تعلیم کا اخلاقی نصب العین، جسمانی قوی اور انکے ترقی و انحطاط کے اسباب، علم تعلیم کے مہمات موضوع ہین،

فن تعلیم کا موضوع بحث چیدہ اور آزمودہ دستور و طریق تعلیم ہے، انگریزی، حساب، جغرافیہ تاریخ وغیرہ پڑھانیکی بہترین صورتین، اور مدرسہ کے نظم و نسق و ضبط کے کامیاب طریقے فن تعلیم کی جان ہین،

مشرق و مغرب چونکہ ارتقاے انسانی کی پہلی منزل فطرۃً جسمانی ترقی، دوسری منزل فطرۃً ذہنی ترقی اور تیسری منزل فطرۃً اخلاقی ترقی ہے، لہذا ہم تعلیم انسانی پر اسی ترتیب سے بحث کرینگے، یعنی اول جسمانی نقطۂ نظر سے، دوم ذہنی نقطۂ نظر سے، اور سوم اخلاقی نقطۂ نظر سے، لیکن یہ تمام مباحث

ہندوستان کی معاشرت اور اسکے موجودہ حالات وحاجات کے تابع ہونگے، یورپین فلسفۂ تعلیم کے اصول وہدایات کی آزمائش کا میدان خود یورپ ہو سکتا ہے، نہ کہ ہندوستان، ہندوستانی بچہ کے تعلیم کے اصول یورپین بچہ کے تعلیم کے اصول سے اسیقدر مختلف ہونا چاہئین، جسقدر ایک ہندوستانی بچہ اور ایک یورپین، بچہ کے درمیان جسماً، ذہناً اور اخلاقاً اختلاف ہے، یورپ کے پرستار مغربی فلسفۂ تعلیم کا تختۂ مشق ہندوستان کو بناتے ہین، اور خلاف توقع نتائج واثرات پر تعجب کرتے ہین حالانکہ کسقدر بدیہی ہے کہ جب تک مشرق، مشرق اور مغرب، مغرب ہے مشرق کو مغرب کے قالب مین ڈہالنا اسیقدر محال ہے جسقدر مغرب کو مشرق کے قالب مین ڈہالنا، ایک دوسرے کی جغرافی، تاریخی، عمرانی خصوصیات اسقدر متباین ہین کہ ایک ہی دوا دونون کے مزاج کے موافق آنا محل تعجب ہی نہ کہ محل توقع مستثنیات سے ہی نہ کہ کلیات سے،

اس بنا پر دونون ملکون کی جسمانی تربیت کے اصول مین جسقدر فرق ہونا چاہیئے ظاہر ہے، حفظان صحت کے بعض اصول جو یورپ کی صحت کے ضامن ہین، ہندوستان کے حق مین سراسر صحت افگن بداحتیاطیان ہین، اس نکتہ کو ملحوظ رکھکر ہم سب سے پہلے بچہ کی جسمانی تعلیم کی جانب رجوع کرتے ہین،

جسمانی تربیت

غذا غذا جو بخوبی ہضم اور جزو بدن ہو جاتی ہے، دو نتیجہ مرتب کرتی ہے،

(۱) بدل ما یتحلل، اعضا اور عضلات کی بالیدگی اور انکی فرسودگی اور ٹوٹ پھوٹ کی مرمت،

(۲) حرارت غریزی کا قیام، اور قوت کی پیدائش،

اس بنا پر غذا کی تین قسمین ہوئین، یعنی ایک وہ جس سے محض ہمارے پٹھے گوشت اور ہڈی بنتی ہی دوسرے وہ جس سے محض حرارت پیدا ہوتی ہے اور تیسرے وہ جو پٹھے بھی بناتی ہے اور حرارت بھی پیدا کرتی ہے،

اطبا، غذا کی تین حالات قرار دیتے ہین، جامد، سیال اور ہوائی، ہوائی غذا آکسیجن گیس ہے جسکو ہمہ وقت ہم سانس لیتے ہین باقی ماندہ غذاؤن کے اجزا حسب ذیل ہین،

(۱) لحمات (پروٹیڈز) مثلاً انڈے کی سفیدی، ان سے پٹھے وغیرہ بنتے ہین،

(۲) مدھنات (فیٹس) مثلاً گھی، مکھن، دودھ، یہ حرارت پیدا کرتے ہین،

(۳) نشاسجات (اسٹارچ) چاول، گیہون وغیرہ یہ بھی حرارت آفرین ہین،

(۴) ملحات (سالٹز) یعنی نمک جو ترکاریون مین نباتی حالت مین پایا جاتا ہے، نیز معمولی نمک ہضم غذا مین مدد دیتا ہے،

(۵) پانی، غذا کو ہضم کرنا اور فضلات کے اخراج مین گردن کی امداد کرتا ہے،

غذا ان تمام اجزا کا مناسب مرکب ہونا چاہیئے، اگر کوئی جزو غیر معتدل طور پر زیادہ ہوگا تو نقصان پہنچیگا، ہندوستان کی آب و ہوا کے لحاظ سے جوان آدمی اور بچہ کی غذا کی مقدار نمک اور پانی کے علاوہ یہ ہونا چاہیئے،

جوان آدمی		بچہ	
(۱) لحمات ۔	ڈہائی چھٹانک	(۱) لحمات ۔	ڈیڑہ چھٹانک
(۲) مدھنات ۔	ڈیڑہ چھٹانک	(۲) مدھنات	سوا چھٹانک
(۳) نشاسجات ۔	ساڑہے سات چھٹانک	(۳) نشاسجات	پانچ چھٹانک

معمولی غذا مین یہ سب اجزار موجود ہوتے ہین، ہندو جو گوشت یا انڈا نہین کہا سکتے، لحمات کی ضروری مقدار دیگر اشیا سے حاصل کر سکتے ہین، اصل شے ان سب کا باہمی توازن ہے،

مختلف غذاؤن مین اجزاے مذکور کا اوسط نقشہ کی شکل مین ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے، اس نقشہ کی مدد سے کافی و مناسب غذا کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے،

عام غذاؤن مین اجزاء تغذیہ کا اوسط فی صدی

غذا	ملحمات	مدھنات	نشاسجات	ملحات	پانی
دال	۲۳٫۰	۲٫۳	۵۶٫۷	۳٫۰	۱۴٫۰
چاول	۷٫۵	٫۵	۷۷٫۰	٫۵	۱۴٫۵
گھی	۲٫۰	۸۸٫۰	....	مختلف	۸٫۰
روٹی	۸٫۰	۱٫۵	۴۹٫۲	۱٫۳	۴۰٫۰
آلو	۱٫۲	٫۳	۲۲٫۵	۱٫۰	۷۵٫۰
ہری ترکاری	۱٫۵	٫۵	۷٫۸	۱٫۲	۸۹٫۰
گوشت	۲۰٫۵	۳٫۵	.....	۱٫۶	۷۶٫۴
مچھلی	۱۸٫۱	۲٫۹	.....	۱٫۰	۷۸٫۰
دودھ	۳٫۴	۳٫۸	۵٫۰	۰٫۸	۸۷٫۰

مدھنات اور نشاسجات چھوٹے بچون کے لئے ازبس ضروری ہین، چونکہ ایک ہی قسم کی غذا بار ہوجاتی ہے، اسلئے ایک روز ملحمات زیادہ کہانا چاہیئے اور دوسرے روز نشاسجات،

ہندوستان مین غریب بچے بھوکون مرتے ہین، اور امیرزادہ حد سے زیادہ کہا جاتے ہین، صحت پر اس قلت وکثرت دونون کا اثر یکسان بُرا پڑتا ہے، اور مدرسہ کے کثیر التعداد قابل افسوس مظاہر کا سرچشمہ اورناکامیون کا سبب اصول تغذیہ سے بے اعتنائی یا لاعلمی ہے،

آرام بعد طعام جس طرح مشین کے کیل پرزون کو حرکت کے وقت تیل کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح اعضائے جسم کو خون کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر خون کی رسد ناکافی ہوگی تو یہی نہین کہ حسب دستور فعل مین خلل پڑیگا بلکہ وہ عضو بھی خراب جائیگا،

ورزش کے وقت خون کا بیشتر حصہ پٹھون مین ہوتا ہے، مطالعہ کے وقت دماغ کے اندر خون درکار ہوتا ہے، جسوقت کہانا کہاتے ہو خون معدہ مین مطلوب ہوتا ہے، اسی لئے کہانے کے بعد ورزش ممنوع ہے، چونکہ نظام ہاضمہ کو خون کی بڑی مقدار کی حاجت ہوتی ہے، ورزش کے تقاضہ سے خون پٹھون مین آجاتا ہے، اور جب خون اس طرح دو جگہ تقسیم ہوگیا تو معدہ اپنا فعل اچھی طرح نہین کرسکتا اور لازمی نتیجہ سوءِ ہضم ہوتا ہے، علی ہذا کہانے کے بعد فوراً پڑھنا بھی نہین چاہیئے، اسلئے کہ معدہ اور دماغ کی باہمی کشاکش اخیر مین دونون کی خرابی کا باعث ہوتی ہے،

بعض اطباء کہانے کے بعد مشی کی صلاح دیتے ہین، لیکن علم افعال الاعضاء کا مشورہ اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے، اسکے ہدایت کے مطابق کم ازکم ایک گہنٹہ مطلقاً آرام کرنا چاہیئے،

لباس ہندوستان کے موسمی حالات کے لحاظ سے لباس ایسا ہونا چاہیئے کہ جسمین ایک طرف تو گرمی سرایت نہ کرسکے، اور دوسری طرف اسمین پسینہ خوب جذب ہوسکے، گرمیون کی لُو اور برسات کا پسینہ بہت سے معصومون کی موت کا اصلی سبب ہے، جاڑون کا لباس ایسا ہونا چاہیئے جو جسم کی حرارت کو قائم رکھ سکے، یعنی باہر نکلنے نہ دے، بہ الفاظ دیگر ہر موسم کے لباس مین دو اہم صفتین پائی جانا ضروری ہین،

(۱) لباس ایسا ہو کہ جسمین حرارت سرایت نہ کرسکے، نہ اندر سے اور نہ باہر سے، خارجی گرمی سے جسم کو محفوظ رکھے اور داخلی گرمی جسم سے نکلنے نہ دے، حکمیات کے اصطلاح مین ایسے مادہ کو عسیر النفوذ (بیڈ کنڈکٹر) کہتے ہین،

(۲) جو پسینہ نکلے اُسے فوراً جذب کرلے،

کپڑون مین ریشم اور اُون دو ایسی چیزین ہین جنمین یہ دونون صفتین بدرجۂ اتم پائی جاتی ہین، یعنی عسیر النفوذ بھی ہین اور جاذب رطوبت بھی، گرمی اور برسات مین ریشمی شلوکہ اندر پہننا چاہیئے، اور

جاڑون مین دبیز اُونی سینہ بند، اُوپر کا لباس گرمیون مین سوتی اور جاڑون مین اُونی ہوسکتا ہے لیکن اندر کا لباس کسی حال مین سوتی ہونا چاہیئے،

ہندوستان کے لیے سفید رنگ کا لباس زیادہ موزون ہے، اسلیئے کہ سفید رنگ تمازتِ آفتاب کی مدافعت مین بے مثل ہے، لیکن ہندوستان کی فرنگی مآبی کا تقاضا دوسری جانب ہے بڑے شغف کے ساتھ رنگین سوٹ پہنے جاتے ہین، اور بعض جنٹلمین تو سخت گرمیون مین اُونی سوٹ پہنتے ہین، قطع نظر اسکے کہ رنگین کپڑا بہت جلد گرم ہوجاتا ہے، ہندوستان کے مشہور گرد و غبار کے لئے بھی اسکا دامن قدرةً نہایت وسیع ہے، پہننے والا اسکو صاف سمجھکر پہنے جاتا ہے، حالانکہ اسکی کثافت مہلک امراض کے جراثیم کا کشت زار بن چکی ہے، ہندوستان مین اشد شدید ضرورت کہ لباس نہایت صاف، ستھرا اور پاکیزہ رکھا جائے، اسلیئے کہ گرم ملک ہونیکی وجہ سے پسینہ کثرت سے آتا ہی اور پسینہ مین فاسد مادے برابر خارج ہوتے رہتے ہین،

صفائی کھال مین دو قسم کے مسامات ہوتے ہین، ایک سے پسینہ خارج ہوتا ہے اور دوسرے سے ایک چکنا مادّہ نکلتا رہتا ہے یہ اسلیئے کہ جلد ملائم رہے، گرم ملکون مین جسم بہت جلد میلا ہوجاتا ہے، اسلیئے کہ پسینہ بہت نکلتا ہے، پسینہ مین جسقدر پانی کا جزو ہے، وہ تو خشک ہوجاتا ہے، لیکن فضلات جسم اور نمک کھال پر چپٹے رہجاتے ہین، نیز باہر کی خاک چکنے مادّہ سے مل کر مسامات کا منھ بند کردیتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم کے فضلات خارج ہونے نہین پاتے، خون خراب ہوجاتا ہے، پھڑیان نکل آتی ہین اور ان اعضاء پر جنکا فعل جسم کو نجاسات سے پاک کرتا ہے، مثلاً پھیپھڑے اور گردے، ان پر خون کی خرابی کی وجہ سے زیادہ بار پڑجاتا ہے، اور رفتہ رفتہ ضعیف ہوجاتے ہین، یہانتک کہ ایک دن بالکل جواب دیدیتے ہین، علاوہ برین جلد کا ایک فعل یہ ہے کہ سردی اور گرمی سے خون کو خبردار کرتی ہے جہان سردی معلوم ہوئی خون فوراً اندر دوڑجاتا ہے، اُوپر نہین رہتا، لیکن جب جلد نہایت کثیف ہوجاتی ہے

تو صحیح احساس نہین ہوتا، خون اوپر ہی دورہ کرتا رہتا ہے، اور سردی لگ جانے سے صد ہا امراض پیدا ہوجاتے ہین،

چنانچہ صحت کا دار و مدار بہت کچھ جسم کی صفائی پر ہے خصوصًا بچون کی لیکن انکی صفائی کی جانب جسقدر التفات کی ضرورت ہے، اسیقدر غفلت برتی جاتی ہے، ہندوستانی مدارس کے کثیف مناظر اسکے شاہد ہین، بلاشبہہ بچون کو نہلانے دہلانے کی ذمہ داری تمامتر ماؤن پر عاید ہوتی ہے، اور چونکہ یہ بحث درصل مسئلہ تعلیم نسوان کا ایک ٹکڑا ہے، لہذا ہم قلم انداز کرتے ہین،

الغرض جسم کا میل بلا ناغہ روزانہ دور کرنا چاہیئے، اور چونکہ اسکے اندر چکنا مادہ شریک ہوتا ہے اسلیئے صابن سے دہونا چاہیئے، صابن مین سوڈے کا جزو ہوتا ہے اور سوڈا دہنی مادہ کے ساتھ حل ہوکر میل کو جسم سے چوس لیتا ہے، نہانیکے بعد جسم کو تولیہ سے خوب رگڑکر خشک کرنا چاہیئے،

بیماری کی حالت مین اگر نہا نہ سکو تو کم ازکم پاؤن، جانگھ اور بغل دہوڈالنا چاہیئے، پاؤن کثافت کی جمع ہوجانیکی خاص جگہ ہے، سوتے وقت بلاناغہ دہونا چاہیئے، پاؤن دہونے سے نیند خوب آتی ہے، اور غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے،

دانتون کی صفائی بھی نہایت ضروری ہے، صبح، سوتے وقت اور کہانا کہانیکے بعد دانت ضرور مانجنا چاہیئے، دانتون مین جو غذا رہجاتی ہے وہ سڑکر زہر بنجاتی ہے، لوگ یورپ کی تقلید مین برش سے دانت صاف کرتے ہین، لیکن برش بہت جلد خراب ہوجاتا ہے، دانتون کا میل اسمین آکر سڑتا، گلتا، اور زہر بنتا ہے، اور اگر اسکے استعمال مین جاہلانہ شوق سے کام لیا جائیگا تو عنقریب دانت کو میل سے صاف کرنیکی جگہ منہ کو دانتون سے صاف کردیگا، زنبور کا کام دیگا،

اشتہاری منجنون سے بہاگنا چاہیئے، غریب طالبعلم کے لیئے کوئلہ اور نمک بہترین منجن ہے،

بہ نسبت یورپ کے ہندوستان مین ناخنون کی صفائی کی جانب خاص توجہ کی ضرورت ہے،

اسلئے کہ کہانا ہاتھون سے کہایا جاتا ہے، ناخن زیادہ بڑھنے نہ دینا چاہئین، اور انکے اندر خلال کرتے رہنا چاہیئے، تاکہ میل جمع ہونے نہ پائے،

ہندوستان جیسے ملک مین چاہیئے تو یہ تہا کہ اندر کا لباس روزانہ تبدیل کیا جاتا، لیکن کم استطاعت لوگون کے لئے ایسا کرنا دشوار ہے، بہر طور کم از کم دو جوڑے ہونا چاہئین، شب کو وہ کپڑا جو دن بھر اندر پہنے رہے ہو پہیلا دو تاکہ ہوا آکسیجن کے عمل سے اُسکو صاف کردے، دوسرے تیسرے دن پانی اور صابن سے بھی دہو ڈالنا چاہیئے،

ورزش بالعموم ورزش صحت کے واسطے لازمی ہے، جسم کی کثافتین خارج ہوتی ہین، معدہ اپنا فعل مستعدی کے ساتھ کرتا ہے اور جسم فربہ ہوتا ہے، اعتدال سے تجاوز ہر حال مین بُرا ہے، اور ورزش بھی اس سے مستثنیٰ نہین، چھوٹے بچون کو ڈرل کرانا چاہیئے اور بڑے بچون کے لئے جمناسٹک اور کہیل زیادہ مفید ہین، اسلئے کہ اُن سے نفسی واخلاقی صفات کی نشو ونما مین مدد ملتی ہے، مثلاً نظم، جرارت، توجہ، ہمدردی، ایثار وغیرہ جمناسٹک اور کہیل بچہ کو اس عمر مین اختیار کرنا چاہیئے، جب اخلاقی وذہنی کلی کے کہلنے کا موسم ہو، قبل از وقت اور بعد از وقت عبث ہوگا۔

آثار علمیہ ادبیہ

سرسید کے چند خطوط

بنام

مولوی سید شرف الدین صاحب بلخی (گیا صوبہ بہار)

مخدومی مکرمی سید شرف الدین صاحب بلخی عظیم آبادی،

آپکا نوازشنامہ پہنچا، ممنون عنایت ہوا، جو خیال آپکا میری طرف ہے وہ صحیح نہین ہے، اسکو دل سے دور کردیجئے، مین صرف ایک گنہگار شرمسار آدمی ہون، ادنی سے ادنی مسلمان بھی مجھ گنہگار سے ہزار درجہ بہتر ہے

آپنے مجھسے سوال کیا ہے اگر بعوض اسکے آپ مجھی سے مندرجہ ذیل سوال فرماتے تو مین نہایت خوشی سے اسکا جواب دیتا،

۱- نماز پنجگانہ فرض ہے یا نہین ؟

(۲) ہر مسلمان کو عالم ہو یا جاہل، درویش ہو یا دنیا دار، نماز پنجگانہ اسکو فرض مذہبی سمجھکر ادا کرنا فرض ہے یا نہین

۳- جو مسلمان اسکو فرض نہ سمجھے وہ کافر ہے یا نہین۔ بلا شبہہ کافر ہے،

۴- نماز نہ پڑھنے یا قضا کردینے سے مسلمان گنہگار ہوتا ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے یا نہین ؟

۵- نماز قضا ہونے یا قضا کرنے پر اگر کوئی شخص نادم ہو اور اپنے تئین گنہگار سمجھتا ہو، اور سخت گناہ کا مرتکب تسلیم کرتا ہو وہ کافر ہوتا ہے یا مسلمان رہتا ہے،

۶- اُسکے ساتھ یہ بھی سوال کرو جو لوگ مسجدون مین جاتے ہین اور اس بات سے خوش ہوتے ہین کہ لوگ اُنکو نمازی اور نہایت پاک سمجھین اُنکا کیا حال ہے،

میرے نزدیک جمع بین الصلوتین جائز ہے، مین ایک گنہگار آدمی ہون نماز پڑھتا بھی ہون قضا

بھی ہو جاتی ہے، جب قضا ہو جاتی ہے شامت اعمال سے اسکی ندامت ہوتی ہے، اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا ہون، خدا سے معافی چاہتا ہون،

جس شخص نے آپ سے کہا کہ مین نماز مغرب مین جو مسجد مدرسہ مین ہوتی ہے، شریک نہین ہوا، سچ کہا ہے، کیونکہ جب تک مین مدرسہ سے واپس نہ آؤن اور کپڑے نہ تبدیل کرون وہ کپڑے نمازی نہین ہوتے

بہرحال میری اندرونی تفتیش محض بیجا ہے، نہ مین مقدس ہون نہ مقدس ہونیکا دعوی ہے، نہ کسیکا ہادی بنا چاہتا ہون، ایک گنہگار آدمی کے حالات کی تفتیش کیا، البتہ مسلمانون کی بھلائی اور ترقی کا خیال ہے اسمین کوشش کرتا ہون،

والسلام خاکسار

سید احمد، علی گڈھ

۲- اگست سنہ ۱۸۹۲ء

مخدومی مکرمی مولوی شرف الدین صاحب،

آپکا نوازشنامہ پہنچا، رسالہ جن و تحریر فی اصول التفسیر روانہ خدمت ہو چکا، جس کتاب کی تحریر کی ضرورت آپ نے تحریر فرمائی ہے بلاشبہہ بہت ضروری ہے، کوئی شخص ایسا ہو جسکو جمیع مذاہب اسلامیہ سے نہ محبت ہو نہ عداوت، بلکہ سچے مورخ کی طرح اصلی حالات کو بیان کرے، خدا کسی کو ایسی توفیق دے، مین تو جب تک میری تفسیر ختم نہولے کوئی بڑا کام اختیار نہین کر سکتا، میری نسبت تو بسبب میری تصنیفات کے فتوہاے کفر ہو چکے ہین، آپ میری تحریرات کو پسند فرماتے ہین، آپ پر بھی فتوہاے کفر ہو جاوینگے، رسالہ الاستجابت دعا علحدہ لکھا ہے، اسکو بھی ملاحظہ فرمایئے، خطوط سب میرے نام ہوں، مین خود تعمیل کرونگا،

والسلام خاکسار

سید احمد

۴- فروری سنہ ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب بلخی

آپکا نوازشنامہ مورخہ ۱۱ - فروری میرے پاس پہنچا، آپ نے جو الفاظ اپنی عنایت سے میری نسبت لکھے مین اُنھون نے مجھے تکلیف دی، برائے خدا مجھکو امام نہ سمجھیے بلکہ احد من الانام کالانعام سمجھیے، آپنے لطیف بات لکھی ہے کہ علما بتا دین کہ مین مہدی ہون یا دجال، مین آپکو اطلاع دیتا ہون کہ علمار نے میرے دجال ہونے پر فتوی دیا ہے، مین تلاش کرونگا اگر ملا تو اُسکی نقل آپکے پاس بھیجدونگا، والسّلام

خاکسار سید احمد

۱۵ - فروری سنہ ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب بلخی

عنایت نامہ پہنچا، نسبت جواب کے ایک بہت بڑا مضمون تفسیر جلد پنجم مین بذکر خواب ہاے حضرت یوسف و فرعون وغیرہ مندرج ہے اسکو ملاحظہ فرمایئے،

بیعت کی رسوم ظاہری لغو و بیکارہ ہین، صرف ارادت رہبر مقصود ہے، حقیقت بیعت پر میرا رسالہ ہے، جو مجموعہ تصانیف مین چھپا ہے، اُسکو دیکھیے،

بیعت مسنونہ جسکی تفصیل میرے رسالہ مین ہے دو شخصون سے یا متعدد اشخاص سے کرنے مین کچھ مضائقہ نہین ہے،

والسّلام خاکسار

سید احمد

علیگڈھ - ۲۰ فروری سنہ ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی،

تفسیر صرف سورہ النحل تک چھپی اس سے اگلی سورتون کی تفسیر لکھی گئی ہے، مگر ابھی تک چھپنے کی

نوبت نہین آئی، خدا نے چاہا تو عنقریب چھپنی شروع ہوگی، سید محمد محمود نے جو اسپیچ الہ آباد کے تھیٹر مین کی تھی وہ صرف زبانی تھی، وہ لکھی گئی اور نہ چھپی ہے، مجھے تو یہی یاد ہے، مگر حال مین سید محمود نے کانفرنس مین ایک بے نظیر لکچر دیا ہے انگریزی تعلیم پر اور دکھایا ہے کہ مسلمانون نے اس سے کسقدر فائدہ اُٹھایا اور ہندوؤن نے کسقدر اور ڈی گرام بنا کر آنکھون سے دکھایا ہے، وہ چھپ جائیگا تو ایک کاپی خدمت عالی مین بھیجونگا،

دس قطع اشتہارات در باب اجرائے تہذیب الاخلاق مرسل خدمت ہین، از راہِ مہربانی اُنکو دوستون مین تقسیم فرمادیجیے،

والسلام خاکسار

سید احمد،

علی گڈھ، ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء

(بقیہ مطبوعات جدیدہ)

انقلاب

اخباری حیثیت سے لاہور اور کلکتہ اُجڑ گیا، لیکن اب لکھنؤ اور خاصکر دہلی آباد ہو رہی ہے، حال ہی مین ہفتہ وار **انقلاب** جناب عارف مختار اللہ کے زیر ادارت دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے، ابھی چند پرچے اسکے شائع ہوئے ہین، لیکن انہین کو دیکھکر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ اخبار نویسی کی سطح کو بلند کرنا چاہتا ہے، سیاسی مضامین مناسب بحث و تبصرہ کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہین موجودہ سیاسیات ہند مین ملک کی خواہشون کا شدت کے ساتھ ہم آہنگ ہے، اسلامی مسائل خصوصیت کے ساتھ اسکے صفحات مین زیر بحث رہتے ہین، لکھائی چھپائی بہت صاف اور اچھی، نوعیت مضامین مناسب اور ترتیب بھی عمدہ ہوتی ہے،

۸ صفحہ، قیمت سالانہ سے (۴)، پتہ: کوچہ چیلان، دفتر انقلاب دہلی -

ادبیات

مستی چشم بتان ساغر سرشار نداشت
نشهٔ نداشت ولے نشهٔ بسیار نداشت

نامهٔ دوست که صد بار بخواندم آن را
ذوقها داشت ولے لذت گفتار نداشت

گرچه در جلوه گہت موسی عمران برسید
لیک آن نیز بخلوت گہ تو بار نداشت

این همه رد و قبول تو بکه بود؟ که دوش
حرف انکار تو هم معنی انکار نداشت

ذوق از زندگیٔ خویش چه برد؟ آے زاهد
آنکه خلوتکدهٔ داشت ولے یار نداشت

دل و دین باخته ات ماند بکویت حیران
مدعا داشت ولے از در و دیوار نداشت

رونق شهر دگر گشت چو یوسف آمد
پیش ازین مصر چنین کوچه و بازار نداشت

زاهد بیخبر از جلوهٔ زلف و قد دوست
بود منصور ولیکن رسن و دار نداشت

گوے از ما به ثبات قدم خویش ببرد
آنکه در کوچهٔ تو طاقت رفتار نداشت

واے بر دیدهٔ شوقم که ز مژگان نگاه
دامنے داشت در و دولت دیدار نداشت

در بساط دل ما طرح دو عالم انداخت
عشق زان پیش که اندازهٔ پرکار نداشت

از دل ندوی و مژگان درازت آمیخت
ارتباطے که بهم آبله و خار نداشت

عبدالسلام ندوی

قد موزون تو یک سرو بگلزار نداشت
شیوهٔ چشم تو یک نرگس بیمار نداشت

گرچه صد جام بکف لاله همی داشت بباغ
لیک چون چشم تو یک ساغر سرشار نداشت

نقش زیبات که شد مایهٔ تسکین دلم
شیوه‌ها داشت ولے شیوهٔ گفتار نداشت

پر ز آوازهٔ عشقِ من و تو گشت جہان | این نوا بیش ازین گنبدِ دوّار نداشت
واعظِ شہر کہ دی جلوه بمنبر میکرد | صد سخن داشت مگر یک ہم ازان بار نداشت
رازِ عشقم ہمہ در کوچہ و بازار افتاد | شکرِ صد شکر کہ دل پردهٔ پندار نداشت
ہر کہ در صحبتِ یار سے مئ گلرنگ نخورد | نقد فرصت بکفش بود و سرِ کار نداشت
شوق را بین کہ برد کار ز اندازه برون | جلوه میخواست ولے طاقتِ دیدار نداشت
تا ز سر زد ز منِ این غلغلهٔ عشق بدہر | حسن خود گرمئ ہنگامهٔ بازار نداشت
بسکہ یک یک بشمردم خمِ زلفش آسان | کہ شکن در شکن آن طرهٔ طرّار نداشت
دوش آن ساقئ سرمست بجامم می ریخت | آن مے تند کہ در میکده خمّار نداشت
انجمن را چہ دہم شرح چہ برگ است و چہ ساز | رونقِ کارگہش امسال بود پار نداشت
حرفے از گفتهٔ آن شوخ بہم آمیخت مگر | نامہ بر ورنہ دلآویزئ گفتار نداشت

حیف صد حیف کہ نیّرؔ بسرِ منزلِ دوست
پائے بیداشت ولے طاقتِ رفتار نداشت

ابو الحسنات ندوی

مساوات فاروقی

امیر المومنین حضرت عمرؓ کے عہد مین اک دن | کیا دعوی اُبیؓ نے آپ پر دائر عدالت مین
قضا کے منصب عالی پہ مامور ابن ثابتؓ تھے | انھون نے حاضری کا حکم بھیجا انکی خدمت مین
ہوے حاضر وہان تو زیدؓ نے تعظیم دی اُنکو (زید ابن ثابت) | کہا حضرت عمرؓ نے یہ نہین جائز شریعت مین
خطا پہلے تمہاری تو یہی اے ابن ثابت ہے | کہ غفلت عدل سے کی آ گئے رعبِ خلافت مین
یہ فرما کر اُبی کے پاس ہی وہ خود بھی جا بیٹھے | کہ داخل تھی مساوات آپکی عادت مین طبیعت مین

تہا دعوی بے دلیل انکا نہین انکار دعوی سے
قسم دین انکو یہ سوچا انہی نے ایسی صورت مین

ادب ملحوظ امیر المومنین کا تہا جو قاضی کو
کہا ایسی نہ گستاخی کرو حضرت کی خدمت مین

جبین عدل فاروقی پہ بل پڑنے لگے فوراً
کہا ای زید تم حق پر نہین ہو اس رعایت مین

قسم دینے نہین منکر کو اسکا تمکو حق کیا ہے
خطا یہ دوسری سرزد ہوئی تم سے عدالت مین

تمہاری ہے یہی حالت اگر بیجا حمایت کی
تو اس منصب کے تم قابل نہین ہو ایسی صورت مین

یہی وہ اسوۂ فاروق اعظم ہے کہ اک عالم
مثالین اسکی سن کر غرق ہے دریائے حیرت مین

نظر ڈالو تعمق سے ذرا تاریخ عالم پر
نظیر اسکی نہین ملتی مساوات عدالت مین

حامد حسین قادری بچھرایونی

غزل

ایڈیٹر اخبار سعید کانپور

مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دل سے مین کہہ رہا ہون تجہپر ہوا فدا مین
دل مجھسے کہہ رہا ہے او بیخبر جلا مین

تڑپا دیا ہے دل کو شاباش ہمصفیرو
یونہین پھر اک صدا دو ٹوٹا قفس چلا مین

وہ نزع کی خموشی جام جہان نما تھی
اک عمر کی کہانی دم بھر مین کہہ گیا مین

ویرانۂ قفس مین باتین کرون تو کس سے
پہلے سے سننے والے ہوتے تو بولتا مین

دل کی جراحتون کے مرہم کہان سے لاؤن
پہٹا رہا وہ دامن جسکو سیا کیا مین

پھر اور کس طرح سے اجڑے مکان کو سمجتا
قصر لحد مین آکر تصویر ہو گیا مین

انکی رضا پہ مرنا اک قسم زندگی تھی
اپنے دل حزین سے پھر کیون ہوا خفا مین

قبرون پہ مین نے پھونکا ثاقب دل و جگر کو
کچھ اور تہا نہ ممکن شمعین چڑھا گیا مین

مطبوعاتِ جدیدۃ

مسلمانانِ اندلس، مشہور مغربی مصنف اسٹینلی لین پول کی کتاب "مورس ان اسپین" کا ترجمہ جناب مولانا سید عبد الغنی صاحب وارثی بہاری مرحوم سابق مددگار صدر محاسب ریاست حیدر آباد نے کیا تھا، اور حال مین مترجم مرحوم کے انتقال کے بعد مطبع الناظر لکھنؤ نے یہ کتاب شایع کی ہے۔

مصنف نے مغربی مذاق تصنیف کے مطابق اپنی کتاب کے ابتدائی ابواب مین اندلس کی قدیم تاریخ مسلمانون کے داخلہ سے پہلی کی حکومت اور اسکے طریق حکومت سے بقدر ضرورت اعتنا کیا ہے، جس سے اسلامی فتوحات پر بھی کیقدر روشنی پڑتی ہے، مسلمانان امرائے اندلس، اندلس کا بارگاہ خلافت سے تعلق وانقطاع اور اسکا اثر، دمشق کی خلافت کا بنوامیہ سے نکل کر بنوعباس کے قبضہ مین جانا، پھر اندلس کا استقلال حکومت، ان تمام بیانات مین مصنف نے ان تمام جزدی وکلی امور کا استقصا کیا ہے، جس سے اندلس کی مکمل تاریخ عہد بعہد کی ترقیان اور انقلابات کا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، ہر واقعہ کے اصلی اسباب وعلل پڑھنے والے کو بیک نظر معلوم ہوجاتے ہین،

مترجم مبرور کی قدرت ترجمہ کا یہ کمال ہے کہ اس کتاب کو پڑھتے وقت ذرہ برابر اسکا احساس نہین ہوتا کہ دوسری کتاب کا ترجمہ ہے، زبان کی سلاست وروانی، طرز ادا کی صفائی وبے تکلفی سے ترجمہ پر اصل کتاب کا دھوکا ہوتا ہے، چونکہ مترجم مرحوم انگریزی وعربی دونون زبانون سے اچھی طرح واقف تھے، اسلئے مقامات، وادی، دریا، پہاڑ، اور اسماے رجال وغیرہ مین ویسی غلطیان بھی نظر نہین آتین جیسی عموماً اسلامی تاریخون کے نرے انگریزی خوان مترجمین کرتے ہین، صفحہ ۲۰۸، قیمت عہ، پتہ: الناظر بک ایجنسی لکھنؤ،

نتائج بعثت، تحریر وتقریر دار العلوم ندوہ کے طلبا کی عام خصوصیت ہے، اور وہ جہان بھی ہوتے ہین اپنی خصوصیات کے نمونے پیش کرتے ہین، نتائج بعثت بھی ایک ندوی کی تحریری خصوصیت کا نتیجہ ہے،

سنہ ۱۶ء مین مجلس میلاد النبی سکندر آباد نے علیگڈھ کالج، دار العلوم دیو بند، اسلامیہ کالج پشاور، مدرسہ عالیہ کلکتہ، سہارنپور، دہلی، اور ریاست حیدر آباد کے تمام مدارس اسلامیہ مین یہ عام اعلان بھیجا تھا کہ وہان کے طلبار نتائج بعثت پر مضامین لکھکر بھیجین، جسکا مضمون بہترین ثابت ہوگا اسکو ایک طلائی تمغہ انعام دیا جائیگا، مولوی خواجہ ابوزبیر منظور احمد ندوی متعلم جامعہ الٰہیہ کانپور کی تحریر معیار امتحان پر پوری اتری اور وہ طلائی تمغہ انکو دیا گیا، وہ تحریر اب رسالہ کی صورت مین شائع کیگئی ہے، توحید، تکمیل، اخلاق، تمدن، مساوات، مذہبی بے تعصبی، حکومت جمہوری، اور عبادات وغیرہ اس بحث کے اجزا ہین، جہانتک مباحث کا تعلق ہے یہ مضمون علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکلام کو پیش نظر رکھکر لکھا گیا ہے اور اچھا لکھا گیا ہے، تسلسل و ترتیب مناسب ہے، طرز بیان بھی بہت معقول ہے، لیکن زبان کی نسبت مضمون نگار سے کہنا ہے کہ وہ اس سے عمدہ اور سلجھی ہوئی بنانیکی کوشش کرین،

صفحہ ۶۵، تقطیع چھوٹی، قیمت ۶ر، منیجر مکتبۂ الٰہیہ کانپور،

ہاروت ماروت مولوی محب حسین صاحب محب نے اپنا ایک مسدس اس نام سے شائع کیا ہے جسمین مشہور قصہ ہاروت و ماروت کو اخلاقی حیثیت سے نظم کیا ہے، دنیا کی حالت، اہل دنیا کے اخلاق، نفس انسانی کی خباثت وغیرہ کو دکھایا ہے، طرز بیان گو معمولی ہے لیکن جو کچھ بیان کیا گیا ہے، صاف اور واضح ہے، بعض بعض جگہ بندشین بہت سست واقع ہوئی ہین، بلکہ بعض الفاظ بھی غلط استعمال کئے گئے ہین، مثلاً غَرق (۳)، شَرف (۶) حالانکہ بفتح را ہونا چاہیئے، اسی طرح فرش بچھا ہوا (۵) بہ تشدید غلط ہے،

صفحہ ۲۴، قیمت ۴ر، احاطہ موسیٰ خان بیگم بازار حیدر آباد دکن)

جلد سوم | ماہ مئی سنہ ۱۹۲۶ء مطابق شعبان سنہ ۱۳۴۴ھ | عدد یازدہم

مضامین

شذرات	مولوی عبدالماجد بی، اے	۵۶۲ —— ۵۶۶
مساجد اور غیر مسلم	مولانا ابوالکلام آزاد	۵۶۷ —— ۵۹۲
اسلام میں مختلف فرقوں کی نشوونما	مولانا عبدالسلام ندوی	۵۹۳ —— ۶۰۰
مصری کہانے	مولوی عبدالرزاق ندوی	۶۰۱ —— ۶۱۰
غزل فارسی	مولانا حبیب الرحمن خان شروانی	۶۱۱ —
"	جناب گرامی شاعر خاص حضور نظام	۶۱۱ — ۶۱۲
غزل اردو	مولانا آزاد سبحانی	۶۱۲ — "
"	جناب عزیز لکھنوی	۶۱۲ — ۶۱۳
مطبوعات جدیدہ		۶۱۴ — ۶۱۶

مکالمات برکلے

از مولوی عبدالماجد بی۔اے

برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ چھپکر تیار ہے، قیمت عہ و مہ باختلاف کاغذ،

"مینجر"

MIA UNIVERSI
LIBRARY

شذرات

مصائب جنگ کا ہندوستان کے غریب مطابع پر جو اثر پڑا وہ محتاج اعادہ نہین، کاغذ کا قحط، سامان طبع کی نایابی، کام کرنیوالون کی تعداد مین قلت، اور شرح اجرت مین اضافہ، ان سب دشواریون کا بار بار بیان ہوچکا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ انگلستان کا متمول و باثروت پریس انکی زد سے کس حد تک محفوظ رہا؟ اسکا جواب اعداد ذیل دینگے :-

سال		تعداد مطبوعات	سال		تعداد مطبوعات
سنہ ۱۹۱۳ء	(سال قبل جنگ)	۱۲۳۷۹	سنہ ۱۹۱۴ء	(سال آغاز جنگ)	۱۱۵۳۷
سنہ ۱۹۱۵ء		۱۰۶۶۵	سنہ ۱۹۱۶ء		۹۱۴۹
سنہ ۱۹۱۷ء		۸۱۳۱	سنہ ۱۹۱۸ء		۷۷۱۷

جب انگلستان کا پریس با این تمول و ثروت اسقدر متاثر ہوا تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کے نادار و قلیل البضاعت اہل مطابع کو جسقدر بھی دشواریان پیش آئی ہون بجا ہین،

پروفیسر لارکن، ڈائرکٹر رصدگاہ کالیفورنیا نے حال مین ایک امریکن پرچہ مین ایک دلچسپ و پرمعلومات مضمون حالات آفتاب سے متعلق شایع کیا ہے جو نیوانڈیا کی وساطت سے ہندوستان پہنچا ہے، پروفیسر موصوف لکھتے ہین کہ آفتاب جسکا قطر ۸ لاکھ ۶۶ ہزار میل ہے، دیگر اجرام فلکی کے مقابلہ مین بہت ہی چھوٹا کرہ ہے تاہم اسکی جسامت کرۂ ارض کی نسبت سے ۱۳ لاکھ ۱۰ ہزار گنی زاید ہے، اور اسکی موجودات مادی بمقابلہ زمین کے

۳ لاکھ ۳۴ ہزار ۲۰۴ درجہ زاید ہے، آفتاب کی عمر کا آفتاب اب ڈھل چکا ہے، یعنی اسکی حیات طبعی کا بڑا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اور اب اسکے انحطاط کا دور ہے،

موجودہ لفٹننٹ گورنر کے عہد حکومت مین ہمارا صوبہ متحدہ تعلیمی حیثیت سے غیر معمولی ترقی کر رہا ہے، متعدد جدید کالجون اور یونیورسٹیون کا نظام تیار ہو رہا ہے، سب سے بڑھکر یہ کہ گورنمنٹ تعلیم کی مد مین شاہانہ فیاضیون کا اظہار کر رہی ہے، چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء کے تازہ بجٹ مین ۴۳ لاکھ کا اضافہ منظور کیا گیا ہے، جس سے تعلیمی بجٹ کی میزان ایک کرور چھ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے، اس توجہ والتفات کے لئے ہر شخص ممنون ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ اس تعلیمی بجٹ کو متمدن ممالک کے تعلیمی بجٹ سے کیا نسبت ہے؟

انگلستان و ویلز کی مجموعی آبادی صوبہ متحدہ کی آبادی سے بقدر ایک کرور کے کم ہے، اس لحاظ سے وہان کا تعلیمی بجٹ ۷۰-۷۵ لاکھ کا ہونا چاہیئے تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۵ء مین وہان کا تعلیمی بجٹ ۲۲ کرور کا تھا! اور رعایا کو اسپر بھی تسکین نہوئی، اخبارات نے سخت شور وغل برپا کیا، چنانچہ گذشتہ اگست مین جدید قانون تعلیم کا نفاذ ہوا، جس نے مصارف تعلیم پر کافی اضافہ منظور کیا!

اپنی پست قامتی کا احساس کرنا ہے تو کسی دیو ہیکل کے پہلو مین کھڑے ہو جانا چاہیئے۔

آغاز جنگ کے وقت جو لوگ مطابع اور انکے دفاتر سے تعلق رکھتے تھے، انکی مجموعی تعداد انگلستان مین دس ہزار تھی، ان مین سے پورے پانچ ہزار فوج مین داخل ہو گئے، خاتمہ جنگ پر ان مین سے جو اشخاص صحیح وسالم کام کرنیکے قابل واپس آئے، انکی تعداد تیس سے بھی کچھ کم نکلی! پریس سے زیادہ آبادی انگلستان کے کسی حصہ نے جنگ مین انہماک و ایثار و سرفروشی کا عملی ثبوت نہین دیا۔

ہندوستان مین سالانہ جلسہ اب صرف قومی و سیاسی مجالس ہی کے نہین ہوتے بلکہ چند سال سے مختلف علمی انجمنین بھی اپنے سالانہ اجلاس کرنے لگی ہین، اس قسم کی مجالس مین سب سے ممتاز انڈین سائنس کانگرس ہے جسکا اجلاس گذشتہ جنوری مین مشہور ڈاکٹر و مکتشف سر لیونارڈ راجرس کی زیر صدارت بمبئی مین منعقد ہوا، اور علم الحیات، طبعیات، ہیئت، زراعت وغیرہ کے متعدد مسائل پر محققانہ بحث ہوئی، اسی زمانہ مین انڈین میتھیمٹکل سوسائٹی (انجمن ریاضیات ہند) کا دوسرا سالانہ اجلاس بھی بمبئی مین منعقد ہوا، اور ریاضیات سے متعلق دلچسپ مباحث در پیش رہے، انکے علاوہ بمبئی مین اکانومک کانفرنس (انجمن اقتصادیات) اور کلکتہ مین انجنیرز کانفرنس کے اجلاسات ہوئے۔ ان مین سے ہر انجمن اپنے اپنے دائرہ مین مفید و قابل قدر خدمات انجام دے رہی ہے، اور یہ دیکھکر خاص طور پر مسرت ہوتی ہے کہ ان علمی کارگذاریون مین یورپین علما کے دوش بدوش، بنگالی، مرہٹہ و پارسی فضلا بھی سرگرم عمل نظر آتے ہین، ہم اپنے ہموطنون کو اس ترقی پر مبارکباد دیتے ہین، لیکن ہماری مسرت یقیناً بہت زاید ہوتی اگر خادمان علم و فن کی اس طویل فہرست مین مسلمانون کے دو ایک نام بھی موجود ہوتے :

کانفرنسون اور انجمنون کے سلسلہ مین میوزک کانفرنس (انجمن موسیقی) بھی قابل تذکرہ ہے، اسکے انعقاد کی ابتدائی تحریک ملک کے مشہور روشن خیال و علم دوست رئیس ہز ہائنس گیکوار بڑودہ نے کی، چنانچہ سنہ ۱۶ء مین انہین کی زیر صدارت و سرپرستی اسکا پہلا اجلاس ہوا، دوسرا اجلاس پیندماہ ہوے دہلی مین زیر صدارت نواب صاحب رامپور منعقد ہوا، اور آیندہ اجلاس کے لئے بنارس کا مقام تجویز ہوا ہے، موسیقی درحقیقت ریاضی و فلسفہ کے ہم مرتبہ ایک نہایت اعلیٰ فن تھا، ہندو حکما کے نزدیک یہ فن خود برہما (خالق کائنات) سے نکلا ہے، اور عبادت کی بہترین صورت ہے یونانی فلاسفہ انسانی نغمہ کو صوت سرمدی کا عکس قرار دیتے تھے، مسلمانون مین اکثر صوفیاے کرام اسے وسیلہ عرفان سمجھتے ہین،

اور بعض حکماے اسلام (مثلاً فارابی) تو اس فن کے امام ہوئے ہین، غرض موسیقی کی عظمت و اہمیت ہر متمدن قوم کو مسلم ہے، لیکن ہندوستان مین ایک عرصہ سے یہ فن جس گروہ کے ہاتھ مین ہے، اس نے اسکی ساری عظمت کو خاک مین ملا دیا ہے،

مے کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است

بلکہ مے میشود از صحبت نادان بدنام

کاش اس کانفرنس کے ذریعہ سے اس طائفہ ضالّہ کی جلد اصلاح ہو اور یہ فن لطیف اپنا گذشتہ وقار از سر نو حاصل کرے۔

دولت و ثروت، کل دنیا کی طرح یورپ مین بھی سنجیدہ مصنفین کے نصیب مین نہین، علم و ادب کے بہترین خدمتگذارون نے اکثر وہان بھی تنگدستی بلکہ فقر و فاقہ مین بسر کی ہے، لیکن عموماً افسانہ نویس اس کلیہ سے مستثنیٰ رہے ہین، اور ان مستثنیات مین سب سے زیادہ حیرت انگیز مثال فرانس کے نامور ناول نگار ڈوماکی ہے، اُسکے ناول اسقدر مقبول ہوئے کہ رفتہ رفتہ وہ ایک نہایت متمول رئیس ہوگیا، ثروت و تمول کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سونے کی رکابیون مین کھانا کھاتا تھا، اور دسترخوان اسقدر وسیع ہوتا تھا کہ اتنا کسی بڑے رئیس کا بھی بمشکل ہوتا ہوگا، لیکن اس "دولت قارون" کے ساتھ ہی "ہمت حاتم" بھی حصہ مین آئی تھی، ساری آمدنی احباب کے ساتھ حسن سلوک کے لئے وقف تھی، یہانتک کہ ظروف طلائی جنمین احباب کو کھانا کھلاتا تھا، اکثر انہین کی نذر کردیتا تھا۔

ہندوستان کے مصنفین کے لئے یہ واقعات "داستان طلسم ہوشربا" سے زیادہ اصلیت نہین رکھتے۔

پیرس کی مشہور علمی اکاڈیمی نے سنہ ۲ء کے لئے متعدد علمی وظائف کا اعلان کیا ہے جنمین سے اکثر کیلئے کسی ملک و قوم کی تخصیص نہین، اور عنوانات اس کثرت سے رکھے ہین کہ سائنس کا شاید ہی کوئی شعبہ

باقی رہ گیا ہو، ریاضی، ہیئت، جغرافیہ، طبعیات، تشریح، طب، کیمیا، حیوانیات، ارضیات، وغیرہ سب مضامین قابل صلہ ہو سکتے ہین، طبعیات مین پہلا وظیفہ دس ہزار فرنک (چھ ہزار روپیہ) اس شخص کیلئے ہے جو اس سال مین اس فن پر بہترین کتاب لکھے، ایک ہزار فرنک (چھ سو روپیہ) کا وظیفہ اسکے لئے ہے جو برقیات پر بہترین مضمون لکھے، ڈھائی ہزار فرنک (ڈیڑھ ہزار روپیہ) کا وظیفہ اس شخص کے لئے جو مقناطیس یا علم البرق سے متعلق کوئی اجتہاد کرے، اور اسیقدر رقم اس باشندۂ فرانس کے لئے ہے جو برقیات مین کسی خاص کمال یا شغف کا ثبوت دے،

جس قوم مین علمی قدرشناسی وحوصلہ افزائی کے یہ طریقے رائج ہون، اگر وہ حیرت انگیز ترقی کرے تو حیرت نہ کرنا چاہیئے۔

ہندوستان مین اسوقت قدیم ہندی علوم کے سب سے بڑے محقق پونہ کے ڈاکٹر بھنڈارکر ہین جنکا فضل وتبحر یورپ کے بڑے سے بڑے مستشرق کو بھی مسلّم ہے، انکے زیر اہتمام انکے قائم کردہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ مین قدیم معرکۃ الآرا کتاب مہابھارت، تصحیح وتحشیہ کے ساتھ ازسرنو شایع ہونیوالی ہے، اس کام مین کئی سال لگین گے اور ہزارون روپیہ کا صرف ہوگا، صوبہ بمبئی کے ایک ہندو رئیس نے نصف مصارف اپنے ذمہ لئے ہین، امید ہے کہ بقیہ نصف کی کفالت بھی ملک جلد سے جلد کریگا۔

ہندوستان مین حکومت تعلیم پر جو خرچ کرتی ہے اسکا سالانہ اوسط فی کس سات آنہ پڑتا ہے، ہم اسکے مقابلہ مین امریکہ کی نظیر نہین پیش کرتے، جہان فی کس سالانہ اوسط مصارف ۱۶ شلنگ (بارہ روپیہ) ہے بلکہ ہندوستان ہی کی ایک ریاست کا نام لیتے ہین جہان اوسط مصارف نو آنہ فی کس ہے، افسوس ہے کہ یہ کوئی اسلامی ریاست نہین بلکہ مغرب کی مرہٹی ریاست بڑودہ ہے۔

مقالات

مساجد اور غیر مسلم

افادۂ فاضل ہمام مولانا ابو الکلام

مسجدون کی مجالس مین مسلمانون کی اجازت سے ہندوؤن کا شریک ہونا شرعاً جائز ہی

الحمد للّٰہ وحدہٗ ۔ بعض اخبارات نے مسلمانان دہلی وکلکتہ کے اس طرز عمل کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہی کہ مسجدون کی مجالس مین ہندوؤن کو بھی شریک کیا گیا، اور تقریر کرنے کی اجازت دی گئی۔ دہلی کے مسلمان سب سے زیادہ نشانۂ ملامت ہین کہ انھون نے سوامی شردھانند سے جامع مسجد مین تقریر کرائی۔ ان اخبارات نے اس فعل کو نہ صرف ناجائز بتلایا ہے، بلکہ ایک سخت فتنہ و بدعۃ سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مساجد کی توہین کی گئی، اور اسلامی عبادت گاہ کے احترام کا کچھ لحاظ نہین کیا گیا، وغیر ذالک۔

جن صاحبون نے یہ خیالات ظاہر کیے ہین، انھون نے اس مقصد کے لیے بڑی بڑی تمہیدین اُٹھائی ہین، اور شاندار عنوانات اختیار کیے ہین۔ مثلاً "مسلمانون کو ہر حال مین چاہیے کہ احکام شرعیہ کو مقدم رکھین اور جوش اتحاد مین ایسے بیخود نہو جائین کہ احکام شرعیہ سے بے پرواہ ہو جائین"۔ ان شاندار واعظانہ تمہیدون کو دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ شاید مسلمانان دہلی وکلکتہ نے کوئی بڑی ہی خلاف ورزی احکام شرعیہ کی کی ہے، اور اب اسپر ماتم کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہی۔ اس دور فتن و بدعات مین اگر مسلمانون کی کسی جماعت نے کوئی بہتر سے بہتر کام کیا ہی تو وہ یہی ایک کام ہی کہ مقاصد صالحہ سے مسجدون مین مجالس منعقد کین، اور اپنے غیر مذہب ہمسایون اور حلیفون یعنی ہندوؤن کو بھی اُسی مقصد سے ان مین شریک کیا، جس مقصد سے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غیر مذہب کے صلح پسندون اور دوستون کو مسجد مین بلاتے اور ٹھہراتے تھے، اِقتداءً بغیر علم

کی اس سے بڑھکر اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ جو فعل مستحسن اور ہدیِ نبوۃ سے ماخوذ ہے، اس کو بدعۃ قرار دیا جارہا ہے، اور طرح طرح کی بدعتین علانیہ مسجدون مین ہورہی ہین، مثلاً انعقاد مواسم ومحافل بدعیہ ورفع الصوت وبیع وشرا فی المسجد، وہجوم ساکین، وسائلین وجرح فی الجماعۃ، وسکونۃ فساق وتارکین صلوٰۃ، وصلاتان معاً وغیر ذلک، ان کو کوئی نہین روکتا، بلکہ بہت سے مدعیان علم ہین جو انکو عین سنۃ سمجھ رہے ہین، احکام شرعیہ کی تقدیم و پابندی تو عین مطلوب و مقصود ہے لیکن اسکے وعظ کا استعمال صحیح موقع پر ہونا چاہیے، ان حضرات کو سب سے پہلے اپنی نسبت فیصلہ کرلینا تھا کہ کہین وہ خود تو صدود شرع سے متجاوز نہین ہورہے ہین؟ شریعۃ کی پابندی کے معنی صرف یہی ہین کہ شریعۃ کی پابندی "تحکم بالظن والرائی" اور "اعجاب کل ذی رای برایہ" کا نام شریعت نہین ہے، وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ هٰذَا حَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ

خود اصل واقعہ بھی غلط سمجھا گیا ہے، جامع مسجد کے جلسے کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ سوامی شردھانند نے ممبر پر کھڑے ہوکر تقریر کی، اور ممبر کو لوگون نے ممبر جمعہ سمجھ لیا، جو مسجدون کے ہال مین ہوتا ہے۔ حالانکہ ممبر سے مقصود دکّہ کا چبوترہ ہے، جو صحن مسجد مین ہے اور اسپر ممبر مصطلحہ مساجد کا اطلاق کسی طرح درست نہین۔ یہ چبوترہ بڑی بڑی مسجدون مین بنادیا جاتا ہے تاکہ تکبیرات انتقال کو ایک بلند مقام سے دھرایا جاسکے۔ پھر اگر اس چبوترہ پر ایک غیر مسلم دوست نے مسلمانون کی اجازت سے کھڑے ہوکر تقریر کی تو اس مین شرعاً کیا قباحت لازم آئی؟ ومن ادعی خلافہ فعلیہ البیان۔

رہا اصل مسئلہ یعنی غیر مسلمون کا مسجدون مین داخل ہونا، تو معترضین کو معلوم ہونا چاہیے کہ نہ صرف داخل ہی ہونا جائز ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اگر مصالح مقتضی ہون تو انکو مسجد مین عارضی طور پر بطور مہمان کے ٹھرانا بھی جائز ہے۔ اور مسلمانون کا جو امام یا مسلمانون کی جو جماعت رعایت مصالح اُخری کے ساتھ ایسا کرتی ہے وہ ٹھیک ٹھیک اُس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتی ہے، جو صاحب شریعۃ صلعم نے امت کو دکھلایا ہے؛

فخیر الھدی ھدی محمد وشر الامور محدثاتہا۔

(۱)

آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر مجالس اور صحبتین مسجد نبوی ہی مین منعقد ہوتی تھین، بسا اوقات غیر مسلم آتے تھے، اور بلا کسی روک ٹوک کے اُن صحبتون مین شریک ہوتے تھے، آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارک مسجد سے متصل تھا، جو لوگ آپکی خدمت مین حاضر ہوتے تھے انکو بعض اوقات مسجد ہی مین آپکا انتظار کرنا پڑتا تھا، اور ان لوگون مین غیر مسلم بھی ہوتے تھے، یہ امور ضمناً متعدد روایات سے مستنبط ہوتے ہین، آپکے بعض یہودی قرضدارون نے مسجد مین آکر تقاضا کیا ہے، اور آپنے اپنے حلم و خلق کی وجہ سے اُنکے حق طلب و تقاضا کو تسلیم فرمایا ہے، غیر مسلم اقوام سے پولیٹکل علایق، سفرا کا ایاب و ذہاب، معاہدہ و مواثیق کی مجالس شوریٰ، عرائض و شکایات مسلمین و غیر مسلمین، یہود مدینہ اور مشرکین اطراف و جوانب سے پولیٹکل تعلقات کی گفت و شنید، یہ اور اسی طرح کے تمام معاملات مسجد نبوی ہی مین طے پاتے تھے۔ خود مسلمانون کو آپنے مسجد کے متعلق متعدد معاملات مین تنبیہ فرمائی اور اُنہی سے احکام احترام و حقوق مسجد مستنبط ہوئے، مثلاً منع آکل البصل و الثوم، و منع انشاد ضالہ، و منع بیع و شراء و غیر ذلک، مگر ایک واقعہ بھی ایسا موجود نہین جس سے ثابت کیا جاسکے، کہ آپ نے کسی غیر مسلم کو صرف اس بنا پر مسجد مین داخل ہونے سے روک دیا ہو کہ وہ مسلمان نہین ہے۔ آپکے زمانہ مین اور آپ کے بعد خلیفۂ دوم تک تمام سرکاری عمارتون کا کام مسجد نبوی ہی دیتی تھی، اور غیر مسلم اقوام و قبائل کے جسقدر وفد (ڈیپوٹیشن) اور سفراء آتے تھے وہ یا تو مسجد مین ٹھرائے جاتے تھے، یا شہر کے مسلمانون نے لہن۔ تاریخ اسلام مین سب سے پہلے حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری مہمانسرا بنائی جیسا کہ مقریزی اور عسکری نے لکھا ہے، اور ابن حبان نے کتاب الثقات مین تصریح کی ہے کہ مدینہ کی مہمانسرا ۱۷ھ ہجری مین حضرۃ عمرؓ کے حکم سے تعمیر ہوئی،

(۲)

ازانجملہ وفد نجران کا واقعہ ہے جو صحاح و سیرۃ مین بہ تفصیل موجود ہے اور جسکی نسبت سورۂ آل عمران

کی آیات مباہلہ و احتجاج اہل کتاب بالاتفاق نازل ہوئین، نجران (یمن) مین عیسائی آباد تھے، اسلام کا پیام دعوۃ پہنچا تو آمد و رفت شروع کی، دوسری مرتبہ ان کا وفد آیا تو اتوار کا دن تھا، اور شام قریب تھی، مسجد نبوی مین پہنچے تو انھون نے چاہا کہ پہلے اپنی نماز ادا کرلین، بعض مسلمانون پر یہ بات ناگوار گزری کہ اسلام کی عبادت گاہ مین عیسائیون کو مسیحی عبادۃ کی اجازت کیون دیجائے؟ انھون نے روکنا چاہا، لیکن آنحضرۃ صلعم نے فرمایا مت روکو، نماز پڑھنے دو، چنانچہ وفد کے تمام عیسائیون نے پورب کی طرف منھ کرکے نماز پڑھی۔ زاد المعاد مین ہے: "لما قدم وفد نجران علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا علیہ مسجدہ بعد العصر فحانت صلاتھم فقاموا یصلون فی مسجدہ فاراد الناس منعھم فقال رسول اللہ دعوھم فاستقبلوا المشرق فصلوا صلاتھم" اھ

اس واقعہ سے کئی باتین ثابت ہوئین: اولاً یہ کہ غیر مسلم مسجد مین بلائے جاسکتے ہین۔ نجران کے وفد کے ارکان رومن کیتھولک عیسائی تھے، مگر آنحضرت نے انکو مسجد مین داخل ہونے سے نہین روکا،

ثانیاً اگر کوئی غیر مسلم مسلمانون کی مسجد مین اپنے طریق پر اللہ کی عبادت کرنا چاہے اور کوئی فعل محسوس و مشہود بت پرستی کا یا خلاف احترام مسجد نہ کرے، تو شرعاً اسکو نہین روکنا چاہئے، الّا یہ کہ اُس سے کسی فساد و مضرۃ یا عادۃ و التزام یا قبضہ و تمکین کا اندیشہ ہو، مسجد خدا کی عبادت کے لیے ہے، پس اس کا ہر بندہ عبادت کرسکتا ہے، لیکن شرک عبادۃ نہین ہے، عبادت کی ضد ہے، اسلیے شرک و بت پرستی کی اجازت عبادت گاہ مین نہین دی جاسکتی، مسیحی نماز کے تین رکن ہین۔ تلاوۃ، سجدہ، دعا، پس انھون نے اپنے طریق پر یہی کیا ہوگا۔

ثالثاً روایات سے ثابت ہے کہ اس وفد مین ساٹھ آدمی تھے، ساٹھ آدمیون کی جماعت اچھی خاصی جماعت ہے، نماز پڑھی ہوگی تو بہت نمایان حالت ہوگی، کچھ یہ بات نہ تھی کہ ایک دو آدمیون نے کسی

گوشے مین چپکے سے کوئی کام کیا اور چلدیے، با این ہمہ آپ نے اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ اپنی نمایان اور ممتاز شکل مین بھی احترام مسجد کے خلاف نہ تھا، ورنہ آپ ضرور روکتے، اور ظاہر ہے کہ خلاف کیون ہوتا، اسلام قیام عبادت کے لیے آیا تھا، نہ کہ منع عبادت کے لیے۔ یہود و نصاریٰ پر سب سے بڑا الزام تو اُس نے یہی لگایا کہ رسمی عبادت کرتے ہین، مگر وہ شے جسکا نام "قیام عبادت" ہے مفقود ہوگئی ہے، حافظ ابن قیمؒ نے اپنی عادت کے مطابق اس واقعہ کے فقہ پر بھی بحث کی ہے،

" ففیہا جواز دخول اہل الکتاب مساجد المسلمین وفیہ تمکین اہل الکتاب من صلاتہم بحضرۃ المسلمین وفی مساجدہم ایضاً اذا کان عارضاً ولا یمکنوا من اعتیاد ذلک" (جلد دوم صفحہ ۳۹ مطبوعۂ مصر)

رابعاً اس واقعہ سے اُن مسلمانون کو عبرۃ پکڑنی چاہیے جو چند جزئی اختلافات کی بنا پر خود مسلمانون کو اپنی مسجدون مین آنے سے روکتے ہین اسکے لیے مقدمہ بازیان کرتے ہین، اور ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ الخ کی وعید مین داخل ہوتے ہین، اعاذ اللہ تعالیٰ منہ،

(۳)

اگر یہ کہا جائے کہ اس واقعہ سے صرف اہل کتاب کے لیے جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ غیر اہل کتاب غیر مسلمون کے لیے، تو یہ بھی صحیح نہین، فتح مکہ کے بعد جب قبیلہ ثقیف کا وفد آیا تو آنحضرۃ صلعم نے ان کو نہ صرف مسجد مین آنے دیا، بلکہ بہ حیثیت مہمان کے مسجد مین ٹھرایا، اور چند گھنٹون کی شرکت مجالس اور کئی دن کے متصل قیام مین جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، اس وقت بھی بعض لوگون کو اسپر وہی شبہہ ہوا تھا جو آج لوگون کو ہو رہا ہے، اور دنیا مین سمجھ کی طرح ناسمجھی کا ظہور بھی ہمیشہ یکسان رہا ہے۔ بعض مسلمانون نے اعتراض کیا "انزلھم فی المسجد وھم مشرکون"؟ آپ ان کو مسجد مین ٹھراتے ہین، حالانکہ وہ مشرک ہین؟ فرمایا "ان الارض لا تنجس" زمین انسانون کے مس و قیام سے ناپاک نہین ہو جاتی اور مسجد زمین

ومکان کے ایک مخصوص ٹکرے ہی کا نام ہے یعنی نجاست دل کی نجاست اور گندگی اعتقاد کی گندگی ہی" ابوداؤد

اور امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے (جو خود شریک وفد تھے) روایت کیا ہے: "ان وفد ثقیف لما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انزلھم فی المسجد لیکون ارق لقلوبھم" اسی روایت کو بہ تغیر بعض الفاظ طبرانی نے بھی اوسط مین لیا ہے، اور ابوداؤد نے بروایت حسن مرسلاً اسپر اسقدر زیادہ کی ہے "ان وفد ثقیف اتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضرب قبۃ فی المسجد لینظروا الی صلوۃ المسلمین فقیل لہ یا رسول اللہ انزلھم فی المسجد وھم مشرکون؟ فقال ان الارض لا ینجس انما ینجس ابن آدم" چونکہ صاحب ہدایہ نے اس واقعہ سے جواز دخول پر استدلال کیا ہی اسلیے اسکی تخریج مین زیلعی نے تمام طرق حدیث جمع کر دیے ہے اسوقت میرے پاس نہ نصب الرایہ ہے اور نہ حافظ عسقلانی کی درایہ۔ لیکن اگر میرا حافظہ غلطی نہین کرتا تو عطیہ بن سفیان کی روایت مین ہے کہ: "قدم وفد ثقیف فی رمضان فضرب لھم قبۃ فی المسجد" (اوکما قال) یعنی یہ وفد رمضان مین آیا تھا، پس انکے قیام کے لیے آنحضرت صلعم نے ایک خیمہ مسجد نبوی مین نصب کرا دیا۔

اس واقعہ مین متعدد امور قابل غور ہین،

اولاً جب یہ وفد آیا تو مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت ؐ سے درخواست کی کہ مجھے انکے ٹھرانے اور خدمت کرنے کا موقعہ دیا جاے، آپ نے فرمایا انکی خدمت و تکریم سے نہین روکتا لیکن ایسی جگہ ٹھراؤ جہان سے وہ قرآن سن سکین۔ فقال لا امنعک ان تکرم قومک ولکن انزلھم حیث یسمعون القرآن" (زاد المعاد) اس سے معلوم ہوا کہ انکو مسجد مین ٹھرانا کسی مجبوری و عذر کی بنا پر نہ تھا بلکہ قصداً ٹھرایا گیا، اور اسکی ایک خاص علۃ تھی۔ یعنی سماع قرآن و نظارہ صلوۃ کما سیاتی بیانہ۔

ثانیاً، یہ وفد فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری مین آیا ہے، اور یہ وہ وقت ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا پورا پورا ظہور ہو چکا ہے، پس یہ وقت

غلبہ وشوکت کا تھا، اور خود وفد عاجزانہ اور مفتوحانہ آیا تھا، یہ بات نہ تھی کہ عجز و درماندگی کی وجہ سے بہ نظر تالیف قلب و اعزاز و تکریم مخالف اُنکو ٹھرایا ہو،

ثالثاً معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام ارکان مشرک تھے، اور مشرک بھی کیسے؟ اشد شدید، اور بغض اسلام وصاحب اسلام اور تصلّب فی الشرک والجاہلیۃ مین مشہور و معروف، اس وفد کا سردار ابن عبدیالیل تھا، اس شخص کا یہ حال ہے کہ ابوطالب کے انتقال کے، بعد جب قریش مکہ کا ظلم و جور اس حد تک پہنچگیا کہ آنحضرۃ کے لیے مکہ مین رہنا بھی دشوار ہوگیا، تو آپ نے طایف کا سفر کیا کہ شاید باہر کے قبائل حق کا ساتھ دین۔ لیکن جب قبیلہ ثقیف کی بستی مین پہنچے تو اسی عبدیالیل اور اسکے دونون بھائیون نے آپکے ساتھ یہ سلوک کیا کہ طایف مین دم لینے کی مہلت نہ دی، دعوۃ حق کا یہ جواب ملا کہ "اما وجد اللہ احداً یرسلہ غیرک" ؟ کیا خدا کو تمہارے سوا اور کوئی آدمی نہ ملا جسکو پیغمبر بنا کر بھیجتا؟ جب آپ واپس ہوئے تو بستی کے لڑکون اور غلامون کو آپکے پیچھے لگا دیا کہ تضحیک و تحقیر کرین، اُنھون نے آپ پر کیچڑ پھینکا، اُس جسم مقدس کو جسکے بقا پر تمام کرۂ ارضی کی سعادت و ہدایت کی بقا موقوف تھی، پتھرون کی بوچھار سے زخمی کردیا، پیشانی مبارک کا خون بہ کر پاے مبارک کو رنگین کر رہا تھا، اور یہ دعا ورد زبان تھی "الھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین!" یعنی

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست | تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

اس کے بعد جنگ ہوازن و ثقیف کے جو واقعات پیش آئے، کتب سیرۃ کے مطالعہ کرنے والون سے مخفی نہین، جنگ ہوازن کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی مدینہ آیا، اور مشرف بہ اسلام ہوا، مسلمان ہونے کے بعد تبلیغ حق کے عشق نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آنحضرۃ روکتے رہے اور وہ اپنی قوم کی محبت کے اعتماد پر طائف واپس گیا، اور دعوۃ اسلام شروع کردی۔ لیکن ثقیف نے اسکے ساتھ یہ سلوک کیا کہ ایک دن عین حالت نماز مین شہید کر دیا۔ یہ حال تو اسلام اور اہل اسلام کی عداوت کا تھا، شرک

وجاہلیۃ کے جمود و تصلّب کا یہ حال تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد یہ وفد مدینہ آیا اور مسجد کے قیام، کلام الٰہی کی سماعت جماعۃ صلوٰۃ کے نظارہ، اور آنحضرۃ کے خلق عظیم کے اسلحۂ محبت سے مسخر ہو کر اسلام لانے کے لیے آمادہ ہوگیا تو گو اسلام کی صداقت کا اعتراف تھا، لیکن پھر بھی بت پرستی اور جاہلیۃ کا کانٹا دل سے نہین نکلتا تھا، چاہتے تھے کہ اپنی شرطین منوا کر مسلمان ہون، پہلے کہا کہ نماز کی پابندی سے ہمکو مستثنےٰ کر دیجیے، فرمایا "لاخیر فی دین لیس فیه رکوع" وہ دین ہی کیا جسمین خدا کے سامنے جھکنے والی پیشانی نہو! پھر کہا اچھا زنا کے بغیر تو چارہ نہین، ہماری قوم کے لوگ اکثر سفر مین رہتے ہین۔ فرمایا انه کان فاحشة وساء سبیلا، پھر کہا سود چھوڑنا تو مشکل ہی، شراب تو ہماری غذا ہے، فرمایا "اتقوالله وذروا ما بقی من الربا اور رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه، جب ان ساری شرطون مین سے کوئی نہ چلی تو آخر مین کہا کہ اچھا ساری باتین منظور مگر ربّہ کو تو ہم اپنے ہاتھون سے نہین ڈھا سکتے، ربّہ یعنی دیبی، رب کا مونث، اس بات کو آنحضرۃ ؐ نے منظور کر لیا، اور خالد بن ولیدؓ کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا کہ طائف کی دیبی کو منہدم کر دین، حضرۃ خالد نے مندر کی زمین تک کھود ڈالی، مگر یہ لوگ یہی کہتے رہے کہ دیبی کی بے حرمتی کا وبال آئے گا،

ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ سخت بت پرست اور اسلام کی عداوت مین کس درجہ سنگدل تھے؟ بااین ہمہ آنحضرۃ ؐ نے انکو مسجد مین ٹھرایا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جس قلعۂ طائف کو مسلمانون کی منجنیق چالیس دن تک سنگ باری کر کے بھی فتح نہ کر سکی، اُسکے بسنے والون کے دلون کو آنحضرۃ صلعم کے خلق عظیم، اسلام کی مسامحت، مسجد کے قیام، اور اسلامی عبادت کے نظارہ نے چند گھنٹون کے اندر فتح کر لیا، لوہے کی تلوار کو سپر پر روکا جا سکتا ہے، لیکن محبت کی تلوار کے لیے کوئی سپر نہین۔

درس وفا اگر بود زمزمۂ محبتے   جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پاے را

مسلم مین بروایۃ حضرت عائشہ رضہ ہے کہ انھون نے آنحضرۃ صلعم سے پوچھا ھل اتی علیک یوم، کان اشد من یوم اُحد؟ جنگ احد والے دن سے بھی بڑھکر کوئی مصیبت وشدت کا دن آپ پر آیا ہے"

فرمایا ہان "یوم العقبہ اذ عرضت نفسی علی ابن عبد یالیل بن عبد کلال فلم یجبنی الی ما اردت"
وہ دن جب مین طایف گیا اور اعانت وقبول حق کی امید سے اپنی دعوۃ ابن عبد یالیل کے سامنے
پیش کی اور اُسنے میری کچھ پرواہ نہ کی، وہ دن اُحد کے دن سے بھی میرے لیے اشد تھا، تن تنہا
بے یار و مددگار طائف کی گھاٹیون مین پھر رہا تھا، اور ایک انسان بھی نہ تھا جو مجھ پر ہمدردی اور ترس
کی نظر ڈالتا، آپ کے اس ارشاد سے اندازہ کرو کہ ثقیف نے آپکے ساتھ کیسا ظالمانہ و وحشیانہ سلوک
کیا تھا، کہ اپنی ساری زندگی کے اُن مصائب عظیمہ مین جو دعوۃ الی الحق کی راہ مین پیش آئے، طائف
کی گھاٹیون والی مصیبت کو اشد فرمایا، اسی روایت مین ہے کہ باوجود ان تمام مظالم وشدائد کے
آپنے فرمایا تھا "ارجوان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ وحدہ لایشرک بہ شیئاً"
اس پر بھی مین اُن لوگون کے لیے بددعا نہین کرون گا۔ مین نے صداے حق کا بیج ڈال دیا ہے اور آج
نہین تو کل پھل لائے گا، یہ لوگ اگر بت پرستی پر مٹے ہوئے ہین تو انکی نسل سے وہ لوگ پیدا ہونگے جو حق
کو قبول کرینگے اور اللہ کی پرستش کے سوا ان کی کوئی پرستش نہو گی! غزوہ طایف مین جب قلعہ مسخر
نہ ہوا، اور مختلف مصالح مقتضی ہوے کہ حصار اُٹھالیا جائے، تو لوگون نے کہا "ادع اللہ علی ثقیف"
ثقیف کے لیے اللہ سے التجا کیجیے، فرمایا " الّٰھم اھد ثقیفا وأت بھم" خدایا ثقیف کے دلون کو
حق کے لیے کھول دے، چنانچہ وہی ہوا، جن لوگون نے پتھر پھینکے تھے خود دوڑے ہوئے آئے کہ
حق کے بے پناہ تیرون سے اپنے دلون کو دونیم کردین، یہ تیر ان دشمنون پر کہان چلائے گئے تھے؟
میدان جنگ مین؟ نہین، خدا کی مقدس عبادۃ گاہ کے صحن مین "ضربوا لھم خیمۃ فی المسجد"
جن لوگون نے منجنیق کے پتھرون سے اپنی دیوارون کو بچالینے کا بندوبست کرلیا تھا، وہ ان تیرون سے
اپنے دلون کو نہ بچا سکے، عثمان بن ابی العاص راتون کو چھپ چھپ کر حضرۃ ابوبکرؓ کے پاس آتے
اور قرآن سیکھتے، یہ تھا وہ ھدی نبوۃ اور اُسوہ حسنہ رسالۃ جس نے فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ کو بھی

موم بنا کر پگھلا دیا، اس کے مقابلہ مین آج مسلمانون کا یہ حال ہے کہ انکے ہمسایے اور شریک وطن عشق و محبت
کے جوش سے بیخود ہوکر انکی مسجدون مین خود بخود دوڑے آتے ہین، کاندھے سے کاندھا ملاکر کھڑے
ہوجاتے ہین، خود کہتے ہین کہ ہم بھی تمہارے ساتھ تمہاری نماز پڑھین گے، نماز جنازہ کی صفین کھڑی
ہوتی ہین تو تسویۂ صفوف کی خدمت خود انجام دیتے ہین، اپنے ہاتھون سے پانی دیکر نمازیون کو وضو
کرا دیتے ہین، مسجد کے چبوترہ پر کھڑے ہوکر پکارتے ہین کہ ہم سب ایک کے بندے اور ایک ہی گھرانے
کے بھائی ہین، مگر مسلمان ہین کہ اس نعمۃ الٰہی پر سجدۂ شکر بجالانے اور آنے والون کو اور زیادہ اپنے
طرف کھینچنے کی جگہ ناک بھون چڑھا رہے ہین، کہ ہماری مسجد غیرون کی چھوت سے بے احترام ہوگئی!
غور کرو۔ پہلے کیا حالت تھی! اور اب کیا حالت ہی؟ جب حالت مین انقلاب ہوا تو نتائج مین بھی انقلاب
لازمی ہے۔

سادت مشرقۃ وسرت مغرباً   شتان بین مشرق و مغرب

(۴)

حقیقت یہ ہے کہ آج اشاعت اسلام مین سب سے بڑی روک مسلمانون کا یہی طرز عمل ہے اور یہ نتیجہ ہے قرآن و سنۃ
کے علم و عمل حق سے بُعد اور ھدی نبوۃ سے جہل و غفلت کا، یا بالفاظ مختصر علماء حق و راسخین فی العلم کے فقدان کا۔
افسوس کہ مسلمانون کو اسلام کی قوۃ و صداقت پر بھروسہ نہ رہا، نادان سمجھتے ہین کہ دوسرون سے اگر ہم ملین گے
تو ہم ان مین جذب ہو جائین گے، انکو اپنے مین جذب نہین کر سکین گے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس وہم فاسد سے
بڑھکر اور کوئی خیال اسلام کے لیے مایۂ صد توہین و تذلیل نہین ہوسکتا، اگر مسلمانون کے پاس لوہا نہین بلکہ
مقناطیس ہے تو مقناطیس اور لوہے کا جب آمنا سامنا ہوگا نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ لوہا مقناطیس کی طرف
کھنچے گا، یہ کیا مصیبت ہے کہ ہر بات مین اللہ اور اس کے دین حق کی نسبت سوء ظن، ظن الجاہلیۃ، اور ہر
معاملے مین خود اپنے نفس پر بحکم و شہدوا علی انفسہم شہادت بطلان و ضعف و ہلاکت ؟ فالی اللہ المشتکی

ثم الی اللہ المشتکی!

(۵)

وفد ثقیف کی روایات پر غور کرو، مسجد مین ٹھرانے کی علت کیا بتائی گئی؟ یہ وہ تعلیل نہین ہے جو تعلیل باطل ہے۔ یعنی تحکم بالظن والرأے اور حصر تعلیل بالقیاس غیر موید بالنص، بلکہ یہ وہ تعلیل ہے جو خود شارع نے بتلا دی، مغیرہ کو کہا کہ وفد کی تکریم سے نہین روکتا، لیکن "انزلھم حیث یسمعون القرآن" اور ابو داؤد و احمد وطبرانی کی روایت مین ہے "لیکون ارق لقلوبھم" اور ایک روایت مین ہے "ولکی یسمعوا القرآن ویروا الناس اذا صلوا" (ابن ہشام) یعنی وفد کو مسجد مین اس لیے ٹھرایا کہ وہ اسلام کے محاسن سے واقف ہوسکین، قرآن کی صدائین انکے کانون مین پڑین، مسلمانون کو نماز پڑھتے ہوے دیکھین اور خدا کی سچی اور فطری عبادت کی خوبیان انکے دلون مین راہ پیدا کرین، اس ایک بات سے بے شمار فروعات دعوۃ وتبلیغ اسلام اور جزئیات طرق اصلاح اقوام وامم مستنبط ہوتے ہین جنکو نہایت تفصیل سے رسالۂ دعوۃ وتبلیغ اسلام مین لکھ چکا ہون جو منجملہ تالیفات قیام رانچی کے ہے، ازانجملہ یہ کہ اسلام کو اپنی صداقۃ وحقیقۃ کی طاقت پر پورا بھروسہ ہے اور قانون الہی یہ ہے کہ ہر قوی ضعیف کو اپنی طرف کھینچتا اور ہر طاقت کمزوری پر چھا جاتی ہے، قوۃ مین فاعلیۃ ہے اور کمزوری مین انفعال۔ اور قوۃ وضعف مین اعتبار کیفیت کا ہے نہ کہ مجرد کمیّت کا۔ اسی قانون جذب وانجذاب فعل وانفعال وجلب وانجلاب پر کارخانۂ وجود وہستی کے تمام حوادث واعمال کا دار و مدار ہے، اور یہ قانون مادہ وجسم کی طرح تمام معقولات اور معنویات مین بھی ہو بہو وہی جاری وساری ہے۔ پس اسلام کا دعوی ہے کہ وہ قوت ہے، طاقت ہے۔ اصلح ہے۔ امثل ہے، اسلیے جب کبھی اسلام اور غیر اسلام مین قرب ہوگا، تو اسلام اپنے ماسوی کو کھینچے گا، اور اپنے مین جذب کرے گا، یہ نہین ہوسکتا کہ اسلام کو غیر اسلام اپنے مین جذب کرلے، اگر ایسا ہو تو قانون الہی باطل ہو جائے، اور اگر یہ قانون باطل ہو تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے، یہی معنی ہین اس آیۂ کریمہ کے

کہ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" اور یہی معنی ہین لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ کے
جسکی تفسیر مین لوگون کو کیا کیا حیرانیان نہین ہوئین، حالانکہ بات بالکل صاف اور قدرتی تھی، اِس عالم
مین بقا صرف اصلح کے لیے ہے، اور بالآخر تمام غیر اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا ہے، والعاقبة للمتقین۔
اور فیصلۂ حق و باطل کی یہی سب سے بڑی شہادت ہے قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلْ کَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ
وَبَیْنَکُمْ شَهِیْدًا، اور یہی معنی ہین اِس آیۃ و امثالہا کے کہ اِعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ؟ اور یہ کہ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ اور اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی
الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ، وامثال ھذا فی الکتاب والسنۃ، اسی اصل الاصول کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے
اپنے تمام عقائد، اعمال، امکنہ، اور مواسم و اجتماعات مین دوسرے مذہبون کی طرح کوئی راز اور مخفی
بات نہین رکھی ہے اسکی ساری باتین دوپہر کے سورج کی طرح کھلی اور چمکیلی ہین۔ اسکی عبادت گاہون مین
کوئی بھید نہین جسکے کھل جانے کا اس کو ڈر ہو۔ دل اور روح کو چھوڑ کر اس نے زمین اور مٹی کی کوئی
ایسی پاکی اور ستھرائی نہین بنائی ہے۔ جو جسم و وجود اور اس کے سایہ کی چھوت سے ناپاک ہوجائے،
وہ ایک بے باک طاقت اور کامل حسن کی طرح سب کو دعوۃ دیتا اور بلاتا ہے کہ آئین، دیکھین اور
مفتون ہون اسکی صداقت کی دعوۃ اسکی ہر چیز مین ہے، صرف چند چنے ہوئے واعظون کی
بولیون ہی مین نہین، ایک مسلمان کا وجود یکسر دعوۃ و وعظ ہے، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، ایک مسجد اور
اسکی سادہ اور بے نقش و اشکال دیوارین مجسم وعظ حق ہین، جبکہ امام قرآن پڑھ رہا ہو، اسکے
نمازیون کی صفون کے نظارۂ وحدت سے بڑھکر کوئی خطبۂ تبلیغ اور درس دلائل نہین، جبکہ ایک
ہی خدا کے بندے بنیان مرصوص کی طرح کاندھے سے کاندھا جوڑے کھڑے ہون، اور خدا
کی قائم کی ہوئی انسانی اخوت کو بحکم یشدّ بعضہ بعضا، کتشبیک الاصابع دکھلا رہے ہون، پس
وہ انسانون کو اپنی ہر بات دکھلانا، اور ہر مقام پر بلانا، اور ہر راہ مین اپنے سے جوڑنا، اور ہر شکل مین

اپنے سے قریب کرنا چاہتا ہی اور اس کا دعویٰ ہی کہ جو اُس سے قریب ہوگا بالآخر اس مین جذب ہو جائیگا قرب واتحاد مین اس کے لیے خوف نہین ہی کہ وہ غیرون سے بھاگے اور الگ رہے بلکہ غیرون کے لیے انجذاب وانفعال ہی جس کے لیے انکو ڈرنا اور بھاگنا چاہیے، اس کا سارا رونا تو یہی ہے۔ کہ لوگ اُسکی سنتے نہین اسکو دیکھتے نہین، اس مین آتے نہین، اسکی طرف گردن موڑتے نہین لوّوا رؤسھم ورأیتھم یصدّون وھم مستکبرون، یہ کیسے ہوسکتا ہی کہ خدا کے بندے اسکی طرف پیار اور اخلاص سے بڑھین اور وہ اپنا گھر بند کردے کہ تمہارے اندر آنے سے میرے گھر کی تقدیس کو بٹہ لگ جائے گا؟ مسجدون کا اصلی احترام یہی ہے کہ اُس مین انسانون کی بھلائی کے لیے انسانون کا اجتماع ہو، انسانون کے نکالدینے مین اُسکی حرمتہ نہین بلکہ بے حرمتی ہے، اسلام نوع انسانی کی عظمت واحترام کے لیے کے لیے آیا ہے، نہ کہ تذلیل وتحقیر کے لیے پس وہ کسی انسان کو بہ حیثیت ایک انسان کے نجس نہین قرار دیتا جسکی چھوت سے مٹی اور اینٹ ناپاک ہوجائے۔ نجاست، انسان کے جسم مین نہین بلکہ اسکے اعتقاد اور عمل مین ہوتی ہی۔ کاش جسم مین ہوتی تو دریا کا پانی اس کو دھو دیتا اور انسان کا بنا ہوا کپڑا پونچھ دیتا، مگر افسوس وہ دل اور عمل کی گندگی ہے، جسپر نہ تو پانی بہایا جاسکتا ہے اور نہ کوئی ہاتھ صاف کرسکتا ہی، اس کو صرف خدا کا سچا ایمان اور راستی کا کامل عشق پاک کردیسکتا ہے، سو انسانون پر اسکی راہین بند نہ کرو!

(۶)

جہان تک مکان اور عمارت کا تعلق ہے، اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہی ہی اور کوئی نہین۔ پس اگر اسلام غیرون کو قبول کرلیا چاہتا ہے تو مسجد ہی مین قبول کرنا پڑے گا، آج اگر ہمارے ہندو بھائی خود اپنی محبت اور پیار سے ہماری مسجدون مین آتے ہین، تو یہ وہ چیز ہے جسکی

خود ہمکو آرزو کرنی تھی، اور جسکو اول دن ہی سے شروع ہو جانا تھا، کاش اگر ایسا ہوتا تو ہندوستان مین مسلمانون کا نوصدیون سے متصل قیام بے اثر ثابت نہ ہوتا اور آج ملک کے سارے تفرقے مٹ گئے ہوتے، مین جب رانچی مین نیا نیا آیا اور جامع مسجد مین جمعہ کے خطبون کا سلسلہ شروع ہوا تو شہر کے بہت سے تعلیم یافتہ ہندؤن اور وکلا وغیرہ کو تقریر سننے کا شوق ہوا، انہون نے کہلایا کہ کوئی صورت اختیار کیجیے کہ ہم بھی تقریر سن سکین، مین نے جواب دیا کہ نظر بندی کی قیود کی وجہ سے عام مجالس کا انعقاد آپ لوگون کے لیے موجب مشکلات ہوگا، اگر شوق ہو تو مسجد مین کیون نہین آتے؟ اس پر ان لوگون کو تعجب ہوا کہ مسجد مین عین جمعہ کے موقعہ پر ہم لوگ کیونکر جا سکتے ہین؟ لیکن مین نے عین جمعہ کے دن انکے مسجد مین آنے اور ایک مناسب مقام سے خطبہ سننے کا انتظام کر دیا، اس کے بعد انجمن اسلامیہ قائم ہوئی، اور اسکی تمام مجالس بھی مسجد ہی مین منعقد ہوتی رہین، ان مین بھی تمام ہندو شریک ہوتے رہے صرف اتنی سی بات سے جو نتائج حسنہ پیدا ہوئے وہ شاید برسون کے وعظ و تبلیغ اور آجکل کے مجادلانہ مناظرات و مباحث سے بھی پیدا نہ ہوتے، اور ان کا اندازہ ابھی باہر کے لوگ نہین کر سکتے، جب تک ایک بڑی طولانی سرگذشت نہ سنائی جائے۔

(۷)

منجملہ خصائص خمسۂ اسلام کے یہ ہے کہ "جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً" (بخاری) خدا کی ساری زمین اسلام کے لیے مسجد ہے:

ہر جا کنیم سجدہ، بہ آن آستان رسد!

جس اسلام کی اس وسیع اور غیر محدود عبادۃ گاہ کو ہزارون قومون اور مذہبون کا رہنا اور بسنا ناپاک نہ کر سکا اسکی چار دیواری کے اندر گھری ہوئی عبادت گاہ کو غیر مسلمون کا داخل ہونا کب بے احترام کر سکتا ہے؟

اور من جملہ ادلۂ جواز دخول مشرک فی المسجد، کے ثمامہ بن آثال کا واقعہ ہے جو صحیحین
مین بہ تفصیل موجود ہے، اور امام بخاری رح نے اپنے داب فقاہتہ کے مطابق مختلف کتب وابواب مین
اُس سے متعدد مسائل مہمہ کا استنباط کیا ہے، ثمامہ نجد کا رئیس تھا، ہجرت کے پانچوین سال آنحضرۃ صلعم
نے چند سوار نجد کی جانب بھیجے، وہ ثمامہ کو گرفتار کرلائے اور مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا، تمام
روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک وہ مسجد ہی مین رہا، تیسرے دن آنحضرۃ صلعم
نے بلا کسی شرط کے رہا کردیا، امام بخاری اسی روایت کو زیادہ تفصیل وتطویل سے کتاب المغازی مین
بھی لائے ہین، وفیہ انہ صلعم مرعلی ثمامہ ثلاث مرات وھو مربوط فی المسجد وانما امر
باطلاقہ فی الیوم الثالث وکذا اخرجہ مسلم وغیرہ وصرح ابن اسحاق فی المغازی من ھذا
الوجہ ان النبی صلعم ھو الذی امرھم بربطہ قالہ ابن حجر فی الفتح (جلد ا صفحہ ۴۶۲) مگر اس خلق
عظیم کا اسیر ایسا اثر پڑا کہ آزاد ہونے کے بعد خود واپس آگیا کہ مسجد کے ستون کی جگہ اب دینِ حق کے ایمان
واعتقاد کی زنجیرون سے ہمیشہ کے لیے وابستہ کردیا جاے! امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ مین ایک خاص
باب اس عنوان ترجمہ سے درج کیا ہے" الاغتسال اذا اسلم، وربط الاسیر فی المسجد وکان الشریح
یامر الغریم ان یحبس الی ساریۃ المسجد" اور اس کے نیچے اسی واقعہ سے بروایۃ حضرۃ ابوہریرۃ
استدلال کرتے ہین "بعث النبی صلعم خیلا قبل النجد فجاءت برجل من بنی حنیفہ یقال لہ ثمامۃ
بن آثال فربطوہ بساریۃ من سواری المسجد" الخ، پس اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ مشرک کو
مسجد مین داخل کرنا جائز ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ثمامہ کو تین دن تک مسجد مین کیون اسیر رکھا جاتا؟ خود آنحضرۃ صلعم
اسکی اسیری کو دوسری جگہ منتقل فرما دیتے، چنانچہ امام بخاری نے جواز دخول مشرک پر اسی واقعہ سے استدلال
کیا ہے۔ اور یہ اس فقیہ الامۃ کے کمال دقتہ نظر واستنباط اور منتہا مرتبۂ اجتہاد وفقاہتہ فی الدین سے کے

شواہد مین سے ہے، کتاب الصلوٰۃ مین ایک خاص باب اس عنوان سے قائم کیا ہے "دخول المشرک فی المسجد" یعنی مشرک کا مسجد مین داخل ہونا، اور اس مین اسی واقعہ سے استدلال کیا ہے اور معلوم ہے کہ فقہ بخاری کے تراجم ابواب مین ہے۔

(۹)

چنانچہ انہی ادلہ سنتہ کی بنا پر ائمہ مجتہدین و فقہاء امصار اس طرف گئے ہین کہ غیر مسلمون کا مسجد مین داخل ہونا مسلمانون کے اذن سے جائز ہے، اور علی الخصوص حضرۃ امام ابوحنیفہ رح کا مذہب تو اس بارے مین متعلمین ہدایہ تک کو معلوم ہے، انکے نزدیک مطلقاً بلا قید و استثنا جائز ہے، اذن کی بھی شرط نہین۔ اشباہ والنظائر مین ہے "ولا یمنع من دخول المسجد جنباً بخلاف المسلم ولا یتوقف جواز دخوله علی اذن مسلم عندنا ولو کان المسجد الحرام ... الیٰ ان قال) "ولنا ما روی ان النبی صلعم انزل وفد ثقیف فی مسجدہ وھم کفار لان الخبث فی اعتقادھم فلا یودی الی تلویث المسجد" (کتاب الکراہیۃ: مسائل متفرقہ) یعنی ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ نہین اگر ذمی مسجد حرام مین داخل ہون، برخلاف امام شافعی کے جو عام مساجد مین دخول کو جائز قرار دیتے ہین، مگر مسجد حرام مین نہین، اور دلیل ہماری وفد ثقیف کا مسجد مین نزول ہی، حالانکہ وہ کفار تھے، اور اس لیے کہ مشرک کا خبث اس کے اعتقاد کا خبث ہے، جسم کا نہین جس سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہو، قاضی زادہ اسکی شرح مین لکھتے ہین: "قال بعض المتاخرین ظاھرہ ان ھذا دلیل آخر ولا وجه له فحق التعبیر حرف التعلیل لیکون اشارۃ الی دفع ان یقال کیف انزلھم فی مسجدہ وقد وصفھم الله بکونھم انجاسا؟ اقول لیس ذاک بشیء اذ لا شک فی صحۃ ان یکون ھذا دلیلا اخر عقلیا لنا، فان الخبث اذا کان فی اعتقادھم لا یؤدی الی تلویث المسجد فلا یکون فی دخولھم المسجد بأس

(الی ان قال) کما حکی انہ علیہ السلام لما انزلھم فی مسجدہ وضرب لھم خیمۃ قال الصحابۃ

قوم انجاس فقال علیہ السلام لیس علی الارض من انجاسھم وانما انجاسھم علی انفسھم" (تکملہ فتح القدیر جلد

میری - (۱۳) عبارت ہدایہ کا اشکال اور شارح کا جواب اور ادلۂ شافعیہ کی تحقیق آگے آئے گی، شارح

نے نزول وفد ثقیف پر صحابہ کے اعتراض اور اس کے جواب والی روایت جن الفاظ مین نقل کی ہے

گو وہ الفاظ نہین، مگر معنیً صحیح ہی اور اصلی روایات اوپر گذر چکین، نقل متن اور حفظ اسناد کا یہ وہ

تساہل ہے جو جابجا خود صاحب ہدایہ نے کیا ہے اور متاخرین فقہاء حنفیہ مین عینی اور ابن ہمام

کے سوا سب کرتے ہین -

اسیطرح درمختار مین ہے "وجاز دخول الذمی مسجداً ولو جنباً" (باب الکراہیۃ)

قاضی ابن رشد، بدایہ مین لکھتے ہین "وجوزوا (الحنفیۃ) مطلقاً" یعنی حنفیہ کے نزدیک مطلقاً

ذمیون کا مسجد مین داخل ہونا جائز ہے (بدایۃ المجتھد شہر مین ہے اور مین مور آبادی مین یہ مضمون

لکھ رہا ہون، اس لیے صفحہ کا حوالہ نہین دے سکتا - کتاب الکراہیۃ دوسری جلد مین ہو گا)

(۱۰)

باقی رہی آیۂ قرآنی کہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا

تو اس کے متعلق چند امور غور طلب ہین :

اولاً یہ حکم خاص مسجد حرام (مکہ) کی نسبت ہے، یا تمام مساجد کے لیے؟ تو ائمہ اربعہ نے اتفاق

کیا کہ خاص مسجد حرام کی نسبت ہے اور ظاہر آیۃ کا یہی منطوق ہے -

ثانیاً نجاست کی تحقیق کہ نجاست سے یہان مراد ظاہری ہے، یا معنوی؟ تو تمام ائمہ اہل سنۃ

کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ نجاست سے مراد نجاست معنوی یعنی اعتقاد و شرک کی نجاست قلبی ہے

نہ کہ نجاست حسی - اور دلائل کتاب و سنۃ اسپر ناطق و شاہد، اور احتیاج بیان و تفصیل نہین -

فذهب الجمهور من السلف والخلف ومنهم اهل المذاهب الاربعة الى ان الكافر ليس بنجس الذات، لان الله احلّ طعامهم، وثبت عن النبی صلعم فی ذلک من فعلہ وقولہ وتقریرہ مایفید عدم نجاستہ ذواتھم، فاکل فی آنیتھم وشرب منہا وتوضأ فیہا، وانزلھم فی مسجدہ وغیرذلک من الادلہ النقلیۃ والعقلیۃ۔

ثالثاً فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ الخ سے مقصود کیا ہے؟ تو حنفیہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ نہی تکوینی ہے تکلیفی نہیں، وہ اسکو محمول کرتے ہیں کفار کے ایسے قرب پر جو غلبہ واستیلاء کے ساتھ ہو، یعنی آیندہ کفار کو مسجد حرام میں یا نوں جانے کا موقعہ نہ دیا جائے "قرب" کا لفظ منع استیلاء وتمکین کے لیے کمال مبالغہ ہے: "وانما نھوا عن الاقتراب للمبالغة فی المنع من دخول الحرم ونھی المشرکین ان یقربوا راجع الی نھی المسلمین عن تمکینھم من ذلک"، (تفسیر ابو السعود حنفی) اور ہدایہ میں ہے: "والآیة محمولة علی الحضور استیلاءً واستعلاءً" (باب الکراھیة) اور حاشیۂ عنایہ سعدی چلپی میں ہے: "ای علی منعھم ان یدخلوھا مستولین علی اھل الاسلام مستعلین وایضاً النھی تکوینی لا تکلیفی"، اور شامی میں ہے: وحاصلہ انہ خبر منفی فی صورة النھی" نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ حنفیہ کے نزدیک مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، کہ غیر مسلموں کو مسجد حرام میں غلبہ وتمکین کے ساتھ داخل ہونے دیں لیکن اگر کسی خاص عارضی ضرورت سے کسی غیر مسلم کو آنے دیا جائے، مثلاً تعمیر عمارات یا تجارت یا غیر مسلم حکومتوں کے غیر مسلم سفراء، تو جائز ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور سلف وخلف امۃ اور تعامل مستمرۂ اہل اسلام اس مذہب کے خلاف ہے، اور عملاً اس پر اجماع ہوچکا ہے کہ آیہ کریمہ فلا یقربوا المسجد الحرام الخ اپنے نص منع دخول میں عام ومطلق اور ظاہر وغیر ماول ہے۔ یعنی کسی حال میں بھی کوئی غیر مسلم مسجد حرام کے حدود میں داخل نہیں ہوسکتا اور مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ غیر مسلم کے قرب مکانی کو اگرچہ وہ عارضی اور بلا تمکن واستیلاء ہو، روکیں اور

اور اس مقام، اور اس مقام کے ایسے اطراف و حوالی کو جہان کا داخلہ حرم کے داخلہ تک منجر ہو سکتا ہے ہمیشہ صرف اہل اسلام ہی کے لیے مخصوص و محفوظ رکھیں، حافظ نودی شرح مسلم مین لکھتے ہین "فلا یجوز تمکین کافر من دخولہ بحالٍ فان دخل فی خفیۃ وجب اخراجہ، فان مات و دُفن فیہ ینبش و اخرج مالم یتغیر ھٰذا مذھب الشافعی وجماھیر الفقھاء - وجوز ابو حنیفۃ دخولھم الحرم (مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۴۳ جلد ۱) یعنی کسی حال مین جائز نہین کہ غیر مسلم کو حدود حرم مین داخل ہونے دیا جاے اور اگر کوئی غیر مسلم بخفیہ چلا جاے تو اس کا اخراج واجب ہے اور اگر وہ مکہ مین مرجاے اور دفن بھی ہو جاے تو چاہیے کہ قبر کھود دی جاے اور لاش نکال دی جاے، اگر متغیر نہین ہوئی ہے۔ انتہیٰ، مویداس مذہب جمہور کی خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اور حضرت عمرؓ کا باتفاق و اجماع جمیع صحابہ واضح و صریح عمل ہے، (کما سیاتی) اور یہ کہنا کہ نہی تکوینی ہے تکلیفی نہین اس بارے مین بالکل غیر مفید ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نہی اقتراب مین کمال مبالغہ منع دخول کے لیے ہے، اور جب منع دخول مین مبالغہ ہوا تو ظاہر ہے کہ قرب کی ہر صورت و حالت اس نہی مین داخل ہوگی، اور جب خود شریعت نے اس بارے مین مبالغہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ عملاً کمال و شدۃ منع اور مبالغہ در منع اقتراب مطلوب شارع ہے عربی مین کہین گے "لا ادنیک ھاھنا" تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ کسی حال مین بھی تم کو یہان ہم نہین دیکھ سکتے، اُردو مین کہین گے "تم اس جگہ کے پاس بھی نہ پھٹکو" یعنی کسی حال مین بھی تمہارا یہان آنا ہمین گوارا نہین، اور اس مین شک نہین کہ جمہور ہی کا مذہب اس بارے مین حق و قوی ہے اور اسی لیے تیرہ سو برس سے تمام اہل اسلام قرناً بعد قرن اسی پر عمل کر رہے ہین عثمانی حکومت کا سرکاری مذہب حنفی ہے، مگر معلوم ہے کہ انھون نے بھی ایک دن کے لیے امام صاحب کے اس مذہب پر عمل نہین کیا، اور ان کے تمام دور حکومت مین کوئی مثال ایسی نہین مل سکتی کہ کسی غیر مسلم تاجر یا معمار و صناع یا طبیب و سفیر کو سخت ضرورت کے مواقع مین بھی حدود حرم کے

اندر جانے کا موقع دیا گیا ہو، بلکہ ایک سے زیادہ واقعات اس کے خلاف تاریخ عہد عثمانیہ مین موجود ہین،

اصل یہ ہے کہ دین حق کے قیام اور امۃ مسلمہ کے بقا کے لیے ضروری تھا جس طرح تعلیم و احکام کو ہمیشہ کے لیے اوراق وصحف مین محفوظ کردیا گیا یعنی کتاب وسنتہ بحکم "اوتیت الکتاب ومثلہ معہ" اسی طرح باعتبار مکان کے بھی ایک مرکزی مقام ہمیشہ کے لیے ایسا مقرر کردیا جاتا جو صرف حق پرستاران حق کے لیے مخصوص ہوتا، اور وہان کی فضا ہدایت کی پاکی شرک وفساد کی ناپاکی سے کبھی مکدر اور ملوث نہ ہوتی، اللہ تعالی نے ان بے شمار مصالح وحکم کی بنا پر (جو اپنے مقام پر معلوم ومنضبط ہین) سرزمین حجاز کو اس غرض سے منتخب فرمایا، اور یہی ناف زمین دنیا کی آخری وباقی ہدایت وسعادت کے لیے ایک مرکزی سرچشمہ ودرگاہ کی حیثیت سے قایم کی گئی، ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ پس ضرور تھا کہ اسکو صرف اسلام ہی کے لیے مخصوص کردیا جاتا، تاکہ کرۂ ارضی کے سخت سے سخت عہد فساد مین بھی ایک مرکز ومنبع ہدایت ہمیشہ قایم ومحفوظ رہے، درخت کی جڑ اگر سلامت ہے تو ٹہنیون اور پتون کے مرجھا جانے سے باغ ویران نہین ہوجا سکتا، یہی معنی ہین اس آیہ کریمہ کے وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا اور جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ اور وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا۔ اور چونکہ یہ مقصد حاصل نہین ہوسکتا تھا۔ جب تک اس مین کمال مبالغہ واہتمام نہ کیا جاے کیونکہ طبائع انسانی تساہل پذیر وحیلہ جو ہین اس لیے ناگزیر ہوا کہ نہ صرف غیر مسلمون کے قبضہ وتمکین کو بلکہ سرے سے انکے قرب وجود ہی کو ہمیشہ کے لیے روک دیا جاے کیونکہ اگر آمد ورفت کا دروازہ کھلا رہے گا تو خصوصیت اسلام واہل اسلام کی اہمیت باقی نہ رہے گی، طبیعتین اسکی متحمل اور خوگر ہوجائینگی کہ غیر مسلمون کو بھی حرم مین مسلمانون کی طرح موجود دیکھین، اور ایسا ہوا تو کل کو قبضہ واستیلاء کا دروازہ بھی کھلجائیگا اور طبیعتین اسکو بھی گوارا کرلین گی،

اور معلوم ہو کہ منجملہ مہمات اصول شریعت کے ایک اصل عظیم یہ ہے کہ شریعت صرف مفاسد ہی کو نہین

روکنا چاہتی بلکہ ذرائعِ مفاسد کو بھی روک دیتی ہے، بلکہ بسا اوقات جو اہتمام دا شتدا د اصل مفاسد کے دفع و منع مین نظر آتا ہے، ویسا ہی اہتمام وسائل و ذرائع کے سدباب مین بھی ملحوظ رہتا ہی شریعت کے تمام احکام اور شارع کے تمام اعمال مین اس کے اشباہ و نظائر بکثرت موجود ہین، اور یہ منجملہ خصائص دین آخری کے ہے کہ صرف بُرائیون ہی کو نہین روکا بلکہ ان راہون کو بھی بند کردیا جو برائیون تک پہنچا سکتی تھین، پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ منع دخول غیر مسلم با تمکین واستیلاء فقہا کی اصطلاح مین لذاتہ نہین ہے بلکہ لغیرہ ہے، لیکن اس کے ممنوع ہونے مین کوئی شک نہین۔

غرضکہ اس بارے مین حنفیہ کا مذہب نہایت ضعیف ہی اور قوی و متقی بہ وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے کہ مسجد حرام مین غیر مسلم کو داخل ہونے دینا کسی حال اور کسی شکل مین بھی جائز نہین اور اسی پر تیرہ سو برس سے مسلمانون کا عمل ہے، گذشتہ ازان ظاہر نص بھی مطلقاً منع پر ناطق ہے، اور اصول مین طے پا چکا ہے کہ منطوق مفہوم پر مقدم ہے۔ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ نص سنتہ اور عمل صحابہ سے بھی اسی مذہب کی تائید ہوتی ہی آنحضرۃ صلعم کی زبانِ مبارک سے مرض الموت مین آخری وصیت جو نکلی وہ یہ تھی "اخرجوا الیھود و النصارٰی من جزیرۃ العرب" (صحیحین عن ابن عباس و عائشہ و ابی ہریرہ رض) اور "آخر ما تکلم بہ النبی صلعم لا یترک فی جزیرۃ العرب دینان و فی لفظ لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب" اور اسی وصیت کی تعمیل مین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور یمن کے یہود و نصاریٰ کو عرب سے خارج کر دیا اور بلاد شام و سواد عراق مین آباد کرایا" حافظ عسقلانی نے فتح الباری مین ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرۃ عمر کے اجلا کردہ اہل کتاب کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی اور یمن کی نسبت لکھا ہے کہ "ھم اھل نجران" اور یہ جو کچھ کیا تمام صحابہ کے مشورہ و اتفاق سے، اور اس سے صحابہ کا اجماع صحیح و کامل معنون مین ثابت ہوگیا۔ باقی رہا یہ اعتراض

کہ حضرۃ ابوبکر نے اپنے عہد خلافۃ مین اور حضرۃ عمر نے اہل خیبر کی شرارتون اور واقعہ عبداللہ بن عمر سے پہلے ایسا کیون نہین کیا؟ تو معلوم ہے کہ تعمیل وصیت کے لیے ضرور تھا کہ تنفیذ وصیت پر تمکین حاصل ہو۔ حضرت ابوبکر کو اہل ردت کے قتال وغیرہ مہمات نے مہلت نہ دی، اور حضرۃ عمر خلیفہ ہوتے ہی ایران و عراق اور شام کے مہمات عسکریہ مین مشغول ہو گئے۔ جب یہود خیبر کی شرارتون نے خود مناسب موقعہ پیدا کر دیا، تو یہ معاملہ انجام پایا، اور جس طرح مہمات احکام و شرایع شارعؑ کے عہد مین بتدریج تکمیل کو پہنچے نہ کہ بغتۃً و دفعۃً واحدہ، اسی طرح ضروری تھا کہ مہمات ملکی و احکام متعلق تدابیر سیاسی شارع کے بعد عہد خلفاء راشدین مین تدریجاً تکمیل کو پہنچین۔ لیکن اُسکے بعد کسی کے لیے گنجایش نہین ہے کہ محض راے و تخمین کی بنا پر نص صریح کا مقابلہ کرے، اور ظنی تعلیلات شخصیہ غیر موید بالنص سے نص قرانی اور وصیۃ نبوی کو رد کر دے، مولانا شبلی مرحوم نے الفاروق مین واقعہ اجلاء اہل کتاب کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہود خیبر اور نصاریٰ یمن بغاوت کی تیاریان کرتے تھے اسلیے مجبور ہو کر حضرۃ عمر نے نکال دیا، مولانا مرحوم کو اس توجیہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ وہ حضرۃ عمر کے اعمال کو یورپ کے ادعائی مذاق کے مطابق دکھلانا چاہتے تھے، اور چونکہ "لا یترک فی جزیرۃ العرب دینان" کا معاملہ انکے خیال مین آجکل کی تہذیب و روشن خیالی کے خلاف تھا اور اسکی کوئی عقلی مصلحت و حکمت پیش نظر نہ تھی اس لیے ناچار یہود خیبر کی شرارت اور واقعہ ابن عمر مندرجہ بخاری کتاب الشروط سے متشبث ہوے اور تعمیل وصیۃ نبوی کے معاملہ کو محض دفع بغاوت کا ایک سیاسی و عارضی واقعہ بنا دیا، جیسے واقعات یورپ کی نام نہاد متمدن حکومتون مین غیر مذہب رعایا کے ساتھ ہمیشہ پیش آتے رہتے ہین۔ حالانکہ یہود خیبر کی شرارت اور حضرت عبداللہ کو گرا دینا، ایک ایسا واقعہ تھا جو اس معاملے کی تنفیذ و تکمیل کے لیے محرک ہوا، لیکن اصلی علت یہ نہین ہو سکتی۔ بالفرض اگر تمام یہود خیبر بغاوت کے لیے آمادہ بھی ہو گئے تھے، تو

بلا وطن کردینا کب مقتضا، عدل فاروقی ہو سکتا ہے؟ کیا حضرۃ عمر کی وہ حکومت جس نے تخت کسریٰ کو ہمیشہ کے لیے الٹ دیا اور مصر کی رومانی حکومت کا چند مہینون کے اندر خاتمہ کر دیا، یہود خیبر کی سیاست و تنبیہ سے عاجز تھی؟ بہر حال حضرۃ عمر نے باتفاق جمیع صحابہ جو کچھ کیا وہ دراصل اسی وصیت نبوی کی تعمیل تھی کہ "اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب" اور جن لوگون نے حسن و قبح اشیاء کا معیار یورپ کی نام نہاد تہذیب و تمدن کو قرار نہین دیا ہے، بلکہ حقیقت اور عقل صحیح و قیاس صالح کو، تو انکو اس توجیہ و تلمیع کی کوئی ضرورت نہین، سورہ براۃ کی تفسیر مین اس مسئلہ کو بہ تفصیل لکھ چکا ہون، اور اس کے مطالعہ سے واضح ہو جائیگا کہ یہ حکم شریعت مقتضاء عدل و انصاف کے عین مطابق ہے اور کسی تاویل رائی و قیاسی کی اس کے لیے ضرورت نہین خواہ وہ فلسفۂ تاریخ کے نام سے پیش کی جاے، خواہ فلسفیانہ و عجمی فقاہتہ کے نام سے۔

کیا تیرہ سو برس کا تجربہ، اور صدیون کے وقوعی نتائج و حوادث اس حکم قرآنی اور وصیۃ نبوی کی تفسیر کے لیے کافی نہین؟ کیا یہ حقیقت نہین ہے کہ بے شمار مقامات بلکہ بڑے بڑے براعظمون اور اقلیمون پر غیرون کے قبضہ کی بنیاد استیلاء و تسلط سے نہین بلکہ محض قیام و قرب اور آمد و رفت سے پڑی، پہلے دروازہ کھُلا، قیام و سیاحت کا، پھر تجارت کا، اور اسکے بعد رفتہ رفتہ تاجرون، سیاحون پیشہ ورون، محکومانہ و متوطنون نے حاکم و قاہر کی صورت اختیار کر لی، مصر مین پیشہ و صناعۃ کے نام سے تقریب ہوئی، ہندوستان مین تجارت کے وسیلہ سے۔ اور جواز دخول حرم کی جو صورتین حنفیہ کی جانب سے بیان کی جا سکتی ہین وہ بہتر سے بہتر اور محدود سے محدود شکل مین یہی ہو سکتی ہین پھر اگر فلا یقربوا المسجد الحرام کے یہی معنی قرار دیے جائین کہ صرف قرب بحالت استیلاء و تمکین ممنوع ہے۔ نفس قرب و تقرب ممنوع نہین۔ تو اس کے معنی بجز اسکے اور کیا ہو سکتے ہین کہ حرم پر غیر مسلمون کا قبضہ و تسلط تو ممنوع ہے، مگر قبضہ و تسلط کا دروازہ کھولنا ممنوع نہین، پھر کیا ایسا اجتہاد

تسلیم کیا جاسکتا ہے، "والامام لیس بمعصوم حتی تاول له الشریعة ونترك نصوص الکتاب والسنة، ولم یاذن الله ولا رسوله لاحد بهذه النصرة وما امرنا باتباع مذهب من المذاهب ورای من آراء الرجال وارتکاب التحملات لتصحیحه ورضی الله عن مالک ابن انس حیث یقول مامن احد الا یوخذ من قوله ویترك الا صاحب هذا القبر صلی الله علیه وسلم"

باقی رہا یہ کہنا کہ آیۂ سیف مقید ہے آیہ "وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ" سے اور اس بارہ مین قاضی ابویوسف رح کا مذہب، اور حدیث صحیحین "اخرجوا الیهود والنصاری" الخ کے مقابلے مین حدیث ابوعبیدہ بن الجراح سے استشهاد، اور نص کے مقابلے مین اخراج کی علت ومصلحت خود قرار دینا اور اس کو امام کی راے پر مفوض کرنا، اور روایت بریدہ اسلمی کہ "فان ابوا فسلهم الجزیة فان اجابوک فاقبل منهم" اور اس سے استدلال تقریر مشرکین در حجاز بر بصورت اداء جزیہ وغیر ذلک، توان مین سے کوئی دلیل بھی ایسی نہین ہو جو نصوص صریحۂ کتاب وسنتہ کے معارض ہوسکے، روایت ابوعبیدہ خود بغایت مضطرب ولایق احتجاج نہین، اور آخر تکلم آنحضرت "اخرجوا الیهود والنصاری" ہے جو نسخ جمیع ماسبق کے لیے قاطع وصریح، اور نص کے مقابلہ مین کوئی قیاس مسموع نہین، اور خود ائمہ وفقہاء نے اجماع کیا بطلان تعلیل بمصالح پر، اس لیے کہ تعلیل بمصالح مقبول نہین، تاوقتیکہ منضبط نہو، اور معلوم ہے کہ حکم ومصالح غیر منضبط، اور اس طرح کی اکثر تعلیلات خیالیہ ورائیہ "اعجاب کل ذی رائی برایه" سے زیادہ وزن نہین رکھتین، پس حاجت اطناب نہین اور اپنے مقام پر یہ بحث صاف ہوچکا ہے۔ علی الخصوص تفسیر البیان مین،

(۱۱)

اسی بنا پر حضرۃ امام شافعی نے اس بارہ مین مذہب تفصیل اختیار کیا، یعنی غیر مسلمون کا

عام مساجد مین داخل ہونا اذن اہل اسلام سے جائز ہے. مگر مسجد حرام مین نہین، وہ مستثنےٰ ہے۔
خلافاً للحنفیہ، چنانچہ حافظ نووی شرح مسلم مین لکھتے ہین" اما قولہ تعالیٰ اِنَّمَا المُشرِکُونَ نَجَسٌ فَلَا
یَقرَبُوا المَسجِدَ فھو خاصٌ بالحرم ونحن نقول لا یجوز ادخالہ الحرم (صفحہ ۲۳۶ مطبوعہ دہلی)
اور دلائل انکے وہی ہین جو اوپر گذر چکے، لیکن صاحب ہدایہ نے اس موقعہ پر سخت تسامح کیا ہے
اور اسی وجہ سے انکی عبارت مین اشکال پیدا ہوگیا جسکو قاضی زادہ نے دور کرنا چاہا، وہ لکھتے
ہین" ولان الکافر لا یخلو عن جنابة لانہ لا یغتسل اغتسالاً یخرجہ عنہا والجنب یجنب المسجد"
یعنی امام شافعی کی دلیل منع دخول کے لیے یہ ہے کہ کافر ناپاک ہے کیونکہ وہ بوجہ غسل معتبر فی الشرع نہ کرنے
کے کبھی جنابت سے خالی نہین ہوتا، پھر اس دلیل کا جواب دیتے ہین" والتعلیل بالنجاسة عام
فینتظم المساجد کلھا"، اور" ولان الخبث فی اعتقادھم فلا یؤدی الی تلویث المسجد" یعنی اگر
کافر ناپاک ہے اور اس لیے اس کا داخل ہونا جائز نہین تو اس مین مسجد حرام کی کیا خصوصیت ہے؟
تمام مسجدون مین ممنوع ہونا چاہیے، حالانکہ خود امام شافعی اس کے قایل نہین، اور معلوم ہے کہ
کفار کی اصلی نجاست اعتقاد کی نجاست ہے نہ کہ جسم کی انتہیٰ، حالانکہ نہ تو امام شافعی کی یہ دلیل ہے
اور نہ تعلیل بالنجاستہ سے انکا یہ مطلب ہے جو صاحب ہدایہ نے قرار دیا ہے۔ خود ہی انکی جانب سے
ایک دلیل قیاساً قرار دے لی ہے، پھر خود اُسکا رد کردیا ہے، اور خلافیات مین اسطرح کے تسامحات
صاحب ہدایہ سے اور مقامات پر بھی ہوئے ہین، جیسے جواز نکاح متعہ کو حضرة امام مالک کی طرف منسوب
کردینا وغیر ذلک، یہ کتاب الام اور شرح مہذب اور شرح مسلم نووی موجود ہے اور متقدمین و
متاخرین شافعیہ کی ان سے زیادہ معتبر اور کون سی کتابین ہوسکتی ہین؟ امام شافعی کا استدلال
صرف نص قرآنی فَلَا یَقرَبُوا المَسجِدَ الحَرَامَ سے ہے جس نے خود ہی مسجد حرام کو خاص طور پر مخصوص
و مستثنےٰ کردیا، تمام مسجدون کے لیے ایسا حکم نہین دیا، اور اس ایک قاطع و ناطق دلیل ظاہر کے

بعد اور کسی دلیل کی انکو ضرورت ہی کیا تھی؟ بلاشبہ وہ منع دخول کی علت نجاست کو قرار دیتے ہین، مگر اپنے قیاس ورائے سے نہین، بلکہ اس لیے کہ خود قرآن ہی نے یہ تعلیل کر دی ہے، "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ" "اِنَّمَا" اور اس کے بعد حرف "فا" کا آنا اپنی دلالۃ مین ظاہر و ناطق ہے۔ مگر وہ نجاست سے نجاست جسمی مراد نہین لیتے، اگر ایسا ہوتا تو اُنکے مذہب مین کفار کی ملامسۃ اور مواکلۃ اور مشاربۃ جائز نہ ہوتی، جیسا کہ امامیہ اور بعض ظاہریہ کے مذہب مین ہے، اور معلوم ہے کہ ایسا نہین ہے۔ پس وہ نجاست سے نجاست معنوی مراد لیتے ہین جو عام مسجدون اور مکانون کو تو ناپاک نہین کرسکتی۔ لیکن مسجد حرام کا مرکز و کعبۂ ہدایت اور دار التوحید اُنکے قرب و مس کا متحمل نہین، وہ اپنی فضا کو اس نجاست معنوی کی آمیزش سے ہمیشہ پاک اور بے میل رکھنا چاہتا ہے، کہ تمام کرۂ ارضی مین کوئی ایک مرکزی مقام تو ہمیشہ توحید و ہدایت کے لیے محفوظ و مخصوص رہے، پس امام شافعی نے اگر اس بارہ مین حنیفہ کے عموم و اطلاق کی جگہ مذہب تفصیل اختیار کیا اور عام مسجد مین دخول کی اجازت دیتے ہوے مسجد حرام کو مستثنیٰ کر دیا، تو یہ مذہب نصوصِ کتاب و سنۃ اور قیاس صحیح و حکمت شرعی کے عین مطابق ہے، اور اُن کے رد مین یہ کہنا کہ "والتعلیل بالنجاسۃ عام" اور "ولان الخبث فی اعتقادھم فلا یؤدی الی تلویث المسجد" بالکل بے کار بلکہ بے معنی ہے، قرآن نے جو تعلیل نجاست کی کی ہے، وہ عام نہین ہے۔ مسجد حرام کے لیے خاص ہے۔ اور خبث اعتقاد عام مساجد کو ملوث نہین کرسکتا، البتہ مسجد حرام کی خالص اور بے مزج کفر پاکی کو ملوث کر دے گا۔

تاخیر: رسالہ کی تاخیر غیر معمولی وجوہ سے پیش آئی، انشاء اللہ آیندہ پرچہ وقت پر۔ نکلے گا۔

"منیجر"

اسلام مین مختلف فرقون کی نشوونما

اور

اسکے علل واسباب

(۲)

از مولانا عبد السّلام ندوی

فرقۂ باطنیہ کی تولید کا اصلی سبب

اوپر سلسلۂ کلام اس حد تک پہنچکر منقطع ہوگیا تہا کہ جب کوئی جدید قوم کسی جدید مذہب کو قبول کرتی ہے، تو الف وعادت کی بنا پر مدتون اُسکو اپنے قدیم عقاید، اپنے قدیم اعمال، اپنے قدیم علوم وفنون، غرض اپنی پوری گذشتہ تاریخ یاد رہتی ہے، اور وہ اس جدید مذہب کو کہینچ تان کر اپنے قدیم مذہب کی طرف لیجانا چاہتی ہے،

ایرانی قوم دنیا مین سب سے بڑے تمدن، سب سے بڑے مذہب، اور سب سے بڑی سلطنت کی مالک تھی، اسلئے جب وہ تباہ و برباد ہوکر اسلام مین داخل ہوئی تو اُسکو یہ خواب ہمہ وقت نظر آنے لگا، لیکن اسکے لئے صرف یہی کافی نہ تہا کہ مذہب اسلام مین اپنے قدیم مذہب کی چند باتین شامل کرکے اپنی تسکین خاطر کا سامان کرے بلکہ اُس نے سرے سے اسلام کے نظام کو اُلٹنا اور از سر نو مجوسی مذہب کو زندہ کرنا چاہا، چنانچہ اُس نے اسکے لئے مامون اور معتصم کے زمانہ کو جو عجمیت فلسفہ اور عقل کی گرم بازاری کا زمانہ تہا، نہایت ہی موزون پایا اور علانیہ کُہل کہیلی، چنانچہ استاد ابو منصور بغدادی نے کتاب الفرق بین الفرق مین متعدد مواقع پر اسکی تصریح کی ہے،

"اس فرقہ نے مختلف طریقون سے احکام شریعت کی ایسی تاویلین کین، جسکا نتیجہ رفع شریعت ہو

یا وہ احکام مجوس کے مشابہ ہو جائے [1]

اصحاب تاریخ نے بیان کیا ہے کہ جنلوگون نے مذہب باطنیہ کی بنیاد رکھی وہ مجوس کی اولاد سے تھے اور اپنے اسلاف کے مذہب کی طرف مائل تھے، لیکن مسلمانون کی تلوار کے خوف سے اسکے اظہار کی جرات نہین کر سکتے تھے، اسلئے اُنھون نے ایک ایسی بنیاد قائم کی کہ جو اسکو قبول کر لیتا تھا وہ باطنی طور پر مجوسیت کی طرف مائل ہو جاتا تھا [2]۔

متکلمین کا اختلاف ہے کہ فرقہ باطنیہ نے اپنی بدعات کی جو دعوت دی اس سے انکا مقصد کیا تھا؟ تو اکثر لوگ اس طرف گئے ہین کہ ان تاویلات سے جو وہ کتاب وسنت کی کرتے تھے، انکا مقصد دین مجوس کی دعوت دینا تھا [3]۔

مخفی دعوت کے علاوہ انھون نے نہایت خداعانہ طریقون سے اسلام مین مجوسیت کی آمیزش کی، مجوسی آتش پرستی کرتے ہین، اسلئے اُنھون نے چاہا کہ اس شرارے کا جلوہ مسلمانون کی مسجدون مین بھی نظر آئے، اس غرض سے انھون نے مسلمانون کو ترغیب دی کہ مساجد مین انگیٹھیان رکھی جائین اور انمین عود وغیرہ سلگایا جائے، اسی غرض سے برامکہ نے ہارون رشید کو ترغیب دی تھی کہ کعبہ مین بھی اس قسم کی انگیٹھیان رکھی جائین لیکن اس نے دوراندیشی سے معلوم کر لیا کہ اس سے درپردہ آگ کی پرستش کرانا اور خانہ کعبہ کو آتشکدہ بنانا مقصود ہے، چنانچہ جن اسباب کی بنا پر ہارون رشید نے اس خاندان کو تباہ کیا اُن مین ایک سبب یہ بھی تھا [4]،

لیکن اس مذہبی طاقت کے زندہ کرنے سے باطنیہ کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ایرانیون کی ملکی طاقت دوبارہ زندہ ہو جائے، چنانچہ استاذ ابو منصور بغدادی لکھتے ہین،

انا لا نجد علی ظہر الارض مجوسیا الا وھو	ہم زمین پر کسی ایسے مجوسی کو نہین پاتے جو ملک پر

[1] کتاب مذکور صفحہ ۲۷۰ [2] کتاب مذکور صفحہ ۲۶۹ [3] ایضاً صفحہ ۲۷۷، [4] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۷۰

موا دلھم منتظر لظھورھم علی اللہ یا د   مجوسیون کے غلبہ کا منتظر ہو، وہ لوگ سمجھتے ہین کہ

یظنون ان الملک یعود الیھم بذلک[1]   سلطنت اسی طریقہ سے انکو واپس ملیگی،

یہی وجہ ہے کہ ان لوگون نے متعدد بار خلفاء و سلاطین پر قاتلانہ حملے کیے اور اسلام کی فوجی طاقت کو انکی مقاومت و استیصال مین حصہ لینا پڑا۔

معتزلہ | معتزلہ[1] کے اصولی عقاید مین دو عقیدے نہایت اہم ہین،

(۱) قدر، یعنی یہ کہ بندہ اپنے تمام افعال کا خالق اور ذمہ دار ہے، خدا حکیم ہے، عادل ہے، اسلئے اسکی طرف شر و ظلم کا انتساب نہین کیا جا سکتا، معتزلہ کو اصحاب عدل اسی اصول کی بنا پر کہتے ہین،

(۲) نفی صفات باری، یعنی یہ کہ خدا قدیم ہے، اور قدم اُسکے مخصوص اوصاف مین سے ہے، جو دوسرے مین نہین پایا جا سکتا، اس بنا پر وہ خدا کے تمام صفات قدیمہ کا انکار کرتے ہین، اور کہتے ہین کہ وہ بذات خود عالم ہے، قادر ہے، زندہ ہے، اور علم، قدرت اور حیات کا جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہون، محتاج نہین، کیونکہ اگر یہ اوصاف قدیمہ پائے جائین تو قدم مین خدا کی شریک ہونگے، اور اس سے تعدد قدما، یا تعدد آلہہ لازم آئیگا، اسی اصول کی بنا پر معتزلہ کو اہل توحید کہتے ہین،

ان عقاید مین پہلے عقیدہ کی ابتدا پالیٹکس سے ہوئی، بنو امیہ کے زمانہ مین چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا اسلئے طبیعتون مین شورش پیدا ہوئی، لیکن جب شکایت کا لفظ کسیکی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت اسکو یہ کہکر چپ کر دیتے تھے، کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے، ہمکو اسمین چون وچرا نہین کرنا چاہیے (آمنا بالقدر خیرہ وشرہ) لیکن جو لوگ آزاد، دلیر، اور راست گو تھے وہ خاموش نہ رہ سکے، چنانچہ معبد جہنی نے جسنے صحابہ کا زمانہ پایا تھا اور امام حسن بصری کے حلقۂ درس مین شریک ہوا کرتا تھا، ایکدن اُن سے عرض کی کہ بنو امیہ کی طرف سے قضا و قدر کا جو عذر پیش کیا جاتا ہے

[1] معتزلہ کے مختلف فرقے اگرچہ مختلف نام سے موسوم ہین لیکن ہم نے سب کو معتزلہ ہی کے لقب سے یاد کیا ہے،

وہ کہاں تک صحیح ہے"؟ امام صاحب نے کہا کہ "یہ خدا کے دشمن جھوٹے ہیں"، وہ پہلے سے بنو امیہ کے جور ظلم پر طیش سے بھرا ہوا تھا، اب علانیہ بغاوت کی اور جان سے مارا گیا، اسکے بعد غیلان دمشقی نے اس خیال کو ترقی دی، اور ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں بغاوت انگیزی کے جرم میں جان سے مارا گیا[1]

اسی زمانہ میں جہم بن صفوان پیدا ہوا اور وہ بھی امر بالمعروف کے جرم میں قتل ہوا۔[2]

معبد اور غیلان کے بعد اس اصول کو سب سے زیادہ واصل بن عطا نے مستحکم کیا، چنانچہ علامہ شہرستانی ملل ونحل میں لکھتے ہیں۔

وقرر واصل ابن عطاء هذه القاعدة	اور واصل بن عطا نے اس قاعدہ کو قاعدہ صفات سے
اکثر مما کان یقرر قاعدة الصفات[3]	زیادہ ثابت کیا۔

احادیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ خیر و شر جو کچھ ہے خدا کی طرف سے ہے، واصل نے اُسکے یہ معنی لئے کہ مرض، شفا، موت، حیات، اور رنج و غم وغیرہ خدا کی طرف سے ہیں، یہ نہیں کہ بندے جور و ظلم، فسق و فجور، نیکی، بدی جو کچھ کرتے ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہے، علامہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ "میں نے ایک خط دیکھا ہے جو حسن بصری کی طرف منسوب ہے، اور عبدالملک بن مروان کے نام لکھا گیا ہے، اسمیں قرآن مجید کی آیات، اور عقلی دلائل سے اس اصول کو ثابت کیا گیا ہے، لیکن غالباً یہ خط واصل کا لکھا ہوا ہوگا کہ حسن بصری سلف کے اس مذہب کی کہ خیر و شر خدا کی طرف سے ہے کیونکر مخالفت کر سکتے تھے[4]"، لیکن ہم نے اوپر حسن بصری کا جو قول نقل کیا ہے، اس سے علامہ شہرستانی کے اس حسن ظن کی غلطی ثابت ہوتی ہے بلکہ ظن غالب تو یہ ہے کہ واصل نے اس مسئلہ کو حسن بصری ہی کے حلقۂ درس میں سیکھا ہوگا، بہرحال اس مسئلہ بلکہ اس فرقہ کی ابتدا پالیٹکس سے ہوئی تھی، اور اس نے آگے چل کر پولیٹکل نتائج بھی پیدا کئے، چنانچہ خود خاندان بنو امیہ میں یزید بن الولید نے یہ مذہب اختیار کر لیا

---

[1] شرح ملل و نحل بحوالہ علم الکلام، [2] تاریخ مصر مقریزی جلد دوم صفحہ ۳۵۶ [3] ملل و نحل صفحہ ۵۸، [4] ایضاً صفحہ ۵۹-

اور جب ولید تخت نشین ہوا، اور تخت نشینی کے بعد علانیہ میخواری اور عیاشی شروع کی تو یہ رنگ دیکھکر یزید نے امر بالمعروف کے دعوی سے علم بغاوت بلند کیا اور ہزاروں معتزلہ اُسکے ساتھ ہوگئے[1] غالباً ولید نے اسی مصلحت سے یہ مذہب اختیار کیا ہوگا۔

دوسرا اصول: واصل کے زمانہ تک بالکل صاف وسادہ تھا، وہ صرف یہ کہتا تھا کہ دو خدا کا وجود محال ہے، اور جو لوگ صفات قدیمہ کا اثبات کرتے ہیں وہ تعدد خدا کا اثبات کرتے ہیں لیکن بعد میں اس مسئلہ کو اسکے اصحاب نے فلاسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کرکے ترقی دی[2] علامہ ابن صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں لکھا ہے کہ حکما میں سب سے پہلے بندقلیس نے صفات الٰہی کا انکار کیا، اور ابو الہذیل علاف نے اسی مذہب کی تقلید کی[3]

اگرچہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس مسئلہ کے پیدا ہونے کا اصلی محرک کیا تھا؟ تاہم خلفائے بنوعباسیہ نے اس سے پولیٹکل فوائد حاصل کئے، اسلام میں سب سے پہلے ایک یہودی الاصل شخص نے جسکا نام عبداللہ بن سبا تھا یہ دعوی کیا کہ حضرت علی خدا ہیں اور اسی سے غلاۃ کے تمام فرقے پیدا ہوئے[4] اس غلو نے ترقی کرکے حلول کا عقیدہ قائم کیا، اور اس عقیدہ کی بنا پر سیکڑوں مدعیان الوہیت پیدا ہوگئے۔ جو اپنے آپ کو امام کہتے تھے، اور عرش نشینی کے ساتھ تخت نشینی کی بھی خواہش رکھتے تھے، قائلین حلول کے متعدد فرقے تھے، لیکن سب کا مقصد توحید کے عقیدہ کا باطل کرنا تھا[5] اس بنا پر یہ مسئلہ امامت و توحید دونوں حیثیتوں سے نہایت اہم مذہبی سیاسی نتائج پیدا کرتا تھا، لیکن اگر سرے سے صفات الٰہی کا انکار کردیا جائے تو یہ عقیدہ دفعتہً متزلزل ہوجاتا ہے، کیونکہ اس صورت میں ذات الٰہی ایک بے چون و چرا ہستی رہجاتی ہے، اور اسمیں کوئی وصف ایسا نہیں پایا جاتا جو دوسرے کی ذات میں حلول کرے، غالباً توحید کے اثبات اور ائمہ کی الوہیت کے ابطال کے لیے معتزلہ نے اس مسئلہ کو ایجاد کیا ہوگا۔

---

[1] مروج الذہب مسعودی بحوالہ علم الکلام [2] ملل ونحل صفحہ ۵۸، [3] کتاب مذکور صفحہ ۲۲، [4] ملل ونحل صفحہ ۱۱ [5] کتاب الفرق بین الفرق

جیساکہ حدیث شریف مین آیا ہے، لونڈی زادون اور غیر مذہب کے لوگون نے اسلام مین بہت سی بدعات پیدا کین اور مستقل فرقون کے بانی ہوئے، فرقۂ عمریہ کے متعلق علامہ ابو منصور بغدادی لکھتے ہین،

هولاء اتباع عمرو بن عبيد بن باب مولے بني تميم وكان جده من سبي كابل وماظهرت البدع والضلالات في الاديان الامن ابناء السبايا كما ورد في الخبر[1]	یہ لوگ عمرو بن عبید بن باب مولی بنی تمیم کے پیرو ہین جسکا دادا کابل کا گرفتار شدہ غلام تھا اور مذاہب مین بدعتین اور گمراہیان صرف لونڈی زادون کی وجہ سے پیدا ہوئین جیساکہ حدیث شریف مین ایا ہے ۔

فرقۂ ھذیلیہ کی نسبت لکھتے ہین،

هولاء اتباع ابي هذيل محمد بن هذيل المعروف بالعلاف كان مولى لعبد القيس وقد جرى على منهاج ابناء السبايا لظهور اكثر البدع منهم[2]	یہ لوگ ابو الہذیل محمد بن ہذیل علاف کے پیرو ہین جو عبد القیس کا غلام تھا اور لونڈی زادون کے طریقہ پر چلا کیونکہ بدعات کا ظہور اکثر انہین سے ہوتا ہے ۔

فرقۂ ثمامیہ کا بانی ثمامہ بن اشرس نمیری تھا جو انکا غلام تھا، اسکا عقیدہ تھا کہ جو شخص جان بوجھکر خدا کی نافرمانی کرے وہ گنہگار رہے، اس عقیدہ کی بنا پر وہ جنگ مین قیدیون کے گرفتار کرنیکو ناجائز قرار دیتا تھا اور کہتا تھا کہ قیدیون نے جان بوجھکر خدا کی نافرمانی نہین کی ہے، اس عقیدہ کو لکھکر استاذ ابو منصور لکھتے ہین ۔

فبدعة ثمامة على هذا التقدير لائق بنسبه[3]	ثمامہ کی یہ بدعت اسکے نسب کے لائق ہے،

بہرحال عرب سے نکل کر اسلام مختلف عقاید، مختلف مذاہب، مختلف اغراض، مختلف علوم اور مختلف اقوام کے درمیان گھر گیا تھا، اور سب نے اسپر کچھ نہ کچھ اثر ڈالا، اسی پیشین بینی کی بنا پر شارع علیہ السلام نے کہا تھا کہ میری امت بہتر فرقون مین منقسم ہوجائیگی اور اسباب و واقعات نے یہ پیشنگوئی پوری کردی ۔

---

[1] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۱۰۱، [2] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۲، [3] کتاب مذکور صفحہ ۲۰ ۔

مصری کھانے

مدت کے بعد مولوی عبدالرزاق صاحب ندوی نے اپنے سفرنامہ کا ایک اور باب پیش کیا ہے

یہ مصر کا خوان نعمت ہے، وہ ہندوستان کا ساچٹخارا مصر مین ڈھونڈھتے تھے وہ نہین ملتا تھا، بس

اسکی تلخی اور ناگواری اس سارے مضمون مین ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایران و ہندوستان کے تمدن نے

ایک ساتھ ملکر ہندوستانی مسلمانون کے دسترخوان کو جسقدر پرلطف بنادیا ہے وہ دنیا مین کہین نہین ہے

مصریون نے لباس وپوشاک مین اگرچہ اپنی توجہ بہت زیادہ مبذول کی ہے اور ایک حد تک

اسکو ترقی دی ہے، لیکن خورد و نوش مین وہ ابھی بہت پیچھے ہین، اور یہ کہنا شاید مبالغہ نہوگا کہ لذیذ کھانون سے

وہ قطعاً ناآشنا ہین، ذیل مین انکے بعض مشہور کھانون کی تفصیل ملاحظہ ہو،

فول، یہ ایک خاص قسم کا غلہ ہے جو مصر مین بکثرت پیدا ہوتا اور ارہر کی مانند پھلیون مین ہوتا ہے

اور بڑے چنے سے بھی قد آور ہوتا ہے، فول مصریون کا نہایت ہی مرغوب ناشتہ ہے، جسے وہ بڑی

عزت کی نظر سے دیکھتے اور ایک نفیس غذا تصور کرتے ہین، میرے خیال مین فیصدی دو شخص بھی ایسے

نہ نکلین گے جو روزانہ اسکا ناشتہ نہ کرتے ہون، اسمین ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ جسکے منھ لگجاتا ہے

پھر نہین چھوٹتا، اسکے کھانے سے خفیف سی غنودگی اور سستی چھا جاتی ہے، اور سچ مچ انسان کو "فول"

(بے وقوف) بنادیتی ہے، ابتداءً مین اس سے سخت متنفر تھا، لیکن دو ایک مرتبہ کھانیکے بعد عادت

پڑگئی، اور پھر شوق سے روز اسکا ناشتہ کرنے لگا۔

مصری اُسے نہایت بری طرح پکاتے اور کھاتے ہین، پکاتے کا ہیکو؛ صرف اُبال لیتے ہین اور

نمک مرچ اور بنولے کا تیل ڈال کر کھا لیتے ہین، ظاہر ہے کہ جس چیز کی یہ اس طرح خراب کیجائیگی اُسکے

مزہ کا کیا حال ہوگا؛ برخلاف اسکے جب ہم اسے ہندوستانی طریقہ سے باقاعدہ نمک مرچ اور مسالہ ڈال کر پکانے تھے تو نہایت لذیذ ہوجاتا تھا؛ جس سے ہمارے مصری احباب تعجب کرتے اور چٹخارین مار مار کر کھاجاتے، لیکن انھون نے کبھی ہم سے اس طریقہ کے سیکھنے کی کوشش نہ کی اور نہ ہم سے اُسے دریافت کیا اس سے انکی انتہائی بے پروائی اور غفلت کا اندازہ ہوسکتا ہے،

فول کا ناشتہ سب چیزون سے زیادہ ارزان یعنی صرف ۱ا ملین بخوبی ہوجاتا ہے، فول کی دوکانین عموماً نہایت گندی ہوتی ہین، اور جس گھڑے مین وہ ابلا ہوا رکھا ہوتا ہے وہ بھی نہایت غلیظ ہوتا ہے اسپر راکھ اور گرد کی تہین جمی ہوتی ہین، جسکے دیکھنے سے طبیعت بدمزہ ہوجاتی ہے، اس سے بھی بڑھکر تکلیف دہ کپڑے کا وہ گیند ہوتا ہے جو اس گھڑے کے منھ پر رکھا ہوتا ہے، اسکی گندگی ناقابل بیان ہے یہی حال میز کرسی اور برتنون کا بھی ہے، مگر بااین ہمہ اچھے اچھے "جنٹلمین" ان دوکانون مین باطمنان بیٹھے نظر آتے ہین، حالانکہ دیگر اشیا کی میلی دوکانون کے قریب سے بھی گذرنا یہ گناہ سمجھتے ہین، یہ عجیب معما ہے، جسکا حل کرنا ذرا مشکل ہے، اور اسلئے مصر مین یہ عام مقولہ ہوگیا ہے کہ فول کھانیکا مزہ میلے برتنون اور میلی دوکانون مین ہے،

فول صرف ناشتہ ہی کے کام نہین آتا بلکہ وہ غربا کی عام غذا ہے، وہ اس سے پھلکیان، بڑے اور بعض دیگر کھانے بھی طیار کرتے ہین، اطبا بھیگے ہوے فول کا شوربا بیمارون کو دیتے اور اُسے زود ہضم بتاتے ہین، غرضکہ فول سے مصریون کو ویسی ہی الفت ہے، جیسی اہل اودھ کو ماش کی دھوئی دال سے بلکہ اس سے بھی بڑھکر؛ لیکن شتان ما بینھما،

دال ۔ مصر مین صرف مسور کی دال پیدا ہوتی ہے، اسلئے مصری بجز اسکے اور کسی دال سے واقف نہین ہین، اور "عدس" کے لفظ سے صرف اسکو مراد لیتے ہین، حالانکہ عربی مین یہ لفظ عام ہے اور ہر دال پر یکسان بولا جاسکتا ہے، انہین ہماری زبانی یہ سن کر تعجب ہوتا تھا کہ ہندوستان مین کئی قسم کی

دالین ہوتی ہین جمین سب سے ادنی درجہ مسور کی دال کا ہے، اتفاق سے ہمین اپنے ایک ہندوستانی دوست سے تہوڑی سی ماش کی دال مل گئی تھی جسے ہم نے ہندوستانی طریقہ سے پکا کر مصری احباب کی دعوت کی اُسے انھون نے انتہائی رغبت سے نوش کیا اور ہمارے مذکورہ بالا قول کی تصدیق کی،

پنیر۔ پنیر کو بھی مصری بہت عزیز رکھتے اور بڑے شوق سے کہاتے ہین، مصر مین کئی قسم کا پنیر مستعمل ہے جسکی تفصیل یہ ہے،

(۱) الجبنۃ الاسلامبولی (استنبولی پنیر) یہ قسطنطنیہ مین بنتا اور وہین سے آتا ہے، اور مزہ مین نہایت لذیذ اور از حد مقوی ہوتا ہے، حتی کہ بقول اطبا کے اسمین مادہ زلالیہ کی مقدار فیصدی ۴۰ گرام ہے جو ظاہر ہے کہ اتنی مقدار مین کسی دوسری غذا مین نہین پایا جاتا، لیکن چونکہ یہ قیمتی ہوتا ہی اسلئے اسکا استعمال کم ہے

(۲) الجبنۃ الرومی۔ (یونانی پنیر) یہ یونان، شام اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ سے آتا ہے مگر کسیقدر بدبودار، بدمزہ لیکن مقوی ہوتا ہے، گران ہونیکی وجہ سے یہ بھی کم کہایا جاتا ہے۔

(۳) الجبنۃ البلدی (دیسی پنیر) یہ خاص مصر مین بنتا ہے، اور چونکہ اس سے مکہن نکال لیا جاتا ہے اسلئے ارزان فروخت ہوتا ہے، یہ اگرچہ مقوی نہین ہوتا تاہم کسیقدر خوش ذائقہ ہوتا ہے۔

(۴) "مش" اسکا حال کیونکر بیان کیا جائے، ڈر ہے کہ مجھے اور پڑھنے والے کو قے ہو جائے کیونکہ یہ انتہا سے زیادہ غلیظ اور کسی طرح بھی غذا بننے کی صلاحیت نہین رکہتا، اسکے بنانیکا طریقہ یہ ہے کہ دیسی پنیر کو مٹکون مین بھر کر رکھدیتے ہین اور اسوقت تک خبر نہین لیتے جب تک کہ وہ خوب سڑ کر بدبودار اور بدرنگ نہو جائے اور اسمین کیڑے نہ بجکنے لگین، اسمین تعفن اسدرجہ کا ہوتا ہے کہ کوئی سلیم النفس انسان اسے برداشت نہین کرسکتا، وہ جسقدر پرانا ہوتا جاتا ہی اُسیقدر اسکی قدر وقیمت بڑہتی جاتی ہے۔

یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ سراسر نجاست چوری چھپے کہالی جاتی ہوگی، نہین اسے علانیہ فخر ومباہات کے ساتھ کہایا جاتا ہے، مہمانون کی خاص طور پر اس سے تواضع و مدارات کیجاتی ہے، اور

اہنین صرف اسکے تناول پر مجبور کیا جاتا ہے، تیسرے سال جب مین مصری حجاج کے ساتھ حجاز جا رہا تہا تو جہاز پر ایک خوش اخلاق مصری زمیندار سے ملاقات ہوگئی جس نے ایک شب اپنے ہمراہ کہانا کہانے پر مجبور کیا، چنانچہ جب دسترخوان چنا گیا تو اسپر بُہنا ہوا گوشت، عمدہ پنیر، چند قسم کا مربہ، اور حضرت "مش" بھی جلوہ افروز تھے، جنکی خوشبو فضا مین پہیل پہیل کر صحیح دماغون کو پراگندہ کر رہی تھی، میز سے میزبان نے انتہائی تکلف برتکر مش کے پیالہ کو میرے سامنے رکہدیا اور کہا یون آپ نے مصر مین بہت مش کہایا ہوگا، لیکن ذرا ہمارے مش کو بھی ملاحظہ فرمائیے، جسے ہم نے بڑے اہتمام سے خاص حج کیلئے تیار کرایا ہے! پیشتر تو مین نے بطور تکلف کے اس نعمت عظمیٰ کو اہنین کی طرف بڑہا دیا، کہ جناب نوش فرمائین بندہ بھی شریک ہوجائیگا" لیکن جناب نے ایک نہ سُنی اور خلوص وسادگی کے ساتھ فرمانے لگے آپ بہت باتکلف معلوم ہوتے ہین! کیا آپکے ملک مین میزبان کا دل دُکہانا روا رکہا جاتا ہے؟ ابتو بڑی مصیبت کا سامنا تہا، یا الٰہی کیا کردن؛ اگر کہاتا ہون تو قے ہوتی ہے اور اگر انکار کرتا ہون تو میزبان رنجیدہ ہوتا ہے، دل مین تو کئی مرتبہ آیا کہ اس غلیظ کے پیالہ کو اُٹہا کر سمندر مین پھینکدون، لیکن ایشیائی تہذیب مانع آئی، آخر یہ مصیبت اسطرح آسان ہوئی کہ زمیندار صاحب کی بینائی کم تھی اور جس جگہ مین بیٹھا ہوا تہا وہان کسیقدر تاریکی بھی تھی۔ ان دونون چیزون سے مین نے فائدہ اُٹہایا اور پیالہ کو اپنے سامنے رکہکر دکہانے کو اسمین ہاتھ ڈال ڈال کر روکھی روٹی سے شکم پری کرلی، اور مصریون کی گندی غذاؤن پر دل ہی دل مین ملامت کرتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا!-

صرف اسیقدر نہین بلکہ اگر تقریبون مین مش لوگون کے سامنے نہ پیش کیاجائے تو بڑی رسوائی ہوجاتی ہے، خصوصًا دیہاتون مین اسکا بہت لحاظ کیا جاتا ہے، عید تو اسکے کہائے بغیر ہوتی ہی نہین چنانچہ ہمارے ہم درس مصری پہلے سال جب عید کرکے اپنے مکانون سے مدرسہ واپس ہوئے تو ہمارے لئے بطور تحفہ کے "مش" لائے تھے، لیکن جب اُنہین معلوم ہوا کہ ہم اس سے ویسی ہی نفرت کرتے ہین، جیسی

غلیظ سے کی جاتی ہے تو وہ ہماری بدقسمتی پر بہت متاسف ہوے کہ ہم اس فسمت (مش) سے محروم ہین!

فسیخ یہ اس سڑی ہوئی مچھلی کا نام ہے جو "مش" ہی کی مانند نجس اور اسی کی طرح مرغوب طبع خاص وعام ہے، حیرت ہے کہ لوگ اسے کیونکر کہاتے اور ہضم کرتے ہین، کیونکہ اسمین بڑے بڑے سفید کیڑے رینگتے ہوتے ہین، اور تعفن اسدرجہ ہوتی ہے کہ جس دوکان مین وہ رکہی ہوتی ہے، اسکے قریب سے گذرنا بھی دشوار ہوتا ہے، لیکن مصریون کو اُسکے ساتھ اسقدر اُنس ہے کہ وہ پہرون اُسکی خریداری کیلئے دوکان پر کہڑے رہتے ہین اور بغیر لئے نہین ٹلتے، خصوصاً ایام عید مین تو عجب کشمکش اور بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے ایک پر ایک گرتا اور پیشقدمی کرتا ہے، اور جب انتظار کرتے کرتے دیر ہو جاتی ہے تو جہنجلا جہنجلا کر دوکاندار سے کہتا ہے حرام علیک یا شیخ! اخرتنی لیتو باللہ علیک ادنی اولا (واہ صاحب تم نے بڑا انتظار کرایا، برائے خدا پہلے مجھے دیدو)

عیدین اور ایام مسرت مین اسکا کہانا بھی لابدی خیال کیا جاتا ہے صرف عوام الناس ہی مین نہین بلکہ تقریباً تمام طبقون مین، چنانچہ ایک وکیل صاحب نے جو ہمارے شناساؤن مین تھے اور صفائی و پاکیزگی کے دعوے کیا کرتے تھے، عید کے روز ہماری دعوت کی، میز پر دیگر کہانون کے ساتھ فسیخ بھی موجود تھی جسکی بدبو سے دماغ پہٹا جاتا تھا، اور جسے وہ دانتون سے نوچ نوچ کر بڑی رغبت سے کہا رہے تھے، اتفاق سے انکی مونچھ مین اسکا ایک بڑا سا کیڑا اٹک گیا جسپر ایک زندہ دل ہندوستانی نے کہا، وکیل صاحب! دیکھئے یہ آپکی مونچھ مین کون صاحب رونق افروز ہین" اسپر انھون نے ہنسکے اُسے دسترخوان پر گرادیا اور سنجیدگی سے کہنے لگے، "یہ اسی فسیخ کا کیڑا ہے، آپ متعجب کیون ہین؟ کیا آپ اسے ناپاک تصور کرتے ہین، اسکے متعلق تو علماے ازہر کا فتویٰ موجود ہے کہ وہ نجس نہین ہے!"

زیتون - یہ وہی زیتون ہے جسکا ذکر خیر قران مجید مین کئی مقام پر آیا ہے، مصر مین بکثرت کہایا جاتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ہندوستانی طبعتین اسے پسند نہین کرسکتین، کیونکہ اول اول جبکہ مجھپر ہندوستانیت کا

پورا غلبہ تہا وہ مجھے نہایت بدمزہ معلوم ہوا، میرے ایک ہندوستانی دوست مقیم مصر کا بہی یہی بیان ہے چنانچہ وہ کہتے تھے کہ جس روز مین جامع ازہر پہنچا تو ایک یمنی طالبعلم نے میری تواضع زیتون اور روٹی سے کی مجھے کیا معلوم تہا کہ زیتون کیا چیز ہے؟ جون ہی اسکا ایک دانہ زبان پر رکہا اُبکائی آگئی، اور مجھے مجبوراً اس سے دست کشی کرنا پڑی، جسپر میزبان کبیدہ خاطر ہوگیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ زیتون اتنی بدمزہ چیز نہین ہے جتنی ہمین ابتدا مین معلوم ہوئی، چنانچہ بعد مین ہم اُسے بشوق کہانے اور بہت سے مصری کہانون پر اسے ترجیح دینے لگے، زیتون مین دہنیت اسقدر ہوتی ہے کہ جس برتن مین اسکی کچھ مقدار رکہدیجاتی ہے اسمین روغن ہی روغن ہوجاتا ہے، اسکا پہل چہوٹی جامن کے برابر سیاہ رنگ کا ہوتا ہے جسپر لسوڑہ کی طرح جہریان پڑی ہوتی ہین، دنیا مین سب سے عمدہ، خوش ذائقہ اور قدآور زیتون ملک شام کا ہوتا ہے، اور اسکا سب سے بہتر اور خالص روغن یٹونس سے بوتلون مین بہرکر آتا ہے،

ترکاریان - ہندوستان کی مانند مصر مین طرح طرح کی ترکاریان نہین ہوتین، صرف بینگن، گول لوکی، مٹر، آلو، کہیرا، لکڑی اور بہنڈی وغیرہ پائی جاتی ہین، مین نے اپنے زمانۂ قیام مین کبہی بہی اروئی، بنڈے، اور تُرئی نہین دیکہی، سیم کے درخت ہوتے ہین مگر کسیکو نہین معلوم کہ اسکی پہلیان بہی کہائی جاتی ہین، اسکی بیل صرف خوشنمائی کے خیال سے دیوارون پر چڑہائی جاتی ہے، ہم نے لوگون کو قصداً اس راز سے واقف نہ کیا تہا، اور اکثر دو چار پیسہ دیکر بہت سی پہلیان حاصل کرلیا کرتے تھے، جس سے اُنکو تعجب ہوتا تہا کہ ہم انہین کیا کرینگے؟ ہم کہدیا کرتے تھے کہ دوا کے واسطے انکی ضرورت ہے،

اسی طرح کچنار کے درخت بہی محض خوشنمائی کے لیئے باغون مین بکثرت نصب کیے جاتے ہین اور کلیون سے فائدہ نہین اٹہایا جاتا، ہمارے مدرسہ کے باغچہ مین بہی اسکا ایک تناور درخت تہا، فصل پر ہم نے اسکی کلیان توڑ کر پکائین، ہمارے مصری ساتھی ہنستے تھے کہ ہم ایک زہریلی چیز پکارہے ہین لیکن تہوڑی ہی دیر بعد جب انہین اسکا مزہ معلوم ہوا تو دیوانہ وار اسپر ایسے گرے کہ تمام ہانڈی صاف ہوگئی

اور پھر فصل بھر ہمین اسکے تیار کرنے پر مجبور کرتے رہے۔

ملوخیتہ ۔ یہ ہمارے ملک کی چولائی کی مانند ایک پتی ہوتی ہے، مصری اسپر بھی دل وجان سے فریفتہ ہین، اور روزانہ اُسکے تناول کرنیکی کوشش کرتے ہین، اور وہ اسلئے اور بھی پسند کرتے ہین کہ انکے خیال کے مطابق وہ ممسک ہوتی اور انکی عیاشی مین معاون ہوتی ہے، ہر دسترخوان پر اُسکا ہونا ضروری ہے، اور اگر مہمان کے سامنے وہ نہو تو گویا مہمانی ہی نہین ہوئی، یہ اگر سلیقہ سے ہندوستانی ساگ کی طرح پکائی جائے تو خوش ذائقہ ہوتی ہے، لیکن مصری اسکی مٹی پلید کرڈالتے ہین، اور یخنی مین اُسے شوربے کی طرح پکا لیتے ہین، نہ نمک ہوتا ہے، نہ مرچ اور نہ ترشی، اور چونکہ اس پتی مین لس بہت ہوتا ہی اسلئے تمام ہانڈی لعاب سے بھر جاتی ہے، اول اول مجھے ایک ہوٹل مین کھانا کھانیکا اتفاق ہوا اور کھانون کی فہرست مین "ملوخیتہ" کو کوئی عمدہ چیز سمجھکر طلب کیا، سب سے پہلے اُسکے ہرے ہرے رنگ کو دیکھکر نفرت ہوئی، پھر جون ہی اسکا لقمہ منھ کو لیجانے لگا ایک موٹا سا تار پلیٹ سے منھ تک چلا آیا، خیر اسے بھی طوعاً وکرہاً برداشت کیا، اور ہمت کرکے لقمہ داخل دہن کر لیا، لیکن اسکا نگلنا ناممکن تھا جسپر حاضرین بہت متعجب ہوے، اور بعض نے خشمناک نظرون سے گھورنا شروع کیا،

گوشت ۔ مصری گوشت کم کھاتے ہین جسکی بڑی وجہ اسکی گرانی ہے. چنانچہ دنبہ اور بکری کا معمولی گوشت دو روپیہ سیر، اور بقر کا عہ؍ سیر فروخت ہوتا ہے، اونٹ کا گوشت اگرچہ ارزان ہوتا ہے لیکن سخت اور بدمزہ ہونیکی وجہ سے عموماً ناپسند کیا جاتا ہے، گرانی کا حال ہوٹلون مین بھی ہے، چنانچہ سادہ سالن کا ایک پیالہ جسمین چند چھوٹی چھوٹی بوٹیان ہوتی ہے، ۵ر مین، اور ترکاری کی ایک پلیٹ جسمین صرف ایک بوٹی ہوتی ہے ۷ر مین ملتی اور بمشکل کافی ہوتی ہے، پس ظاہر ہے کہ اس گرانی کے ہوتے ہوے عوام الناس کیونکر گوشت کا استعمال بکثرت کرسکتے ہین،

مصری گوشت کو بھی خوش ذائقہ پکانا نہین جانتے وہ پیشتر اسکی یخنی نکال لیتے ہین (جسمین چاول

پکاتے ہین) اور پھر بوٹیون کو گھی اور پانی مین ڈال کر اُبال لیتے ہین، یہ سمجھئے بس ہانڈی تیار ہوگئی، نہ تو گوشت ہی سرخ ہونے پایا اور نہ اسکی بو بھی پورے طور پر دفع ہوئی، یہ حالت صرف ہماشما ہی کی نہین بلکہ اچھے اچھے باورچیون کی ہے، چنانچہ ہمارے مدرسہ کے دارالاقامہ مین عبدالکریم نامی ایک مشہور باورچی تھا، اسکا مشاہرہ علاوہ خوراک کے ننلے تھا، اور کام صرف اسقدر تھا کہ اپنی زیر نگرانی ماتحت باورچی سے عمدہ کھانا تیار کرادے، لیکن اسکے پکوان کی بھی وہی حالت تھی جو اوپر مذکور ہوئی، مگر باین ہمہ اس احمق کو اپنی استادی اور کمال پر بڑا ناز تھا، اور جو کوئی بلا "استاد" کہے ہوے اسکا نام لیتا اس سے ناراض ہوجاتا،

ہماری حالت مصر مین بالکل اس بازاری مثل کے مطابق تھی کہ "بورے گاؤن مین اُونٹ آیا، لوگون نے جانا پرمیشور آیا" ہمارا پکوان ایک عجیب چیز سمجھی جاتی تھی، اور مصری دوستون کو اکثر تمنا رہا کرتی تھی کہ ہمارے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھائین، اور جب کبھی ہم پکانے ہوتے تو وہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے، اور حیرت زدہ ہوکر مذاق مین کہتے "تم لوگ کھانے پر جادو کردیتے ہو" اور میرے ایک ہندوستانی دوست مولوی عثمان صاحب ندوی (کہ جنھین اس فن سے مناسبت تھی) کو تو "دکتور فی الطبخ" یعنی ڈاکٹر آف کھانا کہا کرتے تھے، خصوصاً یہ معلوم کرکے انھین اور بھی تعجب ہوجاتا تھا کہ مصر آنے سے پہلے ہم کبھی چولہے کے سامنے بھی نہ بیٹھے تھے، کیونکہ انکو یقین تھا کہ ہم نے یہ فن ہندوستان مین بڑی محنت سے حاصل کیا ہوگا۔

ترک اگرچہ عمدہ اور لذیذ غذائین کھانیکے عادی ہین، مگر وہ بھی ہندوستانی چٹپٹے کھانون پر ریجھ جاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ہم نے انڈے تلے اور اپنے ایک مخلص ترک دوست کے سامنے پیش کئے ترک اگرچہ مرچ مطلق نہین استعمال کرتے، اور ان انڈون مین اسکی اتنی افراط تھی کہ ہم باوجود عادت کے پریشان ہورہے تھے، لیکن وہ ان پر ایسے گرے کہ بغیر تمام صاف کئے ہوے منھ نہ موڑا، حالانکہ مرچ کی وجہ سے انکی حالت دگرگون ہورہی تھی، چہرہ سرخ تھا، آنکھون سے آنسو جاری تھے، ناک سے پانی ٹپک رہا تھا، جسم پسینہ سے عرق عرق ہورہا تھا اور منھ سے "فوہ، فوہ" کی آوازین نکل رہی تھین، مگر کیا مجال کہ

ہاتھ رک جائے، بالآخر اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں سخت تکلیف اٹھانا پڑی، اور کئی روز تک خونی پیچش میں مبتلا رہے، اسکے بعد اکثر بطور مذاق کے کہا کرتے "تمہارے زندوں میں کچھ پڑے ہوئے تھے جنھوں نے مجھے کاٹ کھایا تھا!"

استاذی حضرت سید رشید رضا صاحب قبلہ ہندوستان کی جہان اور بہت سی تعریفیں کیا کرتے تھے انہیں اسکے لذیذ کھانوں کا تذکرہ بھی بڑی رطب اللسانی سے فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد کیا "جو زرد زرد چاول (مزعفر سے مراد ہے) مین نے "علی محمد خان" (راجہ صاحب محمود آباد) کے یہان کھائے تھے وہ ابتک مجھے نہیں بھولتے، اگر تم سے ممکن ہو سکے تو پکاؤ" لیکن افسوس ہے کہ ہم اس میدان کے مرد نہ تھے

کھانے کا طریقہ - شہری باشندے عموماً میز کرسی پر کھانا کھاتے، اور فرش پر بیٹھنا صرف معیوب ہی نہیں بلکہ تعجب انگیز سمجھتے ہیں، حضرت سید صاحب قبلہ اکثر فرمایا کرتے تھے، ہندوستان میں مجھے یہ دیکھکر بڑی مسرت ہوئی کہ ہندوستانیوں نے عرصہ دراز سے مغربیوں کے زیر اثر ہونیکے باوجود بھی بہت کچھ اپنے قومی اخلاق و عادات اور مراسم کو برقرار رکھا ہے، اور ابتک ان پر مضبوطی سے قائم ہیں، جن سے یقین ہوتا ہے کہ وہ فنا ہونیوالی قوم نہیں ہیں، جب میں انکے بڑے بڑے امرا کو فرش پر دسترخوان پر بچھائے ہوئے دیکھتا تھا تو مجھے از حد خوشی ہوتی تھی، (ناظرین ذرا اس مضمون پر غور کریں)

چھری کانٹے کا رواج مغربی تہذیب کے شیدائیوں میں عام ہے، لیکن بیچارہ عوام الناس ہاتھ ہی سے کھاتے ہیں، البتہ چاول ہر طبقہ میں چمچے ہی سے کھائے جاتے ہیں، اور چاہیئے بھی یہی، برتن عموماً چینی، تانبے، چینی، اور شیشہ کے ہوتے ہیں، مٹی، تانبے اور پیتل کے برتنوں کا رواج مفقود ہے، البتہ تانبے کے بڑے بڑے برتن مثل پتیلیاں وغیرہ ہوتی ہیں، کھانا عام طور پر پتھر کے کوئلوں یا پٹرول پر پکتا ہے کیونکہ لکڑی از حد گران ہونیکی وجہ سے ایندھن کے کام نہیں بلکہ صرف کوئلے سلگانے کے کام آتی ہے، بعض ناواقف ہندوستانی مصر کو ہندوستان پر قیاس کر کے لکڑی کا استعمال کر کے گرانقدر مصارف برداشت کرتے ہیں

اور پھر چند روز مین گرانی کی شکایت کرتے ہوے مصر کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوتے ہین،

ہندوستان کی مانند مصری شہرون مین گھر گھر کھانا پکانے کا دستور نہین ہے، تقریبًا سب لوگ ہوٹلون مین کھاتے ہین، حتی کہ عورتین تک بازار ہی کے بھروسہ پر ہوتی ہین، لیکن دوکانون مین بیٹھکر کھانا کھانا اُنکے حق مین سخت معیوب سمجھا جاتا ہے اسلئے وہ مکانون پر طلب کرلیا کرتی ہین، عورتین روٹیون کا تو انتظام عمومًا گھرون ہی مین بطور خود کرلیتی ہین، جسکی صورت یہ ہوتی ہو کہ آٹا گوندہ کر اور روٹیان بنا کر باورچی خانہ سے با جرت پکوالیتی ہین، روز کا روز نہین بلکہ ہفتہ عشرہ کا بندوبست ایک ساتھ کرلیتی ہین، امرا اور زیادہ گرست لوگون کے یہان روزانہ کھانا پکتا ہے، اور شوہر دار عورتین ہر شب جمعہ کو گوشت ضرور پکاتی ہین، جسکی وجہ کبھی آیندہ بیان ہوگی۔

عبدالرزاق ندوی

ادبیات

سخن حبیب

از مولانا حبیب الرحمن خان شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ

بر طرح خواجه حافظ شیرازی

حیات تازه خیالِ لبت تمنّا را　　　نوید عیش بهار رخت تماشا را

نگاه گرم نتابد بعذار گلگونش　　　مگر بخواب به بینم جمال رعنا را

بجان شوق زنی آتشے ز تابشِ حسن　　　بچشم مهر فزائی روانِ تمنا را

نتاب جلوه کند تا نگاه در آمد هوش　　　بنور باده برافروخت روی زیبا را

شکسته رنگ گلستان بهار رخسارت　　　لب چو لعل تو در خون نشاند صهبا را

فغان که آن بت شنگول هوش سرمست　　　بجلوهٔ شیوه از حبیب شیدا را

کشیم منت بخت بلند خود روزے　　　که در کشیم ببر آن بلند بالا را

ز شور سینه تو گشت عیش شیرین تلخ　　　نتاب زلف تو تارست روز لیلی را

دم کلام چو تنگ نبات بگشائی　　　شکر بکام کنی طوطی شکر خا را

دلم بساغر و مینا نمی کشد حسرت　　　که برد نرگس مستانه ز خود ما را

کلامِ گرامی

از جناب گرامی شاعرِ خاص حضور نظام دکن

پنهانم و پیدایم کیفم بشراب اندر　　　پیدایم و پنهانم داغم بکباب اندر

دیباچهٔ بودم هیچ انگیز وجودم هیچ　　　مضمون خیالم من پیچیده بخواب اندر

آن نکتہ کہ عارف را آورد بوجد این است
جان است بجسم اندر دریا بحباب اندر

از موسی من می پرس از غیر چہ می پرسی
شوقم بسوال اندر ذوقم بجواب اندر

رمزیست حکیمانہ می خوانم و می رقصم
خوابست بمرگ اندر مرگست بخواب اندر

در کشمکش لائیم در جذبہ الائیم
ہیچیم و ہمہ مائیم چون عکس بآب اندر

دیدیم گرامی را در خلد برین امشب
ابلہ بہ بہشت اندر دانا بعذاب اندر

غزل جدید

از مولانا آزاد سبحانی شیخ الجامعۃ الالٰہیۃ

نقطۂ اوج تمام پر ماہِ تمام آ گیا
یعنی وہ چاند حسن کا بر سرِ بام آ گیا

شکر ہے زیرِ احتساب آ گیا نام شیخ بھی
مشربِ اہلِ جام میں منکرِ جام آ گیا

پرسشِ لطفِ ظاہری حائلِ مدعا ہوئی
دامِ فریبِ یار میں عاشقِ خام آ گیا

لائقِ امتحان نہ تھا میں کہ تھا بے دل و جگر
جذبۂ شوقِ امتحان وقت پہ کام آ گیا

موقعِ امتحان سے قبل دعویِ امتحان غلط
کانپ اٹھا ہوں جب کبھی جور کا نام آ گیا

حاصلِ سعیِ راہِ عشق آج ہے نقدِ جیبِ دل
جانِ حزیں کی مانگ ہے پہنچے پیام آ گیا

کسکو تھی تاب میکشی ہوتے در بند میکدے
نیتِ اتقا کرو ماہِ صیام آ گیا

غزل جدید

جناب مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی

اس سے دیکھتا ہوں جو نگہ ہی تم نا قابل ہے
تمنا آپ ہی دریا ہر کا بجلی میں پایاں ہے

مٹانے کو مٹا ڈالا مگر دونوں کو مشکل ہے
کہ پہلے ایک ہی تھا اب ہر اک ذرہ نیا دل ہے

نقاب اٹھو گے تم اور دیکھ لینگے دیکھنے والے
یہ وہ باتیں ہیں جنکا کوئی قائل تھا نہ قائل ہے

رگون کا اینٹھنا ہی نزع مین تمہید آزادی — قریب ختم اب میعاد پابند سلاسل ہے

نقاب رخ الٹتے ہین وہ دل کے داغ مٹتے ہین — طلوع مہر ہے اور ڈوبتے تارون کی محفل ہے

اسیکو حشر کہتے ہین جہان دنیا ہو فریادی؟ — یہی اے میر دیوان جزا کیا تیری محفل ہے

مری بیتابیون سے تم بہت ناراض رہتی تھے — لحد تک اب چلے آؤ کہ ساکن مضطرب دل ہے

شکایت بے نیازی کی کسی مدہوش سے کرنا — مگر اس رنگ مین ڈوبا ہوا خود میر محفل ہے

مکان مین یون مکین ہوتا ہی جذب ای جذبۂ الفت — جو پہلے رہنے والا دل کا تھا اب آج وہ دل ہے

یہ ذرے خاک دل کے سیکڑون عالم بنا مین گے — اسی دنیا مین ہین دنیا مگر خود ان مین داخل ہے

نگاہ ناز جس دن تسلیم مین فرمانروا ہو گی — وہان برق تجلی کیا سراسر خط باطل ہے

نہین عذر بزاکت جان بلب اک کشتۂ حسرت — نہ تم جانیکے قابل ہو نہ وہ جینے کے قابل ہے

شکنجہ مین فلک نے کس دیا ہے غم نصیبون کو — مریں کیونکر کہ اب دم توڑنا بھی سخت مشکل ہے

فلک ہو یا ستارے حشر تک اک راز مین دونون — یہ چھینٹین ہین لہو کی اور وہ دامان قاتل ہے

بہار اسکی چمن اسکا شراب اسکی سرور اسکا — کہ دست شوق جسکا تیری گردن مین حمائل ہے

رگون کو توڑ کر اس نے نگاہین اپنی دوڑا دین — ازل مین مجھکو شکوہ تھا کہ محروم خلش دل ہے

سلام آخری ہے ساکنان کوچۂ جانان — ہماری اور منزل ہے تمہاری اور منزل ہے

سنو ٹوٹی ہوئی قبرون سے پچھلی داستانون کو — جہان خاموشیان کرتی ہین باتین یہ وہ محفل ہے

امید فاتحہ کیا ہو وہان تک کون پہنچیگا — دیار عشق مین تربت مری پایان منزل ہے

نثار اس رسم غمخواری کے شرمانے سے کیا حاصل — سرہانے بیٹھنے والے ترا بیمار غافل ہے

ردائے کعبہ کے ہر تار سے خون آج ٹپکیگا

عزیز آمادہ فریاد زخم پردہ دل ہے

مطبوعاتِ جدیدہ

حالات حسرت، انجمن اعانت نظربندان اسلام دہلی نے مولوی سید فضل الحسن حسرت موہانی کے آغاز زندگی سے اسوقت تک کے تمام حالات اس رسالہ مین جمع کرکے شایع کئے ہین تکمیل تعلیم کے بعد سے آج تک انکی سیاسی زندگی جیسی کچھ رہی ہے اسکو تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے، حسرت کے سوانح حیات مین پابندی اصول، حریت خیال اور استقلال عمل کے جو حیرتناک واقعات ہین وہ اخلاقی حیثیت سے ہمارے نوجوانون کی عملی زندگی کے لئے شمع راہ بن سکتے ہین، استبداد و حریت کی معرکہ آرائی کے مناظر یہان انکو جس کثرت سے مل سکتے ہین وہ اور کہان نظر آسکتے ہین، ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان ان ہمت افزا اور جرارت آموز اسباق کو پڑھکر عملاً ازبر کرلین، رسالہ کی لکھائی چھپائی بہت صاف اور اچھی ہے، صفحہ ۴۰ قیمت ۴ر صدر دفتر انجمن اعانت نظربندان اسلام فتحپوری دہلی سے طلب کیجئے۔

جان کی دشمن مکھی - مولفہ مولوی محمد اسد اللہ صاحب حیدرآبادی علیگ، جسکو سائنٹفک سوسائٹی علیگڈھ کالج نے شایع کیا ہے، اس رسالہ مین مولف نے نہایت کاوش سے مکھیون کے حالات انکے توالد و تناسل اور انکی ساخت پر علمی بحث کی ہے، اور سب سے ضروری یہ کہ مکھیون کے ذریعہ سے جو مہلک جراثیم و امراض متعدی ہوتے ہین، انکو بہ تفصیل بیان کیا ہے، تعدیۂ امراض، انتقال جراثیم، مکھی کی قے اور فضلہ، تپ لازم اور دیگر وبائی امراض کے اسباب پر تفصیلی بحث کیگئی ہے، جابجا امریکہ، جاپان، وغیرہ کے مشہور اطبا کی رائین نقل کی ہین، اور اخیر مین مختلف قسم کی ادویہ نیز وبائی اور مکھیون کے ذریعہ سے جو امراض پہنچتے اور بڑھتے ہین ان سے بچنے کی تدبیرین بتائی گئی ہین، طرز ادا سادہ اور دلپسند ہے صحت عامہ کی حفاظت اور آبادی کی آب و ہوا اچھی اور صحت بخش بنانے کے لئے اس قسم کے رسالون کی اشاعت بہت مفید ہے، مولوی محمد اسد اللہ صاحب کا شکرگذار ہونا چاہیئے کہ انھون نے اس رسالہ کی

اشاعت سے ہندوستان کی غافل پبلک کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، صفحہ ۴۸، قیمت ۸ر، سائنٹفک سوسائٹی ایم اے او کالج علی گڈھ سے طلب کرنا چاہیئے۔

مذہب اور تلوار، مخالفین اسلام کا یہ مشہور اعتراض ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا مختلف حیثیتون سے بارہا اسکا جواب دیا جاچکا ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ اب اعتراض وجواب دونون اسدرجہ عام اور پامال ہوگئے ہین کہ اب انکی طرف توجہ کرنا بھی تضییع اوقات ہے، لیکن جناب مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے اس رسالہ مین ایک خاص اصول کو پیش نظر رکھکر اس مسئلہ پر بحث کی ہے، مصنف نے اس رسالہ مین ثابت کرنا چاہا ہے کہ اسلام کی اشاعت براہین، دلائل اور اسکی حقانیت کی بدولت ہوئی مال ومتاع کے لالچ یا قوت اور تلوار کے خوف سے نہین، اس اصول کو تاریخ کی روشنی مین علانیہ ثابت کرنیکی کوشش کیگئی ہے، زیادہ تر تاریخی واقعات وہی ہین جو ہندوستان کے آغاز اشاعت سے متعلق ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے خاص طور پر ہندوستان مین اسلام کی آغاز اشاعت کے اسباب پر توجہ کی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ ہندوستان پر مسلمانون کے حملہ کرنیکے کیا اسباب پیش آئے، تاریخی واقعات کے بیان اور انسے اخذ نتائج کی نسبت صرف اسقدر کہنا ہے کہ اگر واقعات کے صرف انہین حصون سے بحث کیجاتی جنکا تعلق براہ راست اشاعت سے ہے تو مضمون اور زیادہ صاف اور واضح ہوجاتا، بہرحال جو کچھ بھی لکھا گیا ہے بہت غنیمت اور قابل داد ہے، تقطیع چھوٹی، صفحے ۸۰، قیمت ۶ر، مینجر عبرت نجیب آباد سے طلب کرنا چاہیئے۔

کلمات طیبات، منشی شرف الدین احمد خانصاحب مترجم "خطوط از جہنم" نے اس رسالہ مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقولون اور چھوٹے چھوٹے حکیمانہ جملون کو جمع کیا ہے، ہر جملہ کے نیچے اردو اور انگریزی مین اسکا ترجمہ بھی لکھدیا ہے، اسمین شک نہین کہ سلف صالحین کے مقولون کی اشاعت وترویج مختلف حیثیتون سے مفید اور کارآمد ہے، لیکن اسکا لحاظ ہمیشہ رکھنا چاہیئے کہ جن جملون اور مقولون کو کسی بزرگ کی

طرف منسوب کیا جاتا ہے، وہ حقیقتہً اُنکے ہین بھی یا نہین، ہر زبان مین عموماً اور عربی زبان مین خصوصاً بکثرت ایسے چھوٹے چھوٹے متفرق جملے موجود ہین جو مختلف اسلاف کی طرف منسوب ہین، حالانکہ عام محاورات اور روزمرہ کی بول چال سے زیادہ اُنکی حیثیت نہین، بہرحال مجموعۂ نصائح ہونے کی حیثیت سے یہ رسالہ بہر نوع مفید ہے، انگریزی اور اردو دونون ترجمے صحیح اور عمدہ ہین، تقطیع چھوٹی، صفحے ۵۲، مؤلف سے کھاری کوان، ریاست رامپور کے پتہ سے طلب کیجئے، قیمت غالباً ۴ر،

سیاحتِ زمین، جس طرح بعض فسانے اور قصص وحکایات کی کتابین اخلاقی اور معاشرتی ضروریات کو پیش نظر رکھکر لکھی جاتی ہین اسی طرح یورپ مین بعض خشک علمی مسئلہ کو دلچسپ اور عام فہم بنانیکے لئے ناول کا پیرایۂ بیان اختیار کیا جاتا ہے، جس سے ایک طرف تو خشک مضامین پرلطف و دلاویز بنجاتے ہین، دوسری طرف عام قصص کی صورت مین ہونے کے باعث ہر شخص کے لئے اسقدر آسان ہوجاتے ہین کہ کسی معمولی سے معمولی فہم کے انسان کے دماغ پر بھی وہ مضامین بار نہین ہوتے، اور دفعتہً بہت دقیق و باریک تاریخی فلسفیانہ اور جغرافی نکتے اسکے آگے حل ہوجاتے ہین،

سیاحت زمین بھی اسی قسم کا ایک فرانسیسی ناول ہے جسمین ایک شخص کے اسّی (۸۰) دن مین تمام کرۂ ارضی کے سفر طے کرنیکا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اسی سلسلہ مین جغرافیہ وریاضی کے چند مسائل بتائے گئے ہین، جو یقیناً ریاضی اور جغرافیہ کی کتابون مین خشک اور دقت طلب مسائل معلوم ہوتے، لیکن اس قصہ کے سلسلۂ بیان مین اسطرح ادا ہوئے ہین کہ ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے، یہ کتاب عربی ترکی اور فارسی زبانون مین ترجمہ ہوچکی تھی اب سید محمود اعظم فہمی صاحب نے اسکو فارسی سے اردو زبان مین منتقل کیا ہے چونکہ اس کتاب کا زمانۂ تصنیف وہ عہد ہے جب انگریزی حکومت تمام ہندوستان پر مسلط نہین ہوئی تھی، اسلئے ہندوستان کے جغرافیہ مین کسیقدر تساہل ہے، کتاب عام طور پر دلچسپ، پیرایۂ ادا بہتر، زبان صاف اور سلیس، مترجم کی محنت بہمہ وجوہ قابل داد ہے، لکھائی چھپائی عمدہ، تقطیع چھوٹی، صفحہ ۲۲۸، قیمت عمہ، پتہ: منیجر دائرہ ادبیہ، یحییٰ گنج، لکھنؤ۔

سردار علی

مجلد سوم	ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ مطابق جون ۱۹۱۹ء	عدد دوازدہم

محمد سردار علی
حیدرآباد دکن

مضامین

شذرات — مولوی عبدالماجد بی-اے — ۶۱۸ - ۶۲۳

معارف کے جدید تغیرات — " — ۶۲۴

مساجد اور غیر مسلم — جناب مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی

مصریوں کے علوم اور عمرانیات وتمدن — مولوی محمد سعید صاحب انصاری

تاریخ صحف سماوی

ادبیات، — اکبر، وحید، ثاقب لکھنوی، شفق عماد پوری، ابوالحسنات نیر ندوی

مطبوعات جدیدہ،

اطلاع ضروری

۱- اس نمبر پر تیسری جلد ختم ہوجاتی ہے، اسلئے آیندہ چوتھی جلد کا پہلا نمبر وی، پی حاضر ہوگا، جن صاحبون کو خریداری منظور نہو وہ یہ رسالہ پہنچتے ہی اپنے ارادہ کی اطلاع دیدین تو بہتر ہے،

۲- نئے سال سے چونکہ معارف مین ضخامت اور مضامین کی نوعیت وکثرت مین اضافہ ہوگا اسلئے بہت سے شائقین کے حسب مشورہ رسالہ کی قیمت للعہ رسالانہ کے بجاے صہ رسالانہ ہوگی اور ششماہی عہ،

۳- چونکہ معارف پریس مین ایک مشین کا اضافہ ہوگیا ہے اسلئے امید ہے کہ رسالہ اپنے وقت مقررہ پر اب سے بھی زیادہ پابندی کے ساتھ شایع ہوا کریگا،

۴- جلد سوم کی مکمل فہرست جو آٹھ صفحہ پر ہے اور جلد کا سرورق جولائی کے پرچہ مین شایع ہوگا اسلئے جلد سوم کی جلد بندی مین انتظار کیجیے

شذرات

ماہ گذشتہ مین علمی دنیا کے لئے سب سے اہم حادثہ یہ ہوا کہ کیمسٹری کے استاد اعظم سر ولیم کروکس نے وفات پائی، موصوف کا شمار اسوقت دنیا کے ممتاز ترین علماے سائنس مین تہا، اور ممالک برطانیہ مین تو یقیناً ان سے بڑے درجہ کا کوئی شخص اسوقت نہ تہا کیمسٹری مین ہیلیم کا عنصر انہین نے دریافت کیا تہا اسکے علاوہ انکے متعدد اکتشافات تھے، جدید اہل سائنس کے گروہ مین شاید وہ پہلے شخص تھے جو عالم "روحانیات" کے وجود کے قائل ہوئے۔

انکے چند ہی روز بعد یورپ کے ایک اور نامور فاضل ڈاکٹر پال کارس نے بھی انتقال کیا، ڈاکٹر موصوف کا مولد جرمنی تہا، لیکن مسکن امریکا تہا، وہ مشرقی فلسفہ و مذاہب کے عالم تھے، اور ہندو فلسفہ و مذہب سے انہین خاص شغف تہا، چنانچہ فلسفۂ گوتم بدھ وغیرہ پر انکی متعدد تصنیفات ہین، امریکا کا مشہور فلسفیانہ رسالہ مونسٹ انہین کی ایڈیٹری مین نکلتا تہا،

حال مین برطانیہ کی ممتاز ترین سائنٹفک انجمن، رائل سوسائٹی نے ہمارے ہموطن ایک ہونہار بنگالی محقق کو ۷۵ پونڈ یعنی سوا گیارہ سو روپیہ کا وظیفہ اس غرض سے عطا کیا ہے کہ وہ طبعیات مین اپنی مکتشفانہ تحقیقات کو جاری رکہین۔

شاعری کی دنیا مین ہم نے یہ بارہا سنا ہے کہ طوفان گرد وغبار مین اکثر سوار چھپا رہتا ہے، لیکن واقعات کے عالم مین یہ مجاز کبھی کبھی حقیقت بھی بنجاتا ہے، ۱۸۸۸ء مین مدراس کے ایک غریب برہمن خاندان مین ایک لڑکا رامانجن پیدا ہوا، بچپن ہی سے ریاضی سے طبیعت کو خاص مناسبت معلوم ہونے لگی، بارہ برس کے سن مین یہ حالت ہوگئی کہ ریاضی کے جو اساتذہ اسے درس دیتے تھے وہ اس شاگرد کی تشفی کرنا تو کجا خود اس سے درس لے سکتے تھے، میٹرک کا امتحان پاس کرکے یہ ہونہار فرسٹ ایر مین داخل ہوا وہان ریاضی مین اسقدر انہماک ہوا کہ امتحان کے وقت تمام دیگر مضامین مین ناکام رہا، اور سکنڈ ایر مین ترقی نہ مل سکی، دوسرے سال پرائیوٹ امتحان مین شرکت کی، لیکن ہر مضمون مین ناکامی ہوئی، فکر معاش ناگزیر تھی، ایک سرکاری دفتر مین ۲۵ روپیہ ماہوار کی نوکری کرلی، مگر ریاضی کے مہمات مسائل کا حل برابر جاری رہا، یہانتک کہ انگریز افسر اعلی کی نظر پڑی، اس نے بعض کاغذات یورپ بھیجدیئے، جواب مین لندن یونیورسٹی کے پروفیسر ہل نے نہایت فیاضانہ داد دی، اب مزید مسودات یورپ بھیجے گئے، انہین دیکھکر ماہرین فن دنگ رہ گئے، کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ہارڈی دکیلی نے بیحد مدح وتوصیف کی، بلکہ ایک صاحب نے تو یہانتک لکھدیا کہ نیوٹن کے بعد اس دماغ کا ریاضی دان اتبک نہین پیدا ہوا، پروفیسر ہارڈی نے اعتراف کیا کہ جو مسائل اسوقت تک یورپ کے علماء ریاضی کے نزدیک دشوار ترین تھے وہ اس شخص نے حل کردیئے ہین، ان حیرت انگیز اسناد کو دیکھکر گورنمنٹ مدراس نے دس ہزار کا وظیفہ دو سال کے لئے منظور کیا، کہ مسٹر رامانجن، کیمبرج مین رہ کر اپنے فن مین مزید کمال پیدا کرین، وہان کے اساتذہ نے ہاتھون ہاتھ لیا، اور وظیفہ مین ایک سال کی اور توسیع کرائی، چنانچہ یہ مدت ختم کرکے حال مین مسٹر رامانجن واپس تشریف لائے ہین، لیکن ایک دفتر کے کلرک کی حیثیت سے نہین بلکہ بحیثیت مسٹر رامانجن، فیلو ٹرنیٹی کالج، کیمبرج، و فیلو رائل سوسائٹی لندن، برطانیہ کے علمائے ریاضی وسائنس کے لئے رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہوجانا معراج کمال ہے

اور یہ مرتبہ ہمارے مایۂ ناز ہموطن کو ۳۰ سال کی عمر مین حاصل ہوگیا،

انجمن ترقی اردو سے یہ دوستانہ گلہ ہمین ہمیشہ رہا، اور اب بھی ہے کہ وہ "تحفظ" اردو کی مطلق کوشش نہین کرتی، اردو مین اعلیٰ مطبوعات کی تالیف و ترجمہ کی اہمیت مین کسکو کلام ہوسکتا ہے، لیکن اسکی بقا و قیام کی تدابیر اسکی ترقی کی تدابیر پر مقدم ہین، اگر اردو کا وجود ہی نہ باقی رہا تو یہ کتابین کسکے کام آئینگی، یہ کام اگر اُسکے فرائض مین داخل نہین تو اُسکے لئے ایک جداگانہ جماعت کو تیار ہونا چاہیئے

کئی برس ہوے الہ آباد مین ایک انجمن ورناکیولر سائنٹفک سوسائٹی کے نام سے قائم ہوئی تھی جسکے مقاصد یہ بیان کئے گئے تھے کہ سائنس کے مختلف مسائل پر ہندی اور اردو مین سلیس و عام فہم سالے شایع ہوا کرین گے، اور اسی نوعیت کے عنوانات پر دونون زبانون مین لکچرون کا سلسلہ بھی قائم رہیگا، سوسائٹی مذکور کا صیغۂ ہندی زندہ اور تندرست ہے، اسکے اعمال حیات کا تذکرہ اکثر اخبارات مین آتا رہتا ہے، لیکن صیغۂ اردو چند روزہ زندگی کے بعد صرف ایک رسالہ مفتاح الفنون شایع کرکے مردہ ہوگیا، اور شاید یہی نتیجہ ہونا بھی چاہیئے تھا۔

مسٹر برن، سی، ایس، آئی، اس صوبہ مین مستشرقانہ مذاق کے ایک مشہور علم دوست سولین ہین، ۱۹۱۶ء مین انکی کوشش سے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے نمونہ پر یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی قائم ہوئی جسکا مقصد صوبہ متحدہ کے متعلق ہر قسم کی تاریخی، اثری، اقتصادی و لسانی تحقیقات قرار پایا توقع یہ تھی کہ اسمین تعلیم یافتہ ہندوستانی بکثرت شریک ہونگے، اور اپنے وطن سے متعلق تاریخی معلومات مین اضافہ کرینگے، لیکن افسوس ہے کہ یہ توقع پوری نہین ہوئی، ابتک سوسائٹی کے ممبر زیادہ تر انگریز سولین ہی ہین،

اور سوسائٹی کی طرف سے جو سہ ماہی رسالہ (جرنل) نکلنا تجویز ہوا تھا، اسکے بھی ابتک کل دو نمبر شائع ہوئے ہین، اسمین بھی مضامین تقریباً سب انگریزون ہی کے قلم سے نکلے ہین، ہمارے انگریزی تعلیم یافتہ اہل وطن کے لئے مفید ملکی و علمی خدمت کا یہ بہترین موقع ہے، نادانی ہوگی اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے

جسٹس سید کرامت حسین مرحوم اپنی آخر عمر مین "عورت" کے متعلق ایک جامع و مبسوط تالیف کی تیاری مین مصروف تھے، چنانچہ جس روز کتاب کے آخری مسودات ختم ہوے، اسی روز روح نے بھی تن سے مفارقت کی، کتاب کا نام المرأۃ ہے، ضخامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مسودہ چھوٹی تقطیع پر مع اقتباسات و حوالہ جات کے دو ہزار صفحون سے زاید پر ختم ہوا ہے، کتاب کی تقسیم دو مختلف حصون مین ہے، حصۂ اول کا نام الحجاب ہے، اسمین تمامتر مذہبی حیثیت سے یہ بتایا گیا ہے کہ پردہ کے کیا معنی ہین، اور اسلام نے پردہ کی کیا تعریف قرار دی ہے، حصۂ دوم مین عقلی و سائنٹفک اصول پر مرد و عورت کے قوائے دماغی و جسمانی مین موازنہ کیا گیا ہے اور دونون کے حدود عمل کی تعین کیگئی ہے، مصنف مرحوم کے انتقال کے بعد یہ اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ جواہر ریزے ضایع ہوجائینگے لیکن مقام مسرت ہے کہ کتاب سر راجہ صاحب محمود آباد کے قبضہ مین آگئی ہے، گو یہ ضرور ہے کہ مسودات غیر مرتب حالت مین ہین، اور اشاعت سے قبل انکی کافی تصحیح و نظر ثانی کی ضرورت ہے، بلکہ شاید درمیان سے کچھ اجزاء غائب بھی ہین، راجہ صاحب موصوف کی علم دوستی سے توقع ہے کہ کتاب کی اشاعت صرف اسی صورت مین پسند فرمائین گے جو مصنف محترم کے پایۂ علمی کے شایان شان ہو

ہندوستانی علمائے سائنس مین سر جے سی بوس پہلے شخص ہین، جنکی شہرت کے نقارے یورپ و امریکہ کی تمام یونیورسٹیون مین بج رہے ہین، انکے بعد دوسرے نمبر پر کلکتہ کے ایک اور نامور

سائنس دان سر پی، سی رائے ہین، پروفیسر موصوف کا خاص مضمون کیمسٹری ہے، اس فن پر انکی متعدد تصانیف ہین، اور انکے اجتہادات واکتشافات کی داد یورپ بار ہا دے چکا ہے، حال مین برطانیہ کے مشہور ترین سائنٹفک ہفتہ وار، نیچر مین انکے کارنامون پر ایک مقالہ افتتاحیہ (لیڈنگ آرٹکل) ایک نامی وگرامی استاد فن، سر ای، تھارپ کے قلم سے نکلکر شایع ہوا ہے، کاش اہل مغرب سمجھین کہ مشرق نے جن علوم وفنون مین انکی شاگردی کی ہے، ان مین ہمیشہ اسکی حیثیت محض شاگردانہ نہین رہ سکتی

اپریل کے تیسرے ہفتہ مین ہندی کانفرنس کے دو بڑے جلسے منعقد ہوے، ایک ممالک متوسط کی صوبہ وار ہندی کانفرنس کا جلسہ کھنڈوا مین، اور دوسرا آل انڈیا ہندی کانفرنس کا بمبئی مین پنڈت مالوی جی کی زیر صدارت، اخبارات کی روایت ہے کہ دونون جلسون مین مسلمانون نے بھی شرکت کرکے اس تجویز کی تائید کی، کہ ملک کی عام ومشترک زبان ہندی ہونا چاہیئے، بعض احباب کو اس خبر پر یقین نہین آتا، لیکن اگر جامع مسجد دہلی کے منبر پر پنڈت ... وعظ فرما سکتے ہین تو اسمین کیا استبعاد ہے، کہ مولوی ... "ہندی پرچار" پر "اپدیش" دین، بچے جب جھنجھلاتے ہین تو اپنے کھلونے توڑ ڈالتے ہین، یا اپنے کپڑے پھاڑنے لگتے ہین، مسلمان بھی اسوقت اگر گورنمنٹ سے جھنجھلاکر اپنی قومی ہستی کو مٹا دینے پر تلے ہوئے ہین تو انہین دنیا کی کوئی قوت نہین روک سکتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اردو کے مقابلہ مین ہندی کی ترویج وتعلیم ملکی ولسانی حیثیت سے بھی سخت مضر وقابل اعتراض ہے، ہندی اس عہد کی پیداوار ہے جو ہندوون کے تمدن سے بھی قبل تھا، اور جسکی ترکیب وسرشت مین صرف ہندو تمدن کا اثر پڑا ہے، وہ بھی ایک معمولی حد تک، بخلاف اسکے اردو عرب وعجم، ہندویونان، ایران وترکستان کے تمدنون کا عطر ہے، اور اسلئے قدرتی طور پر بمقابلہ ہندی کے بدرجہا بہتر آلۂ تعلیم ہوسکتی ہے۔

رڈیارڈ کپلنگ، اسوقت ایک مشہور انگریز اہل قلم ہے، کچھ عرصہ ہوا اسے امریکہ جانے کا اتفاق ہوا وہان ہوٹل مین اسکے بکس سے کچھ چیزین نکل گئین، وطن پہنچکر اُس نے مالک ہوٹل کے نام خط لکھا کہ اس نقصان کا تاوان ادا کرے، اسکا کچھ جواب نہ پاکر اس نے دوسرا خط اسی مضمون کا ذرا درشت و ناملائم الفاظ مین لکھا، اسکا بھی کچھ جواب نہ آیا، چند روز کے بعد اتفاق سے پھر اُسے امریکہ کا سفر درپیش آیا، ابکی اس نے اسی ہوٹل مین جاکر زبانی دریافت کیا، مالک ہوٹل نے سخت تاسف کے ساتھ کہا کہ آپ نے ناحق خود زحمت گوارا کی آپکے خطوط سے میرا خاص نفع تھا آپکا پہلا خط لوگون نے یہان ۲۵ ڈالر (تقریباً اسی روپیہ) کو خرید کرلیا، اور دوسرا پچاس ڈالر اسکے مضاعف قیمت پر"!

ہندوستان مین اگر مصنفین کی اتنی قدر ہوجاے تو ہوٹل والے بجز انکے شاید اور کسی کو بھی اپنے یہان نہ قیام کرنے دین!

معارف کے جدید تغیرات

(۱) معارف کے کسی گذشتہ رسالہ مین ہم نے ناظرین کو اطلاع دی تھی کہ نئے سال سے معارف مین نئے سامان نظر آئین گے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ معارف کی ضخامت بڑھا دیجائیگی، ابتک رسالہ ساڑھے تین جزء پر شایع ہوتا تھا، اب آیندہ کم از کم پانچ جزء پر شایع ہوگا، اور اگر حالات نے اجازت دی تو انشاء اللہ اسکا ہر نمبر ۸۰ صفحہ پر شایع ہوگا۔

(۲) چونکہ رسالہ کی ضخامت بڑھجائیگی اسلئے اسکی جلد ۶ نمبرون پر ختم کیجائیگی۔

(۳) مضامین کے لحاظ سے جدت خاص یہ ہوگی کہ شذرات مین ہر مہینہ کے اہم علمی حوادث کے متعلق تبصرہ ہوگا، اسکا اندازہ پچھلے چند مہینون کے شذرات سے آپ کر رہے ہونگے کہ اسکی نوعیت کیا ہوگی، مقالات وغیرہ کی سرخیون کے نیچے مشرقی و مغربی علوم و مسائل خصوصاً یورپ کی جدید

پر تحقیقات وسائل وعلوم ونظریات پر محققانہ مضامین ہونگے، سائنٹفک اور فلسفیانہ مضامین جو یورپ کے اہم ترین رسائل کے نچوڑ اور عطر ہونگے، اور مشاہیر اہل قلم کی کوششون کے نتائج ہونگے پیش کئے جایئن گے، ریویو اور تنقید کا حصہ خاص طور سے اہم ہوگا جسمین نہایت سنجیدگی متانت اور وسعت نظر کے ساتھ ماہانہ اردو مطبوعات پر تبصرہ ہوگا، یورپ اور امریکہ کے تمام علمی رسائل کا ماہوار خلاصہ درج کرنیکی کوشش کیجائیگی، مشرقی علوم کے متعلق بھی معارف اپنا فرض فراموش نہین کریگا، اکثر نمبرون مین سیر العلم یا دنیا کی علمی رفتار کے نام سے ہر مہینہ کے اکتشافات وایجادات ونظریات علمی کی خبرین درج کیجائینگی،

غرض معارف کا ہر نمبر، ہر مہینہ کی علمی ترقیون کا آئینہ ہوگا جسمین ہر پڑھنے والیکو یہ نظر آجائیگا کہ دنیا کی علمی سطح روزانہ کسقدر بلند ہورہی ہے اور اُسکی ترقی کی رفتار ہر مہینہ مین کسقدر تیز ہے -

(۴) بہترین علمی مضامین پر معارف کی طرف سے مضمون نگارون کو معاوضہ دیا جائیگا، اندراہ عنایت اسکے لئے نوآموز اور نومشق اصحاب قلم کوشش نفرمائین،

(۵) کیا ان حالات مین ہمارے شائقین اجازت دینگے کہ معارف کی سالانہ قیمت للعہ ر کے بجائے صہ کردیجائے، اور اسکی توسیع اشاعت کے لئے جسکی ہم نے عام رسائل کی رسمی ودرخواستون کی طرح کبھی تحریک نہین کی، اُن سے کوشش کی توقع کیجائے، بغیر آمدنی مین اضافہ ہوئے ان کثیر مصارف کو رسالہ برداشت نہین کرسکتا، اگر ہمکو کسی اچھے رسالہ کی ضرورت ہے جو ہماری زبان کی وقعت وحیثیت کے مطابق ہو تو یہ خفیف اضافۂ مالی امید ہی کہ ان پر گران نہ گذریگا،

مقالات

مساجد اور غیر مُسلم

(۲)

یہی وجہ ہو کہ "ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ کے جملہ مین حرف تعلیل نے شارحین کو مشکلات مین ڈال دیا۔ بعضون نے کہا "حق التعبیر حذف حرف التعلیل" اور قاضی زادہ کہتے ہین کہ اسکی ضرورت نہین۔ بلکہ یہ خود ایک دلیل مستقل عقلی ہے اور چونکہ اس سے پہلے نزول وفد ثقیف کا ذکر کیا گیا ہے، اور اسپر یہ شبہ وارد ہو سکتا تھا کہ "کیف انزلھم فی مسجدہٖ وھم کفار وقد وصفھم اللہ بکونھم نجساً" ؟ تو مصنف نے اس کا جواب دیا کہ "ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ لیکن اس تشریح کی سیاق عبارت سے تائید نہین ہوتی، کیونکہ سلسلہ عبارتِ ہدایہ یون ہے "ولنا ما روی أن النبی علیہ السلام انزل وفد ثقیف فی مسجدہ وھم کفار ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ پس "ولان الخبث" مین عطف اور تعلیل کا ہونا اسکو "ولنا" کے سلسلہ مین جوڑ رہا ہی، اگر یہ کسی اعتراض مقدر و محذوف کا جواب ہوتا تو عطف و تعلیل کا کیا موقعہ تھا؟ اصل یہ ہے کہ ان تمام کاوشون کی کچھ ضرورت نہین۔ بات وہی ہی جو اوپر بیان کی گئی، صاحب ہدایہ کی نظر شافعیہ کے دلایل پر نہ تھی، اس لیے انہون نے اپنے قیاس سے انکی تعلیل بالنجاسۃ کو نجاست جسمی وجنبی پر محمول کیا، اور اسکو نقل کرکے پھر اسی سلسلہ مین جواب دیتے ہوے کہا "ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ یعنی جب نجاستہ نجاستہ اعتقادی ہی تو اسکی بنا پر ممنوع کیون ہو؟ لیکن چونکہ امام شافعی کی یہ دلیل ہی نہین ہی اس لیے اس کا یہ جواب بھی نہین ہو سکتا، البتہ عام مساجد مین دخول کے جواز کے لیے یہ صحیح تعلیل ہے اور دلیل کا کام دے سکتی ہے۔

فلا یقربوا المسجد الحرام کے متعلق ایک پانچوان مسئلہ اور باقی رہگیا، یعنی مسجد حرام سے مقصود کیا ہے؟ صرف عمارتِ کعبہ یا اور بھی کچھ؟ تو اگرچہ ایک جماعۃ اس طرف گئی ہی کہ مقصود صرف حاطۂ مسجد ہے

لیکن جمہور کا مذہب یہ ہی کہ "مسجد حرام" سے مقصود تمام حرم ہی۔ اور یہ از قبیل اطلاق اسم جزو بر کل ہی جسکے نظائر خود قرآن مین موجود ہین، مثلاً سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی" مین بالاتفاق مسجد حرام سے مقصود مکہ معظمہ ہے نہ کہ نفس مسجد، کیونکہ معلوم ہی کہ اسریٰ کا معاملہ آپ پر جب واقع ہوا تو آپ اُمّ ہانی کے مکان مین تھے، نہ کہ مسجد حرام مین، اور اسی طرح مسجد اقصیٰ سے مقصود بیت المقدس ہے نہ کہ صرف ہیکل، عطا، کا قول حافظ ابن کثیر نے تفسیر مین نقل کیا ہے "الحرم کلہ مسجد" باقی رہی مدینہ منورہ کی حیثیت شرعی کہ وہ حرم ہے یا نہین ؟ تو گو بعض فقہا اس طرف گئے ہین کہ مدینہ مثل مکہ کے حرم نہین لیکن فی الجملہ اس کے حرم ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور حق وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ وجمہور کا مذہب ہی کہ مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہی اپنے تمام احکام وخصائص مین۔ دلیل اسکی ایک سے زیادہ احادیث صحیحہ مرفوعہ ہین، از انجملہ حدیث علیؓ عند بخاری ومسلم وحدیث ابن ابی وقاصؓ وانس بن مالکؓ وجابر بن عبد اللہؓ وابی ہریرہؓ وغیرہم، حافظ نووی شرح مسلم مین لکھتے ہین هذا الحديث صريح في الدلالة لمذهب مالك والشافعي واحمد والجماهير في حرم صيد المدينة وشجرها لما سبق، وخالف فيه ابو حنيفة وقد ذكرها هنا مسلم في صحيحه تحريمها مرفوعاً عن النبي صلعم من رواية علي وسعد بن ابي وقاص وانس وجابر وابي هريرة وعبد الله بن زيد ورافع بن خديج وسهل بن حنيف وذكر غيره من رواية غيرهم ايضاً۔ فلا يلتفت الى من خالف هذه الاحاديث الصحيحة المستفيضة" ا ھ (مسلم مع نووی مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۴۱) یعنی یہ حدیث صریح ہے امام شافعی اور مالک اور احمد کے مذہب کی تائید مین کہ مدینہ کے لیے بھی حرم ہے، البتہ امام ابو حنیفہ نے اسکی مخالفت کی اُنکے نزدیک مدینہ حرم نہین، اور مسلم نے مدینہ کی تحریم پر استدلال کیا ہی احادیث مرفوعہ سے جو حضرت علیؓ، سعدؓ، انسؓ، جابرؓ، ابو ہریرہؓ، عبد اللہ بن زیدؓ، رافعؓ اور سہل بن حنیف کی روایات سے ثابت ہین اور مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ نے اور راویون سے بھی احادیث

نقل کی ہین۔ پس جب اس بارے مین اس قدر روایات موجود ہین تو اُس شخص کی بات پر کان نہ دھرو جو ان احادیث صحیحہ و مستفیضہ سے مخالفت کرتا ہی۔ انتہی۔ اور ان نصوص سنۃ کو صرف اس قیاس بحت کی بنا پر رد کر دینا کہ مقصود حرمت سے حرمت تعظیمی ہے نہ کہ تشریعی (جیسا کہ تورپشتی اور صاحب مرقات وغیرہما نے لکھا ہے) تو یہ صریح نص شارع کو رد کر دینا ہے محض قیاس و راے سے اور ابداً مسموع نہین، اور ایسطرح حدیث ابو عمیر عند مسلم سے استدلال، سو اوّل تو وہ مفید عدم تحریم نہین ثانیاً دونون مین یون توفیق ہو سکتی ہے کہ احادیث ناطق حرمۃ موخر ہین حدیث ابو عمیر سے، یا ابو عمیر کی حدیث مخصص ہے اور تخصیص سے عدم تحریم لازم نہین آتی، قالہ الشوکانی فی النیل۔ پس جب مدینہ کے لیے بھی حرم مثل مکہ کے نصاً ثابت ہوا۔ اور منجملہ احکام حدود حرم کے منع جواز دخول غیر مسلم ہی، تو معلوم ہوا کہ فلا یقربوا کے حکم مین مدینہ بھی داخل ہے اور مدینہ مین بھی غیر مسلمون کا داخل ہونا کسی حال مین جائز نہین، وھذا ھو الحق الصریح الذی لا یرتاب فیہ،

(۱۲)

ایک ضروری ٹکڑہ اس مسئلہ کا اور رہ گیا، یعنی مساجد مین غیر مسلمون کا داخل ہونا مطلقاً جائز ہے، یا مسلمانون کی اجازت کے ساتھ مقید ہے؟

گذشتہ صفحات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرۃ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے مسلمانون کے اِذن کی ضرورت نہین۔ لیکن امام شافعی وغیرہم ائمہ کے نزدیک مسلمانون یا مسلمانون کے امام کی اجازت و طلب کے بغیر جائز نہین، "ولا یتوقف جواز دخولہ علی اذن مسلم عندنا" (اشباہ والنظائر) اور اصح اور مصالح شرعیہ سے اوفق مذہب امام شافعی ہی کا ہے، چنانچہ اسی لیے اس تحریر کے عنوان مین "مسلمانون کے اِذن" کی قید لگا دی گئی ہے، ممکن ہے کہ حضرۃ امام ابو حنیفہ کے زمانے مین اس قید کی ضرورت نہو، جبکہ اسلامی حکومتین غالب حصۂ ارض پر قایم تھین اور

غیرمسلم ہماری مسجدون مین حاکمانہ اورمساویانہ اقتدار کیساتھ داخل نہین ہوسکتے تھے بلکہ بحکم وَهُمْ صَاغِرُوْنَ محکومانہ اور مغلوبانہ۔ مگراب ہماری حالت خصوصاً ہندوستان مین دوسری ہی۔ اورہم کو صرف مسائل کے ایک ہی پہلو پر نظر نہین ڈالنی ہے بلکہ ہرطرف نظر دوڑانی اور صدہا پہلوؤن کا تحفظ کرنا ہے۔ اگرآج مسلمانون کے اذن وطلب ورضا کی قید نہین لگائی جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کل کو باہمی مخالفت وناچاقی کے زمانہ مین اس نظیر سے مخالفانہ فائدہ اُٹھایا جاے گا، اور غیرمسلمون کی ایک مخالف جماعة مسجد کی بے حرمتی اور نمازیون کی ایذا وضرر کے لیے مسجدون مین بے تامل داخل ہوجائے گی۔ اور اس طرح مسلمانون کی عبادت گاہین ہمیشہ کے لیے ہندوستان مین بے پناہ ہوجائین گی، بلاشبہ ایسا تو نہین کیا جاسکتا کہ ہندوستان مین غیر مذاہب کے علایق اور اُن کی تلون مزاجیان دیکھکر ہم ایک فعل جائز اور فعل نبوی کو شرعاً ناجائز تبلادین اور اسکے صدہا برکات وفوائد کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلین۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ اصول شریعت اور آداب ووظائف افتا سے بے بہرہ ہے اور اسکو حق نہین پہنچتا کہ معاملات شرعیہ مین زبان کھولے، البتہ یہ ضروری ہے کہ قیام وبقاء احکام کے ساتھ وقت وحالات کے مقتضیات کی بھی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگر ایسا نہ کیا جائیگا تو پہلی صورت سے بھی زیادہ مضرتین لاحق ہون گی۔ پس اس مین شک نہین کہ جواز دخول کو اذن مسلم سے مقید کردینا نہایت ضروری اور احکام ومصالح شرعیہ سے اوفق ہے، اور بغیر اذن کے بلاشبہ عدم جواز کا فتویٰ دینا چاہیے یعنی جب کبھی مسلمانون کا کوئی پیشوا یا مسلمانون کی کوئی جماعت غیرمسلم یا غیرمسلمون کی کسی صلح پسند اور دوست وحلیف جماعت کو مقاصد صالحۂ ملک وملت سے مسجد مین بلاے، یا کم ازکم تقریراً انکے داخل مسجد ہونے پر راضی ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ وہ مجلس مین شریک ہوسکتے ہین۔ خطبات ومواعظ مسجد کو سن سکتے ہین۔ جماعۃ نماز کا منظر دیکھ سکتے ہین۔ اور ضرورت ہو تو غیر اوقات صلوٰۃ وجماعۃ مین جائز ومستحسن امور پر پوری آزادی سے تقریر بھی کرسکتے ہین، بلکہ خود مسلمانون کو چاہیے کہ حسب ضرورت

بحالت معاملات مشترکہ پر اُنسے مجالس مسجد مین مشورہ کرین اور انکی واقفیت وتجارب سے فائدہ اُٹھائین جس طرح حضرت عمر مجالس شوریٰ مین بعض اوقات غیر مسلمون کو خود بلاتے تھے اور ملکی معاملات پر اُن سے مشورہ کرتے تھے، مثلاً مسائل تشخیص اقسام زمین، وتعیین جزیہ، وتنظیم دفاتر، و دیوان ملکی اور بعض امور متعلق سواد عراق ومصر پر ذمیون کو بلانے اور مشورہ کرنے کے واقعات مندرجۂ فتوح البلدان وکتاب الخراج وطبری وغیرہ۔ لیکن بغیر مسلمانون کی اذن وطلب کے شرعاً جائز نہو گا کہ کوئی غیر مسلم مسجد کے اندر واخل ہو۔ اگر داخل ہو گا تو یہ مسلمانون کے مذہبی احکام مین مداخلت متصور ہو گی، اور قطع نظر مذہب ائمۂ ثلاثہ وجمہور کے خود احادیث باب پر غور کیا جاے تو ان سے بھی یہ کہان ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلمون کا دخول بلا اذن ورضاء امام ومسلمین مطلقاً جائز ہے؟ وفد ثقیف کو آنحضرت صلعم نے خود مسجد مین ٹھرایا اور وفد نجران کو خود آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ ثمامہ بن آثال کو مسلمان گرفتار کر کے لاے اور آپکے حکم سے مسجد مین باندھ دیا۔ پس ان روایات سے بھی ثابت ہوا کہ امام وقت یا مسلمانون کی طلب واذن سے غیر مسلم مساجد مین داخل ہوئے، اسی طرح آج بھی مسلمانون کو کرنا چاہیے۔ اذن کی قید کا ضروری نہ سمجھنا تو ایک طرح کی تفریط معلوم ہوتی ہی جسطرح مطلقاً منع مین تشدد وافراط ہے۔

(۱۳)

بعض اخبارات نے لکھا ہی کہ جب خود مسلمانون کے لیے جائز نہین کہ مسجد مین بلا طہارۃ داخل ہون تو ہندؤن کو بلانا اور بٹھانا کب جائز ہو سکتا ہے؟ چونکہ یہ خیالات ایسے لوگون نے ظاہر کیے ہین جنکی نسبت معلوم ہی کہ علوم دینیہ سے باخبر نہین، اسلیے اس بات پر چندان تعجب نہ ہوا لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمانون سے متعلق احکام پر غیر مسلمون کے احکام کو قیاس کرنا اور اس سے جواز وعدم جواز کا استنباط اس قدر سخت نادانی ولاعلمی کی بات تھی کہ یا تو اُس پر بہت زیادہ ہنسا جا سکتا ہے یا بہت زیادہ رویا جا سکتا ہے۔ تیسری حالت کوئی نہین۔ اوّل تو تمام کتب فقہ حنفیہ مین صاف صاف لکھا ہی "ولا یمنع من دخول المسجد جنباً بخلاف المسلم"، یعنی غیر مسلم اگرچہ

جنبی ہو مسجد مین داخل ہونے سے نہین روکا جائیگا، برخلاف مسلمانون کے کہ وہ احکام اسلامی کی تعمیل پر مجبور ہین اور انکے لیے بحالت جنابۃ داخل ہونا جائز نہین، ثانیاً خود مسلمانون کے لیے بھی مقیم وعابر کا جو فرق کیا گیا ہے وہ ان لوگون کو معلوم نہین "وقد جوزوا عبور عابر السبیل جنباً"، ثالثاً تمام شور و شغب کے لیے قاطع یہ ہو کہ غیر مسلم فروع مین مخاطب ہی نہین کہ انکی نسبت احکام طہارۃ کا سوال پیدا ہو، کما تقرر فی الاصول۔ اور یہ بھی طے پا چکا ہے کہ شرعاً غیر مسلم باعتبار ذات جسم کے پاک ہو اور لمس ومواکلۃ ومشاربۃ وغیرہ مین حکماً عام حالت طہارت جسم ولباس کی ہمارے لیے معتبر۔ اور مزید برآن معاملات طہارۃ جسم ولباس کی نسبت اگر غیر مذہبون کے مذہب مین احکام غسل وغیرہ موجود ہین، تو ہم ان کا ملنے جلنے اور معاشرۃ کے معاملات مین اعتبار کرین گے اور معلوم ہو کہ ہندوؤن کے یہان خود احکام غسل موجود ومعمول بہا ہین، حتٰی کہ اس بارے مین ان کا حال حدِ غلو وتشدد اور توہم پرستی تک پہنچ گیا ہو۔ پھر جب خود صاحب شریعۃ کا کفار عرب کو مسجد مین بلانا بلکہ بطور مہمان کے ٹھرانا ثابت ہو چکا ہو، حالانکہ مشرکین عرب ہندوستان کے ہندوؤن سے یقیناً زیادہ گندے اور بے احتیاط تھے اور اسی طرح اُس عہد کے رومن کیتھولک عیسائیون کو مسجد مین آنے دیا جن سے زیادہ گندی اور کثافت پسند قوم شاید ہی دنیا مین کوئی گزری ہو۔ تو پھر اب کسی مسلمان کے لیے کب جائز ہے کہ طہارۃ کی بناء پر اس معاملہ کو ناجائز بتلائے؟ کیا اُن مساجد و اہل مساجد سے بھی بڑھکر تمہارے ہندوستان کی مسجدین مقدس ہو سکتی ہین جنکے نسبت خود قرآن نے شہادت دی کہ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ؟ اور فرمایا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ یعنی بقول اصح اور حسب تفسیر ماثور مسجد نبوی نہ کہ مسجد قبا (کما ثبت عن ابی بن کعب مرفوعاً عند احمد، وعن ابی سعید الخدری عند مسلم، والترمذی والنسائی والبیھقی والحاکم وابن منذر وابی الشیخ وابن ابی شیبۃ وغیرھم) فیا للہ ویا للعقول! جس مسجد مقدس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ وطہارۃ پر پڑی جسکی دیوارین وحی الٰہی کا مورد ومہبط ہوئین اور جسکے نمازیون کی پاکی اوتھرائی

پرخود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی، وہ تو کفار عبدۃ الاصنام طائف کے نزول اقامتہ سے ناپاک نہین ہوئی اور
اللہ کے رسول نے انکو ٹھہرانے سے پہلے انکو غسل کر لینے کا حکم نہین دیا، لیکن آج ہندوستان کی مسجدین،
ہندؤن کے چار گھڑی قیام سے ناپاک ہوجائین گی، اسلیے کہ احکام اسلام کے مطابق وہ غسل وطہارۃ کر کے
نہین آتے! اگر موجودہ عہد کے علماء کی نقاہتہ افتاء کا معاملہ یہان تک پہنچ چکا ہی تو پھر بجز انا للہ وانا
الیہ راجعون پڑھ دینے کے چارہ نہین! اور شاید اسکے پڑھ دینے کا وقت مدت ہوئی کہ آچکا اور گذر چکا!

(۱۴)

جب وقت کی علمی صلاحیتون کا یہ حال ہی تو تعجب نہین، بعض حضرات اس تحریر مین جابجا "ذمی" کا لفظ دیکھکر یہ شبہ وارد کرین کہ "ذمیون" سے غیر مسلمون کی ایک خاص طرح کی جماعت مقصود ہے۔ عام طور پر تمام غیر مسلمون کے لیے یہ احکام کیونکر مفید جواز ہو سکتے ہین؟ ناچار اسکی نسبت بھی چند کلمات کا لکھنا ضروری ہوا۔ اولاً تو بنیاد جواز کی جو نصوص ہین ان مین ذمی وغیر ذمی کا سوال پیدا ہی نہین ہوتا، وفد نجران کے عیسائی تحقیق حال کے لیے آئے تھے۔ ابھی اسلام کے محکوم ہی نہین ہوے تھے کہ ذمیون مین انکا شمار ہوتا، یہی حال وفد ثقیف کے ارکان کا تھا اور ثمامہ بن آثال کے ربط ساریہ مسجد کی صورت تو بالکل واضح اور عدم امتیاز ذمی وغیر ذمی کے لیے ناطق ہی، حافظ ابن حجر عسقلانی اسی روایت کی شرح مین لکھتے ہین،

"وقیل یؤذن للکتابی خاصۃ وحدیث الباب یرد علیہ فان ثمامۃ لیس من اھل الکتاب"

(فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۴۶۰) ثانیاً کتب فقہ کی جو عبارتین نقل کی گئی ہین وہ صرف ذمیون کے متعلق نہین ہین بلکہ صریح الفاظ مشرکین وکفار کے موجود ہین، ثالثاً یہ مسئلہ متفرّع ہے دراصل ایک اصولی حکم کے تصفیہ پر، یعنی اسلام نے غیر مسلمون کی جو قسمین قرار دی ہین انکے اعتبار سے ہندوستان کے ہندؤن کا شمار کس قسم مین کرنا چاہیے؛ فقہاء نے قسمین تین کی ہین۔ اہل کتاب، شبہ اہل کتاب، عامۂ مشرکین وعبدۃ الاوثان۔ اہل کتاب، اور شبہ اہل کتاب سے جزیہ قبول کرنے اور ذمہ لینے پر تو سب کا اتفاق ہی، اہل

کتابیون کے لیے نص قرآنی حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ، ناطق، اور مجوس کے لیے (کہ شبہ اہل کتاب ہین) نص سنۃ کہ "سنوا بھم سنۃ اهل الکتاب" (اخرجہ البخاری) اور حضرۃ عمرؓ کا اس معاملہ مین توقف اور عبدالرحمن بن عوفؓ کی شہادت کہ خود آنحضرۃ صلعم نے مجوس ہجر سے جزیہ قبول کیا اور پھر باجماع صحابہ مجوسیون سے جزیہ قبول کرنا وغیر ذلک من الادلۃ باقی رہی قسم عام مشرکین کی تو حضرۃ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ (فی احدیٰ روایتیہ) اس طرف گئے ہین کہ مشرکین عرب سے جزیہ لینا اور انکو اہل الذمہ مین شمار کرنا جائز نہین۔ انکے لیے بجز اسلام وسیف کے تیسری صورت نہین، مگر عجم کی تمام بت پرست اقوام سے جزیہ لیا جائیگا اور ان کا شمار اہل الذمہ مین ہوگا، قاضی ابویوسفؒ کتاب الخراج مین لکھتے ہین "وجمیع اهل الشرک من المجوس وعبدۃ الاوثان والنیران والحجارۃ والصابئین والسامرۃ توخذ منهم الجزیۃ ماخلا اهل الردۃ من اهل الاسلام واهل الاوثان من العرب فان الحکم فیهم ان یعرض علیهم الاسلام فان اسلموا والا قتل الرجال منهم وسبی النساء والصبیان"، (صفحہ ۷۳) متن ہدایہ کتاب السیر مین ہے "وتوضع الجزیۃ علی اهل الکتاب والمجوس وعبدۃ الاوثان من العجم"، مگر حضرۃ امام شافعیؒ اس کے خلاف ہین اور اصناف اہل الذمہ کو صرف اہل کتاب و مجوس مین محدود کر دیتے ہین، اور امام مالکؒ اور قاضی ابویوسف کا یہ مذہب ہے کہ سب سے جزیہ قبول کیا جائیگا، اگرچہ عرب کے بت پرست ہون، وہ کہتے ہین کہ اگر سورۂ براۃ کے نزول اور عام تبوک کے بعد (جسمین بالاتفاق آیۂ جزیہ نازل ہوئی) مشرکین عرب کا وجود باقی رہا ہوتا تو اُن سے بھی جزیہ قبول کیا جاتا اور اس مین شک نہین کہ دلائل کی قوت آخری مذہب ہی کے ساتھ ہے اور اس بارے مین امام شافعی کا مذہب بنہایت ضعیف ہے۔ بہر حال فقہاء حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ اور جمہور کے نزدیک مشرکین عجم بھی باعتبار اخذ جزیہ وقبول ذمہ شبہ اہل کتاب مین داخل ہین۔ اسلیے ہندوستان کے ہندوؤن کا شمار بھی قطعاً اسی صنف مین ہوگا اور جو بات مشرکین عرب کے لیے جائز رکھی گئی ہوگی وہ اُن کے لیے بدرجۂ اولی جائز ہوگی۔ اور اگر تحقیق مقام کا ایک قدم اور آگے بڑھایا جاے تو حق یہ ہے کہ ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے

ہندوستان کے ہندوؤن کا شمار شبہ اہل کتابین مین ہے، نہ کہ قسماً عبدۃ الاوثان مین، اور شبہ اہل کتابین مین بھی مجوس سے کہین بلند تر مرتبہ رکھتے ہین، جب باوجود پرستش آتش و عدم انضباطِ شریعۃ و احکام، مجوسیون کی نسبت فرمایا "سنوابھم سنۃ اھل الکتاب"، اور باوجود پرستش کواکب صابئین کو جمہور نے مثل اہل الکتاب کے قرار دیا، تو ظاہر ہو کہ ہندوستان کے ہندو باوجود ضبط شریعۃ و احکام، وحفظ علوم و تمدن، و ادعا، وجود صحف وکتب محض پرستش قوی واشکال وصور مظاہر فطرۃ کی بنا پر کیون اہل کتاب مین سے تسلیم نہ کیے جائین، حافظ ابن قیم صابئہ کی نسبت لکھتے ہین "انھم امۃ کثیرۃ واکثرھم فلاسفۃ، ولھم مقالات مشھورۃ، فانھم احسن حالاً من المجوس، فاخذ الجزیۃ من المجوس تنبیہ علی اخذھا من الصابئۃ بطریق اولی فان المجوس من اخبث الامم دیناً ومذھباً"۔ مین کہتا ہون کہ ہندوستان کے ہندو ان دونون قومون یعنی مجوسیون اور صابئہ سے بھی بدرجہا بہتر حالت و افضل حیثیت مذہبی و مدنی رکھتے ہین پس اگر ان دونون کا شمار شبہ اہل کتابین مین ہوا تو یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ہندوؤن کا شمار بطریق اولیٰ ہوگا۔ حافظ ابن المنذر نے حضرت علی علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے "أنا أعلم الناس بالمجوس۔ کان لھم علم یعلمونہ وکتاب یدرسونہ"، اور قاضی ابو یوسف نے بہ سلسلۂ اسناد روایت کی ہے "قال علیؓ انا اعلم الناس بھم کانوا اھل کتاب یقرؤنہ وعلم یدرسونہ، فنزع من صدورھم" (کتاب الخراج صفحہ ۷۴، ولکن ضعّفہ جماعۃ من الحفاظ کما قالہ ابن القیم) یعنی مین سب سے زیادہ مجوسیون کی نسبت علم رکھتا ہون، انکے پاس علم تھا جسکو پڑھتے پڑھاتے تھے اور کتاب (ژند اوستا) تھی جسکے درس و نظر مین مشغول رہتے تھے۔ مین کہتا ہون کہ آج ہر وہ شخص جسکو ہندوؤن کی حالت کا علم ہے، بعینہٖ یہی جملہ مع شئے زاید کہہ سکتا ہے کہ کان لھم علوم یعلمونھا، وکتب یدرسونھا، وشریعۃ یعملون بھا ولکن ضلوا عن سواء السبیل کما ضل النصاری وقالوا ان اللہ ثالث ثلاثۃ واتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ والمسیح ابن مریم۔ وما امروا الا لیعبدوا الھا واحدا سبحانہ وتعالی عما یشرکون۔

یہی وجہ ہو کہ اورنگ زیب نے باتفاق جمیع علماء حنفیۂ ہند ہندؤن پر جزیہ کے احکام جاری کیے تھے
نادانی و بے خبری سے ہندؤن نے سمجھا کہ یہ انکی تذلیل و تحقیر ہے، حالانکہ اگر اس وقت علماء محققین ہوتے اور
وہ جزیہ کی غرض و غایت اور اہل الذمہ کے حقوق معتبر فی الشرع کو کھول کھول کر بیان کر دیتے تو ہندؤن
کو معلوم ہو جاتا کہ یہ انکی تذلیل نہین ہے بلکہ وہ بہتر سے بہتر سلوک ہو جو دنیا مین کوئی حاکم قوم محکومون کے
ساتھ کر سکتی ہے۔

(۱۵)

بعض مفسرین و فقہاء نے حضرۃ عمر بن عبد العزیز کا ایک فرمان نقل کیا ہو کہ انھون نے غیر مسلمون کو مسجدون
مین جانے سے روکدیا تھا، حافظ ابن کثیر لکھتے ہین "قال الامام ابو عمرو الاوزاعی کتب عمر بن عبد العزیز ان
امنعوا الیہود والنصاریٰ من دخول مساجد المسلمین" (جلد ۴ صفحہ ۱۳۷) لیکن جب مرفوعات کی موجودگی
مین موقوفات و اقوال صحابہ حجۃ نہین تو ظاہر ہے کہ خود شارع کے نص و فعل کے مقابلہ مین صرف حضرۃ عمر بن عبد العزیز
کا مجرد قول اور اجتہاد کیا وزن رکھتا ہو؟ و اذا جاء نھر اللہ بطل نھر المعقل!

(۱۶)

اس وقت مین نے حافظ ابن کثیر کی تفسیر دیکھی تو حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب کی مؤید ایک روایت
ملی۔ اگرچہ فتح القدیر وغیرہ نے اس سے استدلال نہین کیا ہو، امام موصوف کا مذہب یہ ہو کہ مسجد حرام مین بھی ذمی
داخل ہو سکتے ہین۔ غالباً انکے مذہب کی بنیاد یہ ہو کہ عبد الرزاق نے ابو الزبیر سے حضرۃ جابر کا قول نقل کیا ہے
انہ یقول فی قولہ تعالیٰ اِنَّمَا المُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا المَسْجِدَ الحَرَامَ بعد عامہم ھٰذا" الا ان یکون
عبداً او احداً من اھل الذمۃ"، اسی روایت کو باختلاف الفاظ امام احمد نے بطریق حسن عن جابر مرفوعاً
بھی روایت کیا ہو لیکن حافظ ابن کثیر لکھتے ہین "تفرد بہ الامام احمد مرفوعاً والموقوف اصح اسناداً"
(جلد ۴۔ ۱۷۱) لیکن اس روایت سے بھی جمہور کے مذہب منع دخول پر کوئی اثر نہین پڑسکتا اسلیے کہ انما المشرکون

بخس فلایقربوا کا نص عام و مطلق موجود ہی اور اس سے اہل الذمہ اور غلامون کو مستثنیٰ کرنا قرآن پر زیادة ہے اور جب احناف کے نزدیک ہر طرح کی زیادة نسخ ہے اور وہ خبر احاد مرفوع سے بھی جائز نہین، "الزیادة علی الکتاب نسخ فلایکون الا بایة ناصة او حدیث مشهور ناص" تو پھر محض حضرة جابرؓ کے قول سے حکم عام و مطلق قرآن پر کیونکر زیادہ جائز ہوسکتی ہے۔ علی الخصوص جبکہ دیگر دلائل و توطع اور تعامل عہد صحابہ و خلفاے راشدین و عمل مستمرۂ اہل اسلام سلفاً و خلفاً اس کے ساتھ موجود ہی۔

(۱۷)

غالب جماعت علماء ہند کا عمل و فتویٰ فقہ حنفی پر ہے۔ اس لیے عملاً تو اس بحث کا اُسی وقت خاتمہ ہوگیا جب معلوم ہوگیا کہ اس بارے مین فقہاء حنفیہ کا مذہب کیا ہی؟ لیکن تحقیق و تکمیل بحث کے لیے مناسب ہوگا اگر دیگر ائمۂ اہل اسلام کے مسالک بھی صاف ہوجائین علی الخصوص جبکہ فقہ جامع سے بے خبری اور اشتغال بہ مجرد فقہیات درسیۂ حنفیہ کی وجہ سے خلافیات مین لوگون کی معلومات کوتاہ اور حکم اکثر حالتون مین غلط ہوتا ہی امام مالک رح اور امام احمد رح کی نسبت ہدایہ وغیرہ کی شروح مین تم نے دیکھا ہوگا کہ اس بارے مین انکا مذہب مطلقاً منع ہے۔ اسی بنا پر تعلیل بالنجاستہ کے جواب مین بعض شارحین ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ دلیل شافعیہ کے لیے مفید نہین ہوسکتی۔ کیونکہ مسجد حرام کے علاوہ عام مساجد مین وہ بھی قائل جواز دخول ہین، البتہ مالکیہ کے لیے ہوسکتی ہے جنکا مذہب مطلقاً منع ہے لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اصلیت اس کے خلاف ہی۔ اور دراصل اصح و مفتی بہ مذہب مالکیہ و حنابلہ کا بھی وہی مذہب تفصیل ہی جو امام شافعی کا ہے، انکو مطلقاً جواز سے اختلاف ہی کہ جواز مقید بالاذن والرضا سے یہ معلوم ہے کہ فقہاء و ائمہ کے اقوال و مذاہب کی نسبت بے شمار مسائل مین بسا اوقات مختلف روائتین بلکہ متضاد روایات پائی جاتی ہین، اور فقہ حنفی مین تو اس کے نظائر سب سے زیادہ پائے جاتے ہین باوجود تدوین کتب صاحبین رح و صاحبین کے اقوال ظاہر الروایۃ مین کچھ ہین اور غیر ظاہر الروایۃ کتب مین کچھ۔ حتیٰ کہ کہا گیا کہ کوئی مذہب نہین جسکے مطابق کوئی نہ کوئی روایت فقہ حنفی مین نہ ملجائے۔ لیکن باین ہمہ

عمل و فتویٰ قول اصح و مفتی بہ پر ہے۔ نہ کہ مرجوح غیر معمول بہ پر۔ یہی حال دیگر ائمہ کے یہان پیش آیا۔ پس دیکھنا صرف یہی نہین ہے کہ اُنکے اقوال کون کون سے منقول ہین؟ بلکہ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ ان کے یہان کی تقسیم طبقات و مسائل اور عمل و افتا، کے لحاظ سے اصح اور معمول و مفتی بہ قول کون ہے؟ حضرۃ امام احمدؒ سے اس بارے مین دو قول مشہور ہین۔ ایک مین ذمیون کے لیے جائز قرار دیا ہی مگر غیر ذمی کفار کے لیے ناجائز، اور دوسرے مین تمام غیر مسلمون کے لیے جائز مگر اذن مسلم کی شرط دونون مین ہے۔ اور فقہا، حنابلہ کا فتویٰ و عمل اسی دوسرے قول پر ہے۔ کتاب المستوعب مین (جسپر تمام فقہا، متاخرین حنابلہ کا عمل و فتویٰ ہے) تمام اقوال جمع کر دیے ہین "ھل یجوز لکافر دخول مساجد الحل؟ علی روایتین" پھر کہا "وان الصحیح من المذھب الجواز"، بلکہ بعض اکابر حنابلہ کے نزدیک تو اذن مسلم کی بھی شرط نہین ہے، اگرچہ یہ قول مرجوح ہے، آداب الکبریٰ ابن مفلح مین ہی "فی جواز دخول الکافر مساجد الحل باذن مسلم لمصلحۃ روایتان۔ وحکی بعض اصحابنا روایۃ الجواز من غیر اشتراط اذن" یہی حال فقہا، مالکیہ کا ہے۔ ایک قول مین تو مطلقاً منع ہی، دوسرا قول یہ ہی کہ ذمیون کو اجازت دیجاسکتی ہی اگر مصلحۃ ہو، مگر غیر ذمیون کو نہین، اور اکثر فقہا، مالکیہ کا فتوی اسی پر ہی۔ سید محمد امیر حاشیۂ مجموعۃ الفقہی مین لکھتے ہین ولیس لکافر دخول مساجد الحل ویجوز دخولہا للذمی۔ ھذا المذھب المعتمد"۔

مناسب مقام ایک واقعہ یاد آگیا، سنہ مین جب نپولین بوناپارٹ نے مصر پر حملہ کرکے فتح کرلیا، اور ڈھائی برس تک فرانسیسیون کا قبضہ رہا، تو گو خود نپولین اور اکثر افسران فوج نے علانیہ جامع ازہر مین اسلام قبول کرلیا تھا، جمعہ کی نماز مین شریک ہوتے تھے، اور اسلامی نام بھی اختیار کرلیے تھے، مگر تمام فرانسیسی فوج بدستور عیسائی ہی سمجھی جاتی تھی اور اکثر اوقات مسجدون مین داخل ہوجاتی تھی، اسپر یہ بحث چلی کہ غیر مسلمون کو مساجد مین آنے دینا چاہیے یا نہین؟ ازہر کے بعض علما، مالکیہ نے کہا کہ جائز نہین۔ لیکن شیخ عبد الرحمان جبرتی صاحب تاریخ عجائب الآثار نے ایک خاص رسالہ لکھکر ثابت کیا کہ مالکیہ کے مذہب مین بھی اذن و اجازت اہل اسلام کی شرط کے ساتھ جائز ہے، پس بغیر مسلمانون کی اجازت کے عیسائی داخل نہون، اجازت لیکر رعایت احترام و تعظیم مسجد کے ساتھ داخل ہوسکتے ہین

یہ پورا واقعہ شیخ عبداللہ شرقاوی نے تحفۃ الناظرین مین لکھا ہے جو اُسوقت شیخ الازہر تھے، مگر کتاب مذکور اسوقت میرے پاس نہین

(۱۸)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بلاد اسلام غیرمسلمون کے حق مین تین حالتین رکھتے ہین:

اولاً حرم، تو جائز نہین ہے کہ کسی حال مین بھی غیرمسلم کو داخل ہونے کا موقع دیا جاے خواہ ذمی ہو خواہ مستامن۔ اور کوئی قیاس اور تعلیل بالمصلحۃ وغیرہ اس بارے مین مسموع و مقبول نہین، لظاہر الآیۃ فلا یقربوا المسجد۔ وبہ قال الشافعی واحمد ومالک والجمہور من السلف والخلف والعمل علی ذلک، والمدینۃ حرم مثل حرم مکۃ۔ اور اگر کسی غیرمسلم حکومت کے غیرمسلم سفراء آئین یا اور کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آجاے اور امام حرم مین ہو، تو انکو اندر بلانا جائز نہیں، بلکہ چاہیے کہ خود حدود حرم سے باہر نکلکر اُن سے ملاقات کرے، او یبعث الیہم من یسمع رسالتہم خارج الحرم اور گو حنفیہ کا قول اس کے خلاف ہے مگر عمل انکا بھی اسی پر رہا ہے، اگر مسلمانون کی لاعلمی مین کوئی غیرمسلم بہ تلبیس و فریب داخل ہوگیا ہو تو بمجرد علم اس کا اخراج واجب ہوگا،

ثانیاً جزیرۂ عرب" ما احاط بہ بحر الہند والشام ثم دجلۃ والفرات او ما بین عدن اَبْیَن الی اطراف الشام طولاً، ومن جُدّۃ الی ریف العراق عرضاً"، (قاموس) وقال ابن الکلبی "جزیرۃ العرب من اقصی عدن الی ریف العراق فی الطول، واما فی العرض فمن جُدّۃ وما والاہا من ساحل البحر الی اطراف الشام، وتبوک من الحجاز"، تو اس کا حکم یہ ہے کہ امام و خلیفہ کی اذن سے غیرمسلم داخل ہو سکتے ہین لیکن ایک مسافر کے قیام سے زیادہ ٹھیراؤ اور توطن جائز نہین یعنی زیادہ سے زیادہ تین دن تک خاص حالتون مین امام وقت اس سے زیادہ دنون کی بھی اجازت دیسکتا ہے، مثلاً سفراء دول و ارباب صناعۃ وغیرہ کو لیکن تمکین قیام اور توطن و تقرر شرعاً جائز نہین۔ خواہ ذمی ہون۔ خواہ مستامن۔ لوصیۃ صلعم، "اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب" وغیر ذلک من نصوص السنۃ فی ھذا الباب ومنہا ما روی عن عمر بن الخطاب رض انہ سمع رسول اللہ صلعم یقول "لاخرجن الیہود والنصاریٰ

من جزیرۃ العرب حتی لا ادع الا مسلماً"، واجلاھم عمرؓ فی خلافتہ باجماع الصحابہ، اور اس نص صریح کے خلاف اصحاب ظن وتخمین کی
کوئی تاویل قیاسی ورائی مسموع ومقبول نہیں اور "استنباط علت مصلحت باین طور کہ اگر کوئی مصلحت مقتضی تقریر اہل کتاب کفار در عرب
کی ہو تو اخراج ومنع توطن ضروری نہیں" صریح رد وابطال نصوص بمجرد ظن ورائے بحت ہو اور گو حکم اخراج وحکم منع قیام "رائے" کے خلاف ہو
لیکن قیاس صحیح وصالح اور حکمت عقلیہ صادقہ کے ابداً خلاف جس طرح شریعت کا کوئی حکم قیاس صحیح کے
خلاف نہیں ہے۔ یہ موقع اس کی تفصیل کا نہیں، مگر سورہ براۃ کی تفسیر مین اس مسئلہ کو پوری تفصیل
کے ساتھ لکھ چکا ہون۔ افسوس کہ صدیون سے اسلامی حکومتون کا عمل اس حکم صریح شارع کے
برخلاف چلا آرہا ہے۔ علی الخصوص حکومۃ عثمانیہ نے جزیرۂ عرب مین غیر مسلمون کو علانیہ وقانوناً تمکین وتوطن
وتقریر کی اجازت دیدی اور اس سے بھی بڑھکر یہ کہ عین جدہ مین کہ صرف جزیرۂ عرب بلکہ حدود حجاز مین
داخل ہے۔ غیر مسلمون کی تقریر وتمکین سے کچھ تعرض نہین کیا گیا، اور یہ نتیجہ ہے کتاب وسنۃ سے بُعد، اور علوم
اصلیۂ قرآن وحدیث کے ترک وہجر کا، اور علی الخصوص علماء اتراک کے فقیہانہ جمود وتنگی نظر کا، کہ بلا نظر وتحقیق صرف
فقہ حنفی کی روایات پر قوانین ملکی وسیاسی کا دار ومدار ٹھرایا اور نصوص سنۃ کی اس بارے مین کچھ پروانہ کی۔
فقہاء حنفیہ کے نزدیک تو غیر مسلمون کا اخراج خود حدود حجاز بھی سے واجب نہین۔ تا بہ جزیرۂ عرب چہ رسد؟
اس غفلت وجہل اور ترک احکام شریعۃ ورد وصیۃ نبوی وسنۃ خلفاء راشدین وتشبث بہ آراء وقیاسات
رجال سے جو نتائج مہلکہ پیدا ہوئے، اور جنکا معاملہ اب آخری حدّ ظہور وبلوغ تک پہنچ چکا ہے وہ دنیا کے ہر
باشندے کے سامنے ہین، حاجت بیان کی نہین۔ البتہ بن پڑے تو ترک عمل بالکتاب والسنۃ کے عقوبۃ و
وعذاب پر ماتم کرنا چاہیے، وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ
فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْرًا! فی الحقیقت ترک عمل بالکتاب والسنۃ ہی کا وہ فتنۂ اصلیۂ واساسیۃ ہی جو آج صدیون سے
ہادم ملۃ اسلامیہ ومحقق بدو غربۃ اسلام، وسبب تفاقم امر واشتداد بأس، ومبدء "ظهر الفساد فی البر و
البحر بما کسبت ایدی الناس"، ومولد ہمہ مفاسد ومہالک وباعث جمیع نوازل وزلازل وقلاقل، قرناً

بعد قرنٍ وتارۃً بعد اخریٰ ہو رہا ہے، والناس فی غفلۃ معرضون ۔ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ ۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون! آج ہر طرف لوگ اسباب تنزل وتسفل امۃ پر بحث کر رہے ہین مگر خواص امۃ اور مدعیان اصلاح وامامۃ فی الدین تک کو معلوم نہین کہ اصلی سبب تمام نوازل ومصائب کا کیا ہے کاش اللہ تعالیٰ اس حقیقت کے فہم کیلیے اب بھی دلون کا انشراح فرما دے کہ جن جن چیزون کو سبب سمجھ رکھا ہے وہ خود کسی علۃ اصلی کی فرع ہین، علۃ اصلیہ نہین ہین ۔ اصلی علۃ اول روز سے ایک ہی رہی ہی اور آج تک ایک ہی ہے یعنی ترک عمل بالکتاب والسنۃ اور اقتصار بر مجرد روایات فقہیہ، والتزام تمذہب وجوباً، وسدِّ باب نظر واجتہاد وتفقہ فی الدین ۔ ایک واضح نظیر اسکی یہی مسئلہ تقرر کفار در جزیرہ عرب وعدم وجوب اخراج اہل کتاب ہی جسپر محض بر بنا تقلید فقہاء حنفیہ سلاطین اہل اسلام عمل کرتے رہے، اور نص رسول کو بمقابلہ آراء وقیاسات رجال پس پشت ڈالدیا ۔ اس کا تخم اوائل ہی مین پڑ چکا تھا، لیکن آج برگ وبار مسلمانون کے سامنے ہین، اور ہر ذی عقل موجودہ حالات کو دیکھکر فیصلہ کر سکتا ہے کہ حق وہ تھا جو اللہ کے رسول کی وصیۃ اور متبعین ظواہر نصوص کا مسلک تھا یا حق یہ ہے جو ارباب آراء وتاویلات قیاسیہ نے اختیار کیا ؟ بااین ہمہ اب تک بدستور تشخیص مرض سے اعراض اور تجویز وتنفیذ علاج سے جہل واغماض ہی آج کون ان مسلمانون کو جو ایک ہی صراط مستقیم کو چھوڑکر سُبُلِ متفرقہ مین بھٹک گئے ہین ۔ یہ بتلاسے کہ راہ فوز ومکافات اسلف وہ نہین ہی جسکا غلغلہ وہنگامہ ہر طرف مچایا جا رہا ہی ۔ بلکہ صرف ایک ہی تھی اور ایک ہی ہی یعنی بحکم "عضوا بالنواجذ" اعتصام بالکتاب والسنۃ اور بہ تعمیل وصیۃ نبوی بہ حذیفہ کہ "فاعتزل تلک الفرق کلھا وان تعض باصل شجرۃ" (رواہ البخاری)

ترک ما سواھا وان تعضوا باصل شجرۃ!

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار ۔۔۔ بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند!

بہرحال دوسری قسم بلاد اسلامیہ کی بحث کفار جزیرہ عرب ہی جسکی نسبت شریعۃ حقہ کا حکم وہ تھا اور مسلمانون نے عمل یہ کیا ۔ اور اُسکی پاداش مین وہ سب کچھ ہوا، جو ہو چکا ہے، اور وہ سب کچھ ہونا ہے جو

ہورہی ہی تا از پردۂ غیب چہ رومی دہد، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا !

ثالثاً تمام ممالک اسلامیہ و بلاد محکوم بحکومت اسلام توان کا حکم یہ ہی کہ غیر مسلمون کو (خواہ اہل کتاب ہون یا غیر اہل کتاب) اُن مین توطّن و قرار کا موقعہ دینا جائز ہے۔ اور اُسکی شرعاً دو صورتین ہین عہد اور امان و ذمہ اور جب کوئی جماعت ذمیون مین داخل ہوگئی تو اسکو وہ تمام حقوق امن و نظم و شہریت کے حاصل ہوگئے جو خود مسلمانون کو شرعاً حاصل ہین۔ ازانجملہ یہ کہ وہ مسجدون مین داخل ہوسکتے ہین مگر امام وقت یا مسلمانونکی اجازت و رضا سے

(۱۹)

بعض صاحبون نے اس سلسلے مین یہ بھی لکھا ہی کہ "مسجد صرف عبادۃ کے لیے ہی اس لیے اس قسم کی مجلسین وہان منعقد کرنا جائز نہین ہے" یہ بات پہلے بھی بار ہا کہی گئی ہے اور ایک بار سے زیادہ مرتبہ اس بارے مین بالتفصیل لکھ چکا ہون یہان اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ "مسجد عبادۃ کے لیے ہے" اسکا مطلب کیا ہی؟ اگر یہ مطلب ہے کہ "انما بنیت المساجد لما بنیت لہ" (مسلم عن ابی ہریرہ) اور وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا تو یہ حق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہین۔ لیکن اگر مقصود یہ ہو کہ بجز نماز کے اس مین اور کچھ نہونا چاہیے تو اس قول سے بڑھکر جہل بالشریعۃ کا اور کوئی قول نہین ہوسکتا۔ یہ دواوین و اسفار سنۃ اور قناطیر مقنطرہ کتب شریعۃ موجود ہین جن سے صریح و قطعی اثبات بے شمار اعمال و اجتماعات و مجالس فی المسجد کا ہوتا ہی اور بالاتفاق تمام ائمہ اسلام نے نہ صرف اُنکے جواز بلکہ مستحسن و مسنون ہونے پر اتفاق کیا ہی۔ پھر ان سب کا کیا جواب ہوگا؟ اور نہین تو صرف صحیح بخاری ہی کے ابواب متعلق احکام مسجد دیکھ لیے جائین کہ خود آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارت مسجد سے کیا کیا کام لیے ہین؟ وفود کے نزول و قیام کی روائتین او پر گذر چکین۔ دراصل عہد نبوی مین مسجد نبوی ہی اور تمام عمارتون کی طرح سرکاری مہمانسرا کا بھی کام دیتی تھی عمارتون کی تعمیر و تخصیص عہد فاروقی سے شروع ہوئی ہی۔ اموال غنائم اور خراج و زکوٰۃ وغیرہ بھی مسجد ہی مین لائے جاتے تھے اور وہین لوگون مین تقسیم ہوتے تھے۔ عہد خلفاے راشدین مین بھی ایسا ہی ہوتا رہا، امام بخاری

نے باب باندھا ہی، باب القسمۃ وتعلیق القنو فی المسجد،، اور حضرۃ انسؓ کی روایت درج کی ہو کہ جب بحرین سے خراج آیا تو آپنے حکم دیا "انثروہ فی المسجد" ای صبوہ فی المسجد، چنانچہ نماز کے بعد تقسیم کے لیے بیٹھے اور مسجد ہی مین تقسیم فرمایا، مسجد ہی دار القضاء والافتا رہی۔ بے شمار واقعات اسکی نسبت موجود ہین۔ امام بخاری نے باب باندھا ہی "القضاء واللعان فی المسجد" اور واقعہ لعان کی مشہور روایت لاے ہین۔ مسافر کا مسجد مین قیام بالاتفاق جائز ہے اور امام بخاری نے باب باندھا ہی "نوم المرٔة فی المسجد" اور اس مین بروایت حضرت عائشہؓ ولیدہ (ایک لڑکی) کے آنے اور مسلمان ہونے اور مسجد مین قیام کرنے کا واقعہ لائے ہین "فکانت لہا خباء فی المسجد،، خبا یعنی خیمہ۔ حضرۃ عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہین کہ مین نوعمر ومجرد تھا۔ اکثر مسجد مین سوجایا کرتا تھا، حضرۃ علی کا مسجد مین سونا اور آنحضرۃ صلعم کا آکر "قم یا ابا تراب" کہنا معلوم ہی۔ مسجد نبوی ہی فقرا و صعالیک کی دار الاقامۃ اور متعلمین قران وشریعۃ کے لیے درسگاہ تھی۔ اصحاب صفہ کے تلقب کا سبب یہی ہو کہ مسجد مین انکے لیے ایک صفہ (چبوترہ) تھا، جہان شب و روز پڑے رہتے تھے، امام بخاری ابو ہریرہؓ کی روایت "نوم فی المسجد" مین لائے ہین کہ اصحاب صفہ مین سے مین نے ستر آدمیون کو دیکھا جنکے جسم پر پورا کپڑا بھی نہ تھا۔ مسجد نبوی مین علاوہ جماعۃ صلوۃ کے ہر طرح کی مجلسین اور صحبتین منعقد ہوتی تھین۔ آنحضرۃ صلعم کی نشست اکثر اوقات یہین رہتی تھی اور تعلیم وصحبت وصدور احکام ومشورہ و معاملات وغیرہ، جو کچھ ہوتا تھا یہین ہوتا تھا جو لوگ کہتے ہین کہ "مسجد صرف نماز کے لیے ہے،" اُنسے پوچھنا چاہیے کہ فوجون کی طیاری اور ترتیب اسکے لیے مالی اعانات کی فراہمی، مفتوحہ بلاد کے ملکی انتظامات وغیرہ، انکی اصطلاح مین کس قسم کے کام ہین؟ نماز یا غیر نماز؟ دینی، یا سیاسی؟ صریح وقاطع روائتین موجود ہین کہ یہ تمام امور مسجد ہی مین انجام پاتے تھے، حمایت ونصرۃ حق مین نظم ونثر کا پڑھنا اور لوگون کا جمع ہو کر سننا کس قسم کا عمل ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ مسجد نبوی مین حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے قصائد سناتے تھے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور خوش ہوکر دعا دیتے تھے اللھم ایدہ بروح القدس،، حسان نے اسپر ابو ہریرہؓ سے تصدیق چاہی اور انہون نے کہا سچ ہو امام بخاری نے اسی روایت سے

جواز انشاد شعر فی المسجد کا استنباط کیا اور اس کے لیے ایک باب باندھا ہی، اور ترمذی مین حضرۃ عائشہؓ کی روایت ہی کہ "کان رسول اللہ صلعم ینصب لحسان منبراً فی المسجد فیقوم علیہ یہجو الکفار" یعنی آنحضرۃ صلعم حسانؓ کے لیے مسجد مین ممبر رکھواتے اور وہ اسپر کھڑے ہوکر کفار کی ہجو مین اپنے اشعار سناتے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین مین لکھتے ہین، "لا باس بانشاد شعر فی المسجد خال من سخف وھجاء للمسلمین" ثم قال "والاولی صیانۃ عنہا الا ان تکون من الزھدیات فیجوز الاکثار لان المساجد وضعت لذکر اللہ" علامہ سفارینی شرح منظومۃ الآداب مین لکھتے ہین "قلت ومثل الزھدیات بل اولیٰ ما فیہ مصلحۃ للمسلمین من ھجو اعداء اللہ وتحریض المؤمنین علی اتباع الحق والاجتناب عن السئیات" (جلد ۲-۲۵۸) اور آنحضرۃ کے نماز صبح کے بعد مصلی پر کچھ عرصہ تک تشریف فرما رہنے والی روایت مین بعض صحابہ نے کہا کہ ہم لوگ نماز کے بعد ٹولیان بنا کر بیٹھ جاتے تھے اور عہد جاہلیت کے واقعات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آنحضرۃ صلعم دیکھتے اور کبھی کبھی متبسم ہوجاتے۔ اور ثوبانؓ کی روایت متضمن منع انشاد شعر کہ "من رایتموہ ینشد شعراً فی المسجد الخ" تو بالاتفاق اس سے مقصود اشعار نسیب ومعاشقہ ومطالب جاہلیۃ ہین نہ کہ نفس انشاد شعر۔ جمعاً بین الاحادیث عہد نبوی مین مسجد ہی شفاخانہ کا کام دیتی تھی۔ امام بخاری نے باب باندھا ہی "باب الخیمۃ فی المسجد للمرضیٰ وغیرھم" جنگ خندق مین سعدؓ زخمی ہوئے تو آنحضرۃ صلعم نے مسجد مین خیمہ نصب کرادیا اور اسی مین رکھا تاکہ قریب رہین۔ جو لوگ کہتے ہین کہ مسجد مین بجز نماز کے اور کچھ نہین ہونا چاہیئے نہین معلوم وہ لعب حبشہ والی روایت کو سنکر کسقدر متعجب ہونگے؟ امام بخاری نے تو ایک خاص باب ہی اس واقعہ کی بنا پر باندھ دیا، "باب اصحاب الحراب فی المسجد" الحراب بالکسر جمع حربہ، نیچے حضرۃ عائشہؓ کی روایت لائے ہین" لقد رأیت رسول اللہ صلعم یوماً علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون فی المسجد" دوسری روایات مین یہ واقعہ مفصل مذکور ہے اور بوجہ شہرت احتیاج ذکر نہین۔ حافظ عسقلانی اس باب کی شرح مین لکھتے ہین "وفی بعض طرق ھذا الحدیث ان عمر انکر علیہم لعبہم فی المسجد فقال لہ النبی صلعم دعہم" (فتح الباری میری جلد اصفحہ ۲۵۰) بلاشبہ ان واقعات مین

بہت سے واقعات ایسے تھے جو اوائل مین عارضی طور پر احتیاجاً وقوع مین آئے اور اب بحالت اعتیاد والتزام انکو ضرور رُوکا جائیگا، مثلاً یہی آخری واقعہ۔ لیکن مقصود ان واقعات کے نقل کرنے سے یہ ہو کہ یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ مسجد صرف نماز کے لیے ہے تو اسکو سوچ سمجھکر کہنا چاہیے۔ یہ نہین کہ جو منھ مین آیا کہدیا اور جو بات اپنی ہوا و خواہش کے خلاف ہوئی اسکو جھٹ ناجائز بتلا دیا۔ یہ معلوم ہو کہ مسجد اللہ کی عبادۃ اور ذکر کے لیے ہے، لیکن مسجد کا نماز کے لیے ہونا کب اس سے مانع ہو کہ تبعاً دیگر مقاصد صالحہ وحقہ کے لیے استعمال مین لائی جائے؟ اور ذکر کا مطلب ہی لوگون کو معلوم نہین۔ قرآن کی زبان مین ہر قول وفعلِ حق ذکر ہے، اور معاملات خدمت نوع وملت وہدایت واصلاح امم ودفع جور واعدا اعداء حق تو عین ذکر کے مدلول مین داخل ہے اور دلیل اسکی خود آنحضرۃ صلعم اور صحابہ وخلفاے راشدین مہدیین کا عمارت مسجد کو تمام مقاصد ملیّہ واجتماعیہ صالحہ کے لیے بالاتفاق کام مین لانا ہو۔ آنحضرۃ صلعم کے طرز عمل کے لیے گذشتہ اشارات کافی ہین۔ صحابہ کرام کا جو حال رہا وہ اس باب مین سب سے زیادہ واضح وقاطع اور علی الخصوص اجتماعات حاضرہ کے لیے پوری طرح اسوۂ حسنہ ہو۔ اسلامی حکومت کی پارلیمینٹ ہمیشہ مسجد نبوی ہی رہی۔ یہی مشورۃ گاہ اعیان ملت واصحاب حلّ وعقد وعامۂ اہل اسلام تھی جسمین سارے ملکی وسیاسی ومالی معاملات فیصل ہوتے اور انجام پاتے تھے۔ حضرۃ عمرؓ کے زمانہ مین جب کبھی کوئی اہم مشورہ طلب معاملہ پیش آتا تھا تو ایک آدمی مقرر تھا (غالباً مؤذن) جو شہر مین باین الفاظ اعلان کرتا "الصلوٰۃ جامعۃ" یہ سنتے ہی لوگ مسجد مین جمع ہونا شروع ہو جاتے۔ جب تمام لوگ آچکتے تو حضرۃ عمرؓ حاضرین کو مخاطب کرتے اور مشورہ طلب معاملہ کثرت راے سے طے پاتا (طبری مطبوعہ مصر جلد ۵ - ۱۵۳) حضرت عمرؓ نے مہاجرین کی ایک خاص مجلس شوریٰ بھی قائم کی تھی جو اس عام مجلس کے علاوہ تھی، بلاذری نے تصریح کی ہو کہ یہ مجلس ہمیشہ مسجد ہی مین منعقد ہوتی تھی۔ مجوسیون کو اہل الذمہ قرار دینے کا مسئلہ اسی مجلس مین طے ہوا تھا۔ "کان للمہاجرین مجلس فی المسجد فکان عمر یجلس معھم فیہ ویحدثھم عما ینتھی الیہ من امر الآفاق" (فتوح البلدان مطبوعۂ لیڈن صفحہ ۴۰۷)

زہری حضرت ابن المسیبؒ سے روایت کرتے ہین کہ جب فارس سے مال غنیمت کا پانچوان حصہ حسب دستور مدینہ پہنچا تو حضرۃ عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد مین رکھا جاے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات بھر بعض صحابہ نے پاسبانی کی، دوسرے دن تمام مسلمان مسجد مین جمع ہوے اور مال تقسیم کیا گیا۔ کتاب الخراج مین قاضی ابو یوسف لکھتے ہین "حدثنی علی بن عبد اللہ عن الزہری عن سعید بن المسیب قال لما قدم علی عمر بخماس فارس قال واللہ لا یجنّھا سقف دون السماء حتی اقسمہا بین الناس فامر بہا فوضعت بین صفی المسجد وامر عبد الرحمن بن عوف وعبد اللہ بن ارقم فباتا علیہا ثم غدا عمرؓ عنہ بالناس علیہ" (صفحہ ۲۷)

یہ معلوم ہو چکا ہی کہ آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفا مین مسجد نبوی ہی تمام مجالس و مجامع اور معاملات ملکی از قبیل تقسیم غنایم و تجہیز جیش و انفصال مہمات کی جگہ تھی اس لیے روایات مین گو لفظ مسجد کی تصریح نہو لیکن جہان کہین مجالس کے انعقاد، بحث و مباحثہ، خطبات و مذاکرہ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہی مقصود اس سے یہی ہے کہ مسجد ہی مین وہ سب کچھ ہوا۔ حضرۃ عمرؓ کی مجالس ملکی کا جسقدر حال قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج مین یکجا ملجاتا ہے شاید اور کہین نہ ملے۔ کیونکہ کتاب کا موضوع خراج و عشور و جزیہ وغیرہ محاصل مالیہ ہین اور تقریباً تمام مالی مسائل کا عملی انفصال حضرۃ عمرؓ کے زمانہ مین ہوا ہی۔ کتاب الخراج مین جابجا موجود ہی۔ "ان عمرؓ جمع اناسا فقال کذا وکذا ان عمر شاور اصحاب النبی۔ ان عمر استشار الناس فقالوکذ اجمع الناس ثم قام خطیباً فقال الخ۔" اور اسیطرح عام کتب آثار و تاریخ مین تو گو ان روایات مین اسکی صراحت نہین ہی کہ یہ تمام مجلسین مسجد ہی مین ہوئی تھین لیکن چونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دار الشوریٰ اور دیوان ملکی مسجد نبوی ہی تھی اسلیے ان تمام روایات مین سے ہر روایت ما نحن بصددہ کے لیے مستقلاً دلیل و شاہد ہے۔

اصل یہ ہے کہ ساری مصیبت قلت و فقدان علم اور زیغ نظر و فہم کی ہی اور اسی نے ہر معاملہ علم اور ہر وادی عمل مین آفتین برپا کر رکھی ہین۔ نظرین کوتاہ ہوگئین، معلومات درسیات و چند شروح کے اندر محدود رہے، دین مین فقاہت باقی نہ رہی، نتیجہ یہ ہو کہ کوئی ایک بات کان مین پڑگئی اور دنیا جہان کا فیصلہ اُسی سے کر دیا۔

اسی حالت کی نسبت کہا گیا ہے: حفظت شیئًا وغابت عنک اشیاء!

لوگون نے صرف یہ کہین دیکھ لیا ہے کہ "مسجد عبادت کیلیے ہے" لیکن نہ تو اس کا مطلب سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کا انتظار ہے، لعب حبشہ واصحاب الحراب والی روایت اوپر گذر چکی ہے۔ خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ مسجد نبوی کے صحن مین ایکمرتبہ حبشی ہتیارون کے ساتھ اپنا ناچ اور کرتب دکھلاتے تھے جو دراصل ایک طرح کی فوجی ورزش ہے، آنحضرۃ صلعم نے حضرۃ عائشہ کو حجرہ کے دروازہ سے انکا کھیل دکھایا۔ ایک روایت مین ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک سامنے کر دیا تھا، اسپر سے حضرۃ عائشہ جھانک کے دیکھتی رہین، دوسری روایت مین ہے کہ حضرۃ عمرؓ نے ان لوگون کو روکنا چاہا تھا کہ مسجد مین کھیل کود نہ کرو، مگر آپنے فرمایا کہ نہ روکو۔ کھیلنے دو، کما مر سابقًا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہین: فیہ جواز ذلک فی المسجد" یعنی اس سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنا مسجد مین جائز ہے" قال واللعب بالحراب لیس لعبًا مجردا بل فیہ تدریب الشجعان علی مواقع الحروب والاستعداد للعدو۔ وقال المہلب المسجد موضوع لأمر جماعۃ المسلمین فما کان من الاعمال یجمع منفعۃ الدین واھلہ جاز فیہ" (فتح ۴۵۸) یعنی ہتیارون کے ساتھ کھیل محض کھیل ہی نہین ہے بلکہ ایک طرح کی مردانہ اور جنگی ورزش ہے جس سے دشمن کے مقابلہ کی استعداد بڑھتی اور شجاعت وہمت کو تحریک ملتی ہے اسلیے آپنے اسکو مسجد مین جائز رکھا، اور مہلب نے کہا کہ مسجد بنائی گئی ہے جماعت اہل اسلام کے فائدے کے لیے پس تمام ایسے کام جو اسلام اور مسلمانونکے فائدہ کیلیے ہون اُسمین جائز ہونگے

اوپر گذر چکا کہ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے "الاغتسال اذا اسلم وربط الاسیر فی المسجد" اس ترجمہ باب کے اصل نسخہ بخاری مین ہونے نہونے کی نسبت اختلافات ہین اور بصورۃ اثبات ترجمہ اس ترجمہ کے ربط ومطابقۃ کی نسبت شارحین نے بحثین کی ہین۔ اسی سلسلہ مین حافظ موصوف لکھتے ہین "وادعی ابن المنیر ان ترجمۃ ھذا الباب ذکر البیع والشراء فی المسجد۔ قال ومطابقتہا بقصۃ ثمامۃ ان من تخیل منع ذلک اخذہ من عموم قولہ انما بنیت المساجد لذکر اللہ فاراد البخاری ان ھذا العموم مخصوص باشیاء غیر ذلک منہا ربط الاسیر فی المسجد۔ فاذا جاز ذلک للمصلحۃ فکذلک یجوز البیع والشراء للمصلحۃ فی المسجد" (صفحہ ۴۶۲) یعنی ابن منیر نے اسکی نسبت یہ کہا ہے کہ دراصل اس باب کا ترجمہ متعلق ہے ذکر بیع والشراء فی المسجد سے، اور قصہ ثمامہ سے اسکی مطابقت یون ہے کہ جس کسی نے ذکر بیع وشرا کو ممنوع خیال کیا تو اسی بنا پر کہ انما بنیت المساجد لذکر اللہ کے عموم پر اسکی نظر گئی، یعنی اسنے خیال کیا کہ جب مسجدین صرف اللہ کے ذکر کیلیے

موضوع ہین تو پھر بیع و شرار کا ذکر اذکار اس مین کیون جائز ہو؟ پس امام بخاری نے اس شبہ کو ادا کرنا چاہا، اور دکھلانا چاہا کہ "انما بنیت المساجد لذکر اللہ" کے حکم عام کے لیے تخصیص بہت سی باتون مین ثابت ہی۔ ازانجملہ ایسین کہ قیدی کو مسجد مین باندھنا اور رکھنا جائز ہے۔ اور جب بر بنا مصلحۃ یہ بات جائز ہوئی تو ذکر بیع وشرار بر بنا مصلحۃ کیون جائز نہو؟ انتہی ہمین یہان اس سے کوئی بحث نہین کہ اس باب کے ترجمہ ومطابقت روایۃ کی نسبت یہ توجیہ کہانتک درست ہی، حافظ ابن حجر کہتے ہین "ولا یخفی ما فیہ من التکلف"، مقصود اس قول کے نقل کرنے سے یہ دکھلانا ہو کہ ائمہ فقہ وحدیث نے "انما بنیت المساجد لما بنیت لہ" اور "لذکر اللہ" کا مطلب کیا سمجھا ہی؟ اور ابن منیر کے قول سے ضمناً یہ حقیقت واضح ہوگئی۔

دراصل حکم "انما بنیت المساجد لما بنیت لہ" اور "بنیت لذکر اللہ" کو اگر عام ومطلق بھی مان لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہین "لما بنیت لہ اور ذکر اللہ کا صحیح مطلب سمجھ لینا چاہیے، وہ ساری باتین جو آنحضرۃ صلعم وخلفاے راشدین نے مسجد مین کین، اور وہ اکثر امور جن سے آجکل کے مدعیان علم وحفظ شریعت روک رہے ہین، "ذکر اللہ" اور اصل موضوع بنا مسجد مین داخل ہین۔ خود قرآن حکیم نے خطبہ وعظ جمعہ پر "ذکر" کا اطلاق کیا ہی، اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ۔ سب نے اتفاق کیا کہ یہان "ذکر اللہ" سے مقصود خطبۂ جمعہ ہے۔ نہ کہ صلوۃ، اور اسی لیے وَذَرُوا الْبَیْعَ کے حکم کی تعمیل بمجرد سماع ندا، (اذان) واجب ہے نہ کہ ہنگام قیام صلوۃ۔ اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہو کہ آنحضرۃ صلعم کے جن خطبات جمعہ کو اللہ نے ذکر اللہ فرمایا ان مین صرف یہی نہین ہوتا تھا کہ "موت کو یاد کرو اور روتے رہو۔" جیسا کہ اب ہو رہا ہی بلکہ ان مین ان تمام باتون کا ذکر کیا جاتا تھا جنکو آجکل کی جدید تقسیم اعمال انسانیہ مین "دنیوی معاملات" قرار دیا جاتا ہی، جب کبھی اسلام اور مسلمانون کے مصالح دینی ودنیاوی کی کوئی بات پیش آگئی ہے تو آپنے جمعہ کے دن خاص طور پر اسی کی نسبت خطبہ دیا ہے۔ ایسا ہی خطبات خلفار راشدین کے ہوتے تھے، مین نے گذشتہ سال ایک رسالہ مقاصد واحکام جمعہ پر لکھا ہی۔ اس مین خطبہ جمعہ کی حقیقت اور اس بارے مین ہدی نبوۃ واسوۂ حسنۂ خلفار راشدین کو نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے، اگر نوبت طبع وتوزیع کی آئی تو انشاء اللہ اس باب مین نافع وقاطع ہوگا،

بعض حضرات نے اس مسئلہ مین مجتہدانہ استنباط و دقائق آفرینی کی بھی نمائش کرنی چاہی ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہین کہ "جب مسجد مین پکار کر بات کرنے سے بھی روکدیا گیا کہ احترام مسجد کے خلاف ہی حتی کہ حضرۃ عمرؓ نے دو شخصون سے کہا "اگر تم شہر کے باشندے ہوتے۔ مسافر نہ ہوتے۔ تو مین تمکو سخت سزا دیتا۔ تم مسجد رسول اللہ مین اپنی آوازین بلند کرتے ہو" تو پھر اس طرح کے "مخلوط جلسے" اور تقریر و بحث کا ہنگامہ کب جائز ہوسکتا ہے"؟ حقیقت یہ ہی کہ آجکل مذہبی مسائل کی نسبت جسقدر خامہ فرسائیان کی جارہی ہین ان سے اور تو کوئی نتیجہ نہین نکلتا۔ صرف یہ ہوتا ہی کہ جو لوگ مسلمانون کے علمی تنزل کے ماتم گسار ہین انکے لیے درد و غم اور حسرت و اندوہ کا ایک نیا سامان بڑھجاتا ہی، اول تو "مخلوط" اور "غیر مخلوط" مجالس کی جدید تقسیم سے اصول فقہ مین جو اضافہ کیا گیا ہی معلوم نہین وہ کس نور الانوار اور تلویح سے ماخوذ ہی؟ پھر کاش "رفع الصوت فی المسجد" اور حضرۃ عمرؓ والی روایت کا مطلب کسی متداول شرح کی مدد سے سمجھ لیا ہوتا۔ امام بخاری نے صحیح مین باب باندھا ہی "مسجد مین آواز بلند کرنے کا حکم" اور اس مین دو روایتین لائے ہین۔ پہلی روایت یہی حضرۃ عمرؓ والی ہی۔ سائب بن یزیدؓ کہتے ہین کہ مین مسجد مین کھڑا تھا (اور ایک روایت مین قائما کی جگہ نائما ہے اور حاتم کی روایت مین کنت مضطجعا ہی یعنی سو رہا تھا) کہ یکایک کسی نے مجھپر کنکری پھینکی۔ دیکھا تو عمر بن الخطاب ہین انہون نے دو آدمیون کی طرف اشارہ کیا کہ میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ آئے تو انسے پوچھا تم کون ہو یا کہان کے رہنے والے ہو؟ انہون نے کہا طائف کے، حضرت عمر نے کہا "لو کنتما من اھل البلد لاوجعتکما۔ ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟" ترجمہ اوپر گذر چکا ہے، اسکے بعد دوسری روایت عبد اللہ بن کعب کی لائے ہین خلاصہ اسکا یہ ہی کہ کعب بن مالکؓ اور انکے ایک مقروض مسجد مین اپنے قرضہ کی نسبت بات چیت کر رہے تھے یہانتک کہ چلا چلا کر باتین کرنے لگے اور انکی آواز آنحضرۃ نے اپنے حجرہ مین سن لی۔ پس آپ نکلے اور کعب کو اشارہ کیا کہ اسقدر اپنے قرض مین سے چھوڑ دو الخ" ان دونون روایتون کو اس باب مین امام بخاری نے اسلیے جمع کیا کہ مسئلہ کے دونون پہلو منع و جواز کے واضح کرنا چاہتے تھے، وھذا من کمال فقھہ ودقۃ استنباطہ" حافظ عسقلانی لکھتے ہین اشار بالترجمۃ الی الخلاف فی ذلک۔ فقد کرھہ مالک مطلقاً سواء کان فی العلم أم فی غیرہ۔ وفرق غیرہ

بین ما یتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی وبین ما لا فائدۃ فیہ۔ وساق البخاری فی الباب حدیث عمرؓ الدال علی المنع وحدیث کعبؓ الدال علی عدمہ اشارۃ منہ الی ان المنع فی ما لا منفعۃ فیہ۔ وعدمہ فی ما تلجئ الضرورۃ الیہ" (ص ۳۸۹) یعنی ترجمۂ باب مین اشارہ ہے اُس اختلاف کا جو اس باب مین واقع ہوا۔ امام مالک مطلقاً رفع الصوت کو مکروہ کہتے ہین خواہ درس و تدریس علم ہی مین کیون نہو، اور دیگر ائمہ نے اس بارے مین تفریق و تفصیل کی ہے، انکے نزدیک اگر کسی ایسی بات کے لیے رفع صوت ہو جسمین کوئی دینی یا دنیوی منفعت ہو تو جائز ہے ورنہ نہین، اور امام بخاری اس باب مین حدیث عمرؓ لائے ہین منع کے لیے، اور حدیث کعب لائے ہین جواز کے لیے، اور اسطرح واضح کیا ہے کہ منع اُس حالت مین ہے جبکہ بیکار اور لغو باتین پکار کر کی جائین لیکن اگر کسی ضرورت کی بنا پر ہو تو جائز ہے۔

یہ جو لوگ کہتے ہین کہ دنیوی مقاصد سے شورہ و مجالس مسجد مین جائز نہین، تو قطع نظر حقیقت اطلاق الفاظ دین و دنیا، وہ اس جملہ پر غور کرین " ما یتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی " اور حدیث کعب پر کہ دراصل رفع صوت لین دین کے معاملہ کے لیے تھا جو یقیناً صحیح معنون مین دنیوی معاملہ ہے۔

باقی رہی حدیث عمرؓ تو گو حافظ موصوف کی عبارت نے اس کا مورد واضح کر دیا لیکن ایک نہایت اہم پہلو باقی رہ گیا ہے حضرت عمرؓ نے طائف کے آدمیون سے فرمایا " ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ ؟ " یہ نہین کہا کہ " فی المسجد " یعنی خاص طور پر مسجد رسول اللہ صلعم کا لفظ فرمایا صرف مسجد نہین کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپکی زجر و تنبیہ اس بنا پر تھی کہ مسجد مین تم نے آواز کیون بلند کی بلکہ اس لیے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مین بے ادبانہ چیختے ہوئے تمھین شرم نہ آئی۔ بنیاد اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالے نے لوگون کو نہایت سختی کے ساتھ اس سے روکا تھا کہ رسول اللہ کے حضور مین بے ادبانہ آواز بلند نہ کرین لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ، کیونکہ قطع نظر تہذیب کلام کے یہ عادت اس ادب عظیم اور توقیر و تعزیز رسول کے خلاف تھی جو بحکم تُوَقِّرُوْہُ وَتُعَزِّرُوْہُ بلکہ جمیع نوع انسانی پر فرض ہوا اور جس کے بغیر اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا معاملہ محکم نہین ہو سکتا، اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ

آپکے سامنے آتے تو مجسم تادّب وتعظیم اور سکوت وخشوع کی تصویر ہوتے، آنکھین زمین مین گڑی رہتین اور لب کھلتے تو آواز مشکل سے نکلتی، علی الخصوص حضرت عمرؓ کا تو اس بارے مین کچھ عجب حال تھا، چونکہ اس آیۂ کریمہ کا نزول جس واقعہ پر ہوا تھا اس کا تعلق خود انہی سے تھا، اور خلقاً انکی آواز تھی بھی بلند اسلیے نزول آیۃ کے بعد انکے خفض و نرمی صوت بحضرۃ رسول اللہ صلعم کا یہ حال ہوگیا کہ " اذا حدث النبی بحدیث حدثه کاخی السرار لم یسمعه حتی یستفهمه"، کما رواہ البخاری فی کتاب التفسیر والاعتصام بالسنۃ عن ابن ابی ملیکۃ، جب آپکا وصال ہوگیا تو گو آپکا پیکر جسمی دنیا کی آنکھون سے چھپ گیا، لیکن انبیاء کرام کی حیات معنوی موت کے دست رس سے باہر ہے " یصلون فی قبورهم"، اور "صلوا علیّ فان صلاتکم تبلغنی حیث ما کنتم" (ابوداؤد عن ابی هریرۃ)

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

پس وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ کا حکم بدستور باقی رہا، اسی لیے صحابۂ کرام کا آپکی وفات کے بعد بھی یہ حال رہا کہ مسجد نبوی مین قبر مطہر کے حضور کبھی بلند آواز سے بات چیت نہ کرتے اور تمام احکام ادب وحقوق رسول کو پورا پورا ملحوظ رکھتے، حضرۃ عثمانؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم کی نسبت منقول ہے کہ مسجد نبوی مین لوگون کو پکار کر بات کرتے دیکھتے تو سخت خشمگین ہوتے، اور فرماتے تمھین شرم نہین آتی کہ قبر مطہر کے سامنے شور وغل مچا رہے ہو حالانکہ اللہ کہتا ہے لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ الخ یعنی اس آیۂ کریمہ سے منع رفع صوت بحضور رسول پر بعد وفات رسول بھی استدلال کیا گیا، اسی طرح حضرت امام مالکؒ کا واقعہ معلوم ہو کہ ایک شخص کو پکار پکار کر بات کرتے ہوئے دیکھا تو یہی آیۂ کریمہ پڑھی اور اسپر سخت غضبناک ہوئے۔ حکاہ ابن الجوزی۔ پس حضرۃ عمرؓ کا خشمگین ہونا اور طائف کے دو آدمیون کو زجر فرمانا بھی اسی قبیل سے تھا، اور اسی لیے آپ نے فرمایا "فی مسجد رسول اللہ؟" یعنی رسول کی طرف نسبت دیکر روکا، صرف لفظ مسجد نہین فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث مین نہی عام خاص مسجد نبوی سے تعلق رکھتی ہے علت اسکی دوسری اور غیر مشترک ہی، اگرچہ دیگر ادلہ سے یہ ثابت ہے کہ عام مساجد مین بھی بلا کسی ضرورت دینی و دنیوی صالح کے لغو وبیکار شور مچانا یا مسجد کو اپنی دنیاداری کی صحبتون کی جگہ ٹھرالینا قطعاً

ممنوع ہے، بلکہ ایسے لوگون کا اخراج مسجد سے واجب ہے،

اور تائید اسکی اس واقعہ سے ہوتی ہو کہ جب حضرۃ عمرؓ نے ۱۷ھ مین مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر و توسیع کی تو مسجد کے ایک گوشہ مین ایک چبوترہ بنایا اور لوگون سے کہا جس کسی کو بیٹھکر آپس مین بات چیت کرنی ہو یا شعر و اشعار وغیرہ کے لیے صحبت مقصود ہو تو اس کے لیے یہ جگہ ہے۔ سمھودی نے خلاصۃ الوفا مین یہ واقعہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرۃ عمر مسجد مین رفع صوت اور مذاکرہ و مجالستہ کے مخالف نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لیے خاص طور پر اہتمام کیون کرتے؟ بلکہ وہ اس بات کو پسند نہین کرتے تھے کہ مسجد رسول مین بحضور قبر رسول چلا کر بلا ضرورت بات کیجائے اور اس طرح مقام رسالت کی تعظیم و احترام مطلوب شارع سے بے پروائی و غفلت کی بنیاد پڑے۔ اس لیے ایک گوشے مین چبوترہ بنا دیا کہ لوگون کی نماز مین بھی خلل نہین پڑیگا اور بوجہ بُعد وہ صورت بھی باقی نہ رہے گی جو حضور قبر مبارک مین رفع صوت سے پیدا ہو جاتی ہو اور یہین سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ حضرۃ امام مالک کا مذہب اس بارے مین کیا ہو؟ تو یہ جو حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ مطلقاً منع حتی کہ درس و تدریس علم کے لیے بھی، تو دراصل یہ صرف مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص ہو، امام مالک کا یہ مذہب نہین ہو کہ عام طور پر تمام مساجد مین درس و تدریس علم کیلیے بھی رفع صوت نہو، بلاشبہ انسے منقول ہو" انا اکرہ ذلک ولا اری فیہ خیرا" یعنی مین مکروہ رکھتا ہون کہ مسجد مین درس و تدریس علم ہو لیکن یہ متعلق ہے صرف مسجد نبوی سے" اور جس سوال کے جواب مین انہون نے یہ کہا، وہ بھی مسجد نبوی ہی کے متعلق تھا، اور اسی لیے وہ ہمیشہ اپنے مکان پر درس حدیث و فقہ دیتے رہے، اور اسی بنا پر مورخین نے انکے اس طریق کو کمال ادب و تعظیم رسول کے سلسلے مین بیان کیا ہو نہ کہ بہ عنوان فقہ و احکام، ورنہ ظاہر ہے کہ عام طور پر مساجد مین درس و تدریس علم و رفع الصوت انوا کان للنصح والتذکیر کو وہ کیونکر مکروہ قرار دیسکتے ہین۔ جبکہ اس کثرت سے اجماعی شواہد نصاً و عملاً اس کے خلاف موجود ہین؟ آنحضرۃ ؐ اور خلفاے راشدین نے غنائم تک مسجد مین تقسیم کیے جو مستلزم رفع صوت و قال و قیل ہو، اور درس و تدریس علم کی تو کوئی جگہ بجز مسجد نبوی کے آنحضرۃ ؐ کے زمانہ مین تھی ہی نہین۔ حضرۃ عمر نے اپنی خلافت مین حکم دیا کہ تمام بلاد مفتوحہ مین مسجدین تعمیر کی جائین اور

اور ساتھ ہی اُن مین تعلیم و تدریس قران و سنتہ کا بھی انتظام ہو۔ پھران مدارس کے لیے فقہا و قرا صحابہ بھیجے گئے۔ شام کے مدارس کے لیے حضرۃ ابوالدرداء، ابی ابن کعب، معاذ بن جبل وغیرہم، بھیجے گئے تھے، حافظ ذہبی نے ابوالدرداء کے حال مین لکھا ہے کہ جامع دمشق مین تعلیم دیتے تھے، طریقہ یہ تھا کہ مسجد مین نماز صبح کے بعد لوگ جمع ہوتے، دس دس آدمیون کے حلقہ کی تعلیم کے لیے ایک قاری مقرر ہوتا۔ خود ٹہلتے رہتے، اور ہر حلقہ کی آواز پر کان لگائے رہتے، جب ضرورت ہوتی ٹوکتے، ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو سولہ سو طالب العلم مسجد مین حاضر تھے! یہی حافظ ذہبی حضرۃ معاذ بن جبل کے ترجمہ مین ابو مسلم خولانی کی روایت نقل کرتے ہین کہ "ایک مرتبہ حمص کی مسجد مین گیا تو دیکھا تیس صحابی جمع ہین، اور مسائل و علوم پر مذاکرہ ہو رہا ہے" غرضکہ مساجد کا مدارس و بیوت علم ہونا ایک ایسی تاریخی و علمی حقیقت ہے کہ حاجت دلیل و بیان نہین۔ پھر حضرت امام مالک کیونکر کہہ سکتے ہین کہ مساجد مین رفع صوت ہر حال مین مکروہ ہے؟ علی الخصوص جبکہ انکے فقہ و ابواب کا زیادہ تر دار و مدار حضرۃ عمر کے فتاوی و فرامین خلافۃ اور حضرۃ عبداللہ بن عمر کے علوم پر ہی! اصل یہ ہی کہ بہت سی غلطیان خاص مقامات و حالات کے حکم و فتاوی کو عام سمجھ لینے سے بھی متاخرین مین پیدا ہوگئی ہین، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خاص جامع کوفہ کی نسبت فرمایا کہ محراب والے حصے مین نماز مکروہ ہے۔ کیونکہ انکے نزدیک وہ ٹکڑہ مغصوبہ تھا۔ لوگون نے اس سے عام طور پر کراہیۃ صلوۃ فی المحراب کا مسئلہ پیدا کر لیا، قازانی[۱] نے بدائع مین اسکی تصریح کی ہے اور شامی مین کہا ہی کہ اسیطرح امام مالک کی بہت سی باتین جو خاص مدینہ کی نسبت تھین۔ عام سمجھ لی گئین۔ یہان صلوۃ فی المحراب کے مسئلہ سے بحث نہین، صرف غلط فہمی کی ایک نظیر دکھلانا مقصود ہے۔

[۱] صاحب بدائع الصنائع کے لقب کی نسبت لوگون کو بہت تشویش ہوئی ہی۔ صاحب تراجم حنفیہ نے لکھا ہی کہ اصل مین "کاشانی" ہوگا کاشان کی طرف منسوب۔ حالانکہ بات صاف تھی صاحب بدائع نسلاً تاتری ہین اور قازان تاتار کے رہنے والے تھے، جو آجکل روسی ممالک مین داخل ہی اصل مین یہ کازان تھا۔ عربی مین قازان بولنے لگے۔ منہ

البتہ اگر آجکل کے علماء و واعظین کی مجالس قصص و حکایات و جدل فی المسجد و مکابرات کی نسبت سوال کیا جاے تو اس مین شک نہین کہ وہ نہ صرف رفع الصوت ممنوع مین داخل ہین بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ زمین کے ہر حصہ اور عمارت کی ہر چھت کے نیچے ناجائز ہین۔ صرف مسجد ہی پر موقوف نہین۔ عین ممبر مسجد پر بیٹھکر باہمدگر سب و شتم تکفیر و تفسیق، اور تلعن و تنابز بالالقاب کیا جاتا ہے۔ جھوٹے قصے اور حکائتین اور مکذوب و موضوع روائتین سنائی جاتی ہین۔ ٹھیک مطربون اور گویون کی طرح گٹکریان لے لیکر گایا جاتا ہے محض مراء و جدل اور تنازع فی الدین کی نیت سے مناظرون اور مباحثون کی مجلسین منعقد کی جاتی ہین، اور درندون کی طرح امامت و ممبر نشینی کا ایک مدعی دوسرے کی گردن پر خواہ مخواہ ہاتھ بڑھاتا ہے۔ یہ ساری باتین تو مسلمانون کے لیے جائز ہین بلکہ عین مقاصد مسجد مین داخل، لیکن اگر مقاصد صالحہ و حسنہ سے غیر اوقات صلوة مین کوئی مجمع منعقد ہو اور اس مین نفع بلاد و رفاہ ملت و جلب مصالح و دفع مفاسد کے لیے تقریرین کی جائین تو بخاری کی روایت منع رفع الصوت والی فوراً یاد آجاتی ہے!

یکرہ ان یشرب من فضۃ　　ولیسرق الفضۃ ان نالھا!

تمام اہل علم و سلف نے اتفاق کیا کہ جدل و تنازع فی الدین نہ صرف ممنوع ہے بلکہ منجملہ شدید ترین وسائل ضلالۃ امۃ و تحریف شریعۃ و ضد ہدیٰ کے ہے اور آنحضرۃ صلعم نے فرمایا "ما ضل قوم بعد ھدی کانوا علیہ الا اوتو الجدل"، کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہی مین نہین پڑی مگر جدل سے، پھر یہ آیت پڑھی "مَا ضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا۔ بَلْ ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ" (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ عن ابن امامہ) تو بدقسمتی سے جدل و تنازع و تعمق فی الدین کا دروازہ اس امت پر بھی کھلا، اور اگر آج علوم و مدونات مقبولۂ امتہ کو دیکھا جاے تو کوئی گوشہ بھی اس فتنہ سے خالی نہین لیکن ضلالۃ جدل و تنازع کا عملاً بدترین مقام و نمونہ وہ ہے جو آجکل مناظرہ و مباحثہ مذہبی اور احقاق حق و تحقیق مسائل کے نام سے کیا جاتا ہے اور اسکی مجلسین عموماً مسجد ہی مین منعقد ہوا کرتی ہین۔ پھر ان مجلسون مین جو کچھ ہوا کرتا ہے معلوم ہے۔ زبان کی کوئی معصیت، اور حلق و صدا سے وقوع مین آنیوالا کوئی فسق ایسا نہین ہے

جوان بھیڑون مین بمصداق دفی نادیکم المنکر علانیہ نہ ہوتا ہو اور مجرد رفع صوت کا تو کیا پوچھنا؟ "تو گوئی خروسانِ شاطر بجنگ" کے معاملہ کے بغیر تو ہمارے علمار کا کوئی مناظرہ مناظرہ ہی نہین، کوئی اسوقت جاکر واللہ کی عبادت گاہ کو دیکھے، تو بھنگڑ خانون اور خرابات کے ہنگامے اسکے شور وغل کے آگے مات ہین، پھر اس سے بھی بڑھکر یہ کہ جدل لسانی کا خاتمہ عموماً جدل بالید والجراب پر ہوتا ہی، اور بسا اوقات نوبت مقدمون اور فوجداریون تک پہنچتی ہے، یہ ساری باتین آجکل کے مسلمانون کے مذہب مین جائز ہین، بلکہ از قبیل اعمال متبرکۂ دشرعیۂ علمار اسلام نہ ان کا رفع صوت ممنوع ہی، نہ گالی گلوج اور سر پھٹول۔ لیکن مسجد مین اصلاح ملت وبلا دو حفظ حقوق ملک وقوم کے لیے جمع ہونا جائز نہین، کیونکہ مسجد مین پکار کر بات بھی نہ کرنی چاہیے۔ حضرت عمر نے اس سے روک دیا تھا! انا للہ وانا الیہ راجعون! کیا اس سے بھی بڑھکر "فیبقی ناس جہال یستفتون فیفتون برائہم فیضلون ویضلون" (رواہ البخاری عن ابن عمر) کا مصداق کوئی عہد جہل اور عصر فساد ہو سکتا ہے جسکا مسلمانون کو ابھی انتظار ہی؟ فقد جاء اشراطہا، فانی لھم اذ جاءتھم ذکراھم؟

(۲۱)

بعض اخبارات نے اس سلسلے مین یہ بھی لکھا ہی کہ "لوگون نے مقتولین حادثۂ دہلی کے لیے نماز جنازہ غائب پڑھی جو ہمارے مذہب مین جائز نہین" سو اسکی تحقیق بھی ضروری ہی، لیکن یہ تحریر بلا قصد بہت طولانی ہو گئی اسلیے اس بحث کو علیحدہ کر دیا گیا۔ کہ مستقلاً شائع ہو جائیگا،

(۲۲)

لکھنؤ کے بعض اخبارات مین اس معاملہ پر رائے زنی کی گئی ہے، اور لکھا ہی کہ جناب مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محلی بھی اس سے متفق ہین۔ یعنی عدم جواز دخول ہنود فی المسجد سے، لیکن اس بارے مین انکا جو خط شائع کیا ہے اس مین جواز و عدم جواز کا کوئی تذکرہ نہین۔ صرف یہ لکھا ہے کہ مسلمانون کو ہر معاملہ مین چاہیے کہ احکام شرع کا اتباع کرین، اور اپنے اجتماعات وغیرہ مین کوئی بات ایسی نہ کرین جو شریعت کے

خلاف ہو، تو یہ حق ہے، اور اس سے کسی کو انکار نہین، تعجب ہے کہ اس اخبار کے ایڈیٹر نے مولانا ممدوح کے اس خط کو عدم جواز کے ثبوت مین کیون پیش کیا؟ میرے لیے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ مولانا ممدوح ایک ایسے معاملہ کو ناجائز بتلا دین جسکے جواز پر تمام اہل علم کا اتفاق ہو چکا ہے اور علی الخصوص فقہاء حنفیہ کا مسلک تو اس مین معروف و مسلّم ہے، مجکو یقین ہے کہ انشاء اللہ انکا مسلک بھی یہی ہوگا، اور اختلاف طریق وصول الی الحق مین ہو سکتا ہے مگر حق مین نہین، اور تعدّد رجال و افراد مین ہے حقیقت مین نہین ہو سکتا، معہذا معلوم کہ اصل کار نصوص و بصائر سے ہے، اور وہ جب موجود ہین تو پھر اور کسی بات کی احتیاج نہین۔

(۲۳)

خاتمۂ سخن مین ایک معاملہ کی طرف اشارہ ناگزیر ہے۔ یہ معلوم ہے کہ ہر گروہ کے دائرۂ نظر و فکر کے حدود ہین۔ ان حدود سے تجاوز نہین کرنا چاہیے، ہر گوشۂ علم و عمل مین ساری مصیبتین اسی اعتداء و تجاوز عن الحدود سے پیش آتی ہین۔ اخبار نویسی ایک عمدہ اور ضروری کام ہے۔ لیکن اسکے لیے یہ ضروری نہین کہ ہر اخبار نویس قضاء و افتاء کا کام بھی شروع کر دے، اس کام کو صرف ان لوگون کے لیے چھوڑ دینا چاہیے جنکا یہ کام ہے، اور جو اسکی صلاحیت رکھتے ہین، ایک زمانہ تھا جب شریعت و قرآن سے اغماض و اعراض روشن خیالی، اور سیاست دانی کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اللہ نے اپنے بعض بندون کو توفیق دی اور انھون نے تقدیم و اتباع شریعت فی جمیع الاحوال والاعمال کی صدائے دعوۃ بلند کی۔ نتیجہ نکلا کہ حالت پلٹی۔ اور شریعت و قرآن کے ذکر و استشہاد مین ویسی ہی مقبولیت و محبوبیت پیدا ہو گئی جیسی پہلے اعراض و انکار مین تھی، اور وہی تحریرین عوام و خواص مین مقبول ہونے لگین جو مذہبی رنگ مین لکھی گئی ہون۔ لیکن اب ایک دوسرا فتنہ پیدا ہو گیا ہے۔ پہلے اعراض و غفلت تھی۔ اب اِدعاء و تکلم و تحکم بغیر علم ہے پہلے کوئی شریعت کا نام بھی نہین لیتا تھا، اب ہر شخص چاہتا ہے کہ شریعت کے بغیر بات نہ کرے اگرچہ شریعت کے علم و عمل سے بالکل بے بہرہ ہو، پہلے قرآن کا نام لیتے ہوئے بھی لوگون کو شرم آتی تھی

ین تہذیب و تعلیم کی برادری سے خارج نہ کردیے جائین آب ہر شخص جو قلم پکڑ سکتا ہے چاہتا ہی کہ ہر تحریرین
ین کی ایک دو آیتین کسی نہ کسی طرح ضرور ہی کھپا دے، اگرچہ لفظاً تصحیف ،معنیً تحریف اور استشہاداً
سر مربوط ہی کیون نہ ہو، اور یہ فتنہ پہلے فتنہ سے بھی اشد و اضر ہے تلک فتنۃ الدنیا وھذہ فتنۃ
دین - پہلا فتنہ عمل تھا جسکا نتیجہ فسق ہے - اور یہ فتنۂ علم و احکام ہے جسکا نتیجہ تحریف شریعت، اور
نھم امیون لا یعلمون الا امانی" کا حاکم و آمر شریعت و ملت بنجانا ہے - آج مسلمانون کا کوئی اخبار کوئی
جلس، کوئی کام ایسا نہین، جو اس فتنہ کا تماشا گاہ نہو، علی الخصوص اخبارات کا تو یہ حال ہو کہ انکا ہر نمبر
ئی نہ کوئی نئی مثال ضرور اپنے ساتھ لاتا ہی کوئی صاحب ایک لمبا چوڑا مضمون شائع کرتے ہین کہ احیار ملت بذریعہ
حیا شریعت کرنی چاہئے اسکی صورت یہ ہے کہ علماء اسلام فرائض و واجبات شریعت مین چند نئی دفعات
کا اضافہ کردین اور آپس مین پنچیت کرکے فتوی دیدین کہ نماز روزہ کی طرح ایجوکیشنل کانفرنس اور ندوہ
و اہلحدیث کانفرنس کی شرکت بھی شرعاً فرض ہے - اور زکوۃ کی طرح انجمنون کی فیس ممبری بھی ہر مسلمان
کو دینی چاہیے، کوئی صاحب دنیا بھر کی بدعتون اور بدعی محافل کا سرو سامان کر رہے ہین اور کہتے ہین کہ
کہ سیاسی مقاصد و مصالح سے ایسا کرنا بہت ضروری ہے - یہ وقت بدعۃ و سنتہ کے جھگڑے کا نہین ہے
انکی تحقیق مین مسلمانون کی پولیٹکل ترقی بغیر بدعات و فسوق کے اہتمام کے ہو ہی نہین سکتی - ایک صاحب
تمام اخبارون مین اعلانات شائع کرتے ہین کہ اسلام کی قرار دی ہوئی دو عیدین، اور مسلمانون کی
گڑھی ہوئی صدہا اعیاد و مواسم بھی قوم کی ترقی کے لیے کافی نہین - اسلیے ایک نئی عید کا اہتمام شروع
کردینا چاہیے - دوسرے صاحب فتوی دیتے ہین کہ مساجد مین "مخلوط" مجالس جائز نہین، اور ہندؤن
کو مسجد کے مجمعون مین بلانا تو اشد و اکبر معصیت ہی و غیر ذلک من اعجاب کل ذی رای برایہ
والاعتصام بالبدعۃ والاحداث فی الدین - تو اس دینی انارکی اور مذہبی طوائف الملوکی
سے تو شاید وہی پہلی حالت غنیمت تھی - شاید تبدیل حال و قیام امر کے لیے یہ درمیان کی بدنظمی اور

بدحالی ضروری ہو اور ممکن ہے کہ اس شورش کے بعد اصلی سکون و امن نمودار ہو۔ بہرحال حالات کی طرف سے تو بجز افزایش درد و اندوہ کے اور کوئی صدا نہین اٹھتی، الا یہ کہ ہر حال مین اعتماد اللہ کے فضل و کرم اور بالآخر وعدہٗ نصرۃ دیاوری شریعۃ وحفظ و صیانۃ ملۃ مرحومہ پر ہے۔ واللہ ناصر دینہٖ ورافع اعلام سنۃ رسولہٖ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ ھٰذا آخر ما تیسر لی من تسوید ھٰذہ العجالۃ مع توزع الخاطر وتشتت البال من تراکم الھموم وکثرۃ البلبال، وکان الفراغ من تسویدھا ضحیٰ نہار السبت لست بقیت من رجب المرجب ۱۳۳۱ھ حین کنت منفیاً من البلد ومحبوساً فی رانچی وانا الفقیر الی اللہ احمد کان اللہ لہٗ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تصحیح: معارف بابت ماہ مئی ۱۹۱۹ء کے صفحہ ۳۸۲ سطر ۹ مین "ولو کان مسجد الحرام" کے بعد یہ عبارت بڑھا لین: "یعنی ذمی کا مسجد مین داخلہ ممنوع نہین۔ اگرچہ جنبی ہو۔ اور حنفیہ کے نزدیک مسلمان کی اجازت بھی ضروری نہین اگرچہ مسجد حرام ہو۔ ہدایہ مین ہی "ولا باس بان یدخل اھل الذمۃ المسجد الحرام"

امم قدیم کے علوم وفنون

ازجناب مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین

بیسوین صدی کا متمدن انسان جب زمانہ قدیم کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہے، تو اسکو اپنے اسلاف کی تمدنی سطح حد درجہ پست نظر آتی ہے، آج تہذیب و تمدن نے جو ترقی حاصل کی ہے، اسکو دیکھکر کون کہہ سکتا ہے کہ دنیائے قدیم بھی کسی زمانہ مین ہمارے تمدن کا آشیانہ تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت، علوم و فنون، غرض عالم کی ہر چیز نے تدریجاً ترقی کی ہے، اس بنا پر آج ہم جن بزرگون کے خیالات کو توہمات اور خرافات کے لقب سے یاد کرتے ہین وہ درحقیقت اس سلسلہ کی ابتدائی کڑیان ہین، جنکے بغیر تمدن کی تاریخ مکمل نہین ہوسکتی،

تاریخ کے ابتدائی زمانہ مین انسان کے جو مذہبی اور تمدنی خیالات تھے، ان پر زمانہ مابعد مین بہت کچھ اضافہ ہوا ہے، اور ہوتا جاتا ہے، ہر قوم اپنے اسلاف کے خیالات میراث مین لیکر آتی ہے اور اپنے علوم و اکتشافات سے ان پر اضافہ کرتی ہے، اسلئے آج ہمارے پاس علوم و فنون کا جو وسیع سرمایہ ہے وہ اُنہین بزرگون کے اعمال و افکار کا عکس ہے،

تہذیب و تمدن کی ابتدا مصر سے ہوئی ہے، وہان مذہب اور دیگر اشیائے کائنات کے متعلق جو خیالات قائم تھے، اُنکو پڑھکر بے ساختہ ہنسی آتی ہے، لیکن جب یہی خیالات کلدان پہنچے، تو اُن مین زیادہ پختگی پیدا ہوئی، یہانتک کہ یونان جاکر مستقل علوم بن گئے، اور ان پر کتابین لکھی گئین، اور آج کہ عالم مادی کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہے، علوم و فنون مین وہ تنوع پیدا ہوگیا ہے کہ اسکو دیکھکر عقل دنگ رہجاتی ہے،

دریاے تمدن کے اس جزر و مد، اور علوم و فنون کے ان انقلابات کی ایک نہایت دلچسپ تاریخ ہے، جو نہایت ضخیم جلدون مین مدون کیجا سکتی ہے، تاہم چونکہ ہمارا مقصد اختصار ہے اسلئے ہم صرف، ان قومون کو لینا چاہتے ہین جو علوم و فنون مین یگانۂ روزگار تسلیم کیگئی ہین، اور چونکہ مصر مین دو ہزار برس قبل مسیح سے تہذیب و تمدن کا پتہ چلتا ہے، اور مورخین نے اولیت کا تاج اسی کے سر پہ رکھا ہے، اسلئے ہم بھی اسی کو مقدم کرتے ہین،

مصر مصر کے متعلق ہماری کتابون مین عجیب و غریب خوش اعتقادیان پائی جاتی ہین، چنانچہ ہمارے مورخین ایک مصری حکیم ہرمس کا نام نہایت شاندار الفاظ مین تذکرہ کرتے ہین، کوئی اسکو اخنوخ بتلاتا ہے، جسکا تورات مین ذکر آیا ہے، کوئی حضرت ادریس کہتا ہے، اور کوئی تین ہرامسہ کے وجود کا قائل ہے، اور تیسرے ہرمس کی طرف بہت سی جعلی کتابین (جو نجوم، کیمیا، اور سحر وغیرہ پر ہین) منسوب کرتا ہے، چنانچہ کتاب الفہرست، ابن القفطی، اور ابن ابی اصیبعہ وغیرہ اس تذکرہ سے بھری پڑی ہین، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہرمس کا کبھی وجود نہ تھا، ہرمس (Hermes) یونانی لفظ ہے اور ایک یونانی معبود کا نام ہے، جسکو سکندر کے زمانہ سے مصریون نے تحوت (Thot) قرار دیا ہے، جو مصر مین خدا مانا جاتا تھا، اور اسکی طرف قدماے مصر تمام علوم کا اختراع منسوب کرتے تھے، چنانچہ اسکو (M. Steinschneider) اور (E. Blochet) وغیرہ نے نہایت تفصیل سے اپنی کتابون اور رسالون مین بیان کیا ہے۔

الٰہیات چونکہ مصر نہایت قدیم ملک ہے اور وہ یونان کو اپنا "بچہ" کہتا ہے، اسلئے اسکے قدیم مذہبی خیالات بہت کم معلوم ہین، تاہم جو کچھ کتبات اور مورخین یونان کی تحریرون سے مستنبط ہوتا ہے اس سے بہت کچھ زمانۂ قدیم کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ دنیا مین مصریون سے زیادہ کوئی پابند مذہب اور متقی نہین، اُنکی تصویرون کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ خدا کے سامنے نماز ادا کر رہے ہین، کتابون کو پڑھو تو نظر آئیگا کہ عبادت و تمسک کے ذکر سے لبریز ہین،

مصری بہت سے دیوتاؤن کے قائل تھے، جنمین رب الشمس سب سے بڑا تھا، اور وہ اسکو خالق، محسن، علیم، اور ازلی سمجھتے تھے، اسکی ایک بیوی اور ایک بیٹا مانتے تھے، اور انکو بھی اسی کی طرح خدا سمجھتے تھے، ان تینون کے نام مختلف فرقون مین علحدہ علحدہ ہین، رب الشمس کا نام اوزیریس قمر کا ایزلیس، (یہ بیوی تھی) اور آفتاب کا ہوروس ہے، (یہ بیٹا ہے) ان تینون کے علاوہ مصریون کا ایک اور دیوتا بھی تھا، اور وہ رب اللیل ہے، جسکو یہ لوگ سیت کہتے تھے، ان دیوتاؤن کی تصویرین آدمی اور جانورون کی طرح بناتے تھے، لیکن اُنکے سر جانورون کے رکھتے تھے، یہ لوگ بعض جانورون کو بھی مقدس مانتے تھے،

مردون کی روح کو پوجتے تھے، انکا خیال تھا کہ مرتے وقت آدمی اپنی رُوح کو چھوڑ جاتا ہے اسی لئے وہ قبرون کو نہایت وسیع بناتے تھے، اور ان مین کرسیان، سامان آرائش، کھانا، پانی، اور تمام ضروریات زندگی مہیا کرتے تھے، اور مردہ کی ایک تصویر پتھر یا لکڑی کی بنا کر رکھدیتے تھے، انہین وجوہ سے ان لوگون کی قبرین مدت تک "بیت القرین" کے نام سے مشہور تھین،

مصر کے گیارہوین شاہی خاندان کے زمانہ مین حشر ارواح کا عقیدہ قائم ہوا، یعنی یہ کہ مردہ کی روح شام کو آفتاب کے پاس جاتی ہے، وہان اسکا حساب کیا جاتا ہے، قلب شہادت دیتا ہے اور میزان حق مین اعمال تولے جاتے ہین، شریر رُوح کو عذاب دیا جاتا ہے، اور وہ صدیون اسی حالت مین رہ کر فنا ہو جاتی ہے، پاک روح مدتون اُڑتی پھرتی ہے، اور بعد مین ارباب (دیوتا) مین شامل ہو کر جذب ہو جاتی ہے،

چونکہ روح بسا اوقات آرام حاصل کرنے کے لئے اپنے پرانے جسم مین آجاتی ہی اور اُسکے لئے جسم کے صحیح وسالم رہنے کی ضرورت ہے، اِس بنا پر اُنھون نے تحنیط کا طریقہ ایجاد کیا اور مومیا ء بنائی جو تابوت مین رکھدیجاتی تھی،

مردہ کے ساتھ مومیا ر کے پاس ایک چھوٹی سی کتاب بھی رکھدیجاتی تھی، جسکو کتاب الموتیٰ کہتے تھے، اسمین مردہ کی زبان سے اپنے مذہب اور کیرکٹر کی نسبت چند خیالات درج ہوتے تھی، جو حسب ذیل ہین، " مین نے خیانت نہین کی، نہ بیوہ کو ستایا، نہ گناہ کا مرتکب ہوا، نہ باطل کو پسند کیا، نہ غلام کی آقا سے شکایت کی، نہ عبادتگاہون پر رزق بند کیا، نہ مردون کی پٹیا ن اور کھانا چرایا، نہ غلہ کم تولا، نہ پاک جانورون کو شکار کیا، اور نہ پاک مچھلیون کو پکڑا، بھوکون کو کھلایا پیاسون کو پلایا، ننگون کو پہنایا، خداؤن کے لئے قربانی کی، مردون کے لئے وضام بنائے"[1] (وضم اس لکڑی کو کہتے ہین جسپر قصاب گوشت رکھکر کاٹتا ہے،

فلکیات آسمان کو یہ لوگ ایک مادّی اور ٹھوس چیز سمجھتے تھے، انکے نزدیک آسمان مین گھنڈیان لگی ہوئی ہین، جب وہ کھل جائینگی تو آسمان زمین پر گر پڑیگا،

برجون اور سیارون کے نام سے واقف تھے، اور سیارون مین حرکت کے قائل تھے، چنانچہ آفتاب کو ایلیس، چاند کو سیلین، زحل کو ستورنس، مشتری کو زاریس، اور مریخ کو آرس کہتے تھے، ابو عبداللہ محمد بن سلامۃ قضاعی نے مصر کا ایک قدیم کتبہ کتاب الخطط مین نقل کیا ہے، اسمین حسب ذیل برجون اور سیارون کے نام آئے ہین، سرطان، حمل، حوت، میزان، اسد، شمس، قمر، زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد، قلب الاسد، جوزہر،[2]

سیارون کے مقامات اور اُنکی مختلف حرکتون پر کچھ احکام مرتب کرتے تھے جو نہایت

---

[1] تاریخ الحضارۃ جلد ا تالیف مسیو شارل سینوبوس فرانسیسی، [2] معجم البلدان صفحہ ۵۵۴ و ۵۵۶ جلد ۸،

معمولی اور ابتدائی درجے کے تھے، علامۂ شہرستانی نے انکی نسبت لکھا ہے۔[۱]

وامّا الاحکام المنسوبة الیٰ ھذہ الاتصالات — ان اتصالات پر انھون نے جو احکام لگائے ہین وہ

فغیر مبرھن علیھا عند الجمیع، — سبکے نزدیک بے دلیل ہین

عمرانیات قدماے مصر کی قبرون مین جو ہیکل، تصاویر اور سامان آرائش دیکھا گیا ہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان تمدن تھا، چنانچہ یہ لوگ حضرت مسیح سے ساڑھے تین ہزار برس قبل کاشتکاری پارچہ بافی، تطریق معادن، (سونے چاندی کو پیٹ کر درست کرنا) نقش، تصویر اور تحریر جانتے تھے انکا ایک مذہب اور ایک منتظم سلطنت تھی،

مصری دنیا کے سب سے پہلے صناع ہین، چنانچہ تین ہزار برس قبل مسیح سے ان مین پتھر کی تصویرون کا رواج ہے، جنکو وہ لوگ قبرون مین رکھتے تھے، ان مین بعض حد درجہ محیر العقول ہین اور حقیقت یہ ہے کہ انکی اس صنعت نے خود شاہد فطرت کو بے نقاب کیا ہے، کیونکہ اسمین محاکاۃ کی اعلیٰ سے اعلیٰ نظیرین ملتی ہین، ان مین بعض ایسی تصویرین بھی ہین جو گو متحرک نہین ہین لیکن اُنکے بشرہ سے جلال کے آثار نمایان ہین،

مصریون نے رنگ مین ایسا کمال دکھلایا کہ ضرب المثل ہوگئے ہین، چنانچہ پانچ ہزار برس گذرنے کے بعد بھی انکی تصویرون مین وہی رنگ و روغن باقی ہے، وہ سونے، چاندی، فلزات، اسلحہ، زیورات، شیشہ، خزف، اور مینا، کا استعمال جانتے تھے، اور اُون اور کتان کے سادے اور کامدار کپڑے تیار کرتے تھے،

وہ عمارتین بنانے مین خاص شہرت رکھتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ امم قدیمہ مین سے کوئی قوم بھی اس معاملہ مین انکی حریف نہین ہے، فلک نیلگون کا پرزور ہاتھ بہت سی عظیم الشان

---

[۱] شہرستانی صفحہ ۱۴۲ جلد ۲،

قومون کی یادگاردن کونیست و نابود کرچکا ہے، لیکن قدماے مصر کی عمارتون کی ایک اینٹ بھی نہ ہلا سکا، ابوالہول، اہرام، مسلات، تماثیل، سخنیات انکی وہ قوی ہیکل یادگارین ہین، جنکی تخریب کے تخیل سے دست زمانہ بھی کانپ اُٹھتا ہے،

مصری اپنے رہنے کے مکانات زیادہ مضبوط نہین بناتے تھے، بلکہ عبادتخانون اور مقبرون مین استحکام کا خیال کرتے تھے، چونکہ دیوتا ہمیشہ پاک اور دائمی جگہ ڈھونڈھتے ہین، اسلئے یہ لوگ عبادتخانہ مین ہیکل (یہ خدا کا مکان ہوتا تھا) محل، باغ، کاہنون اور اُنکے مریدون کے مکانات اور سامان رکھنے کے لئے علحدہ علحدہ کمرے تیار کرتے تھے،

قبرون مین اسکا اور زیادہ اہتمام ہوتا تھا، اور وہ نہایت کشادہ اور مستحکم بنائی جاتی تھین، چنانچہ اہرام جو دنیا کے عجائبات مین شمار ہوتے ہین، مصری بادشاہون کی قبرین ہین، اور ہرم اکبر کیوپس کا اور ہرم ثانی کیفرم کا بنوایا ہوا ہے، انکے علاوہ مصر زیرین مین اور بھی بہت سے چھوٹے بڑے اہرام موجود ہین جو شاہان مصر کی قبرین ہین،

اس مقام پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اہرام کا بانی کون شخص تھا، وہ کس زمانہ مین بنے، اور کس مقصد سے تعمیر ہوئے؟ قدما مین ایک بڑی جماعت کا خیال ہے کہ اہرام حضرت ادریس کے بنائے ہوئے ہین، اور طوفان نوح سے بہت پہلے بنے ہین، اور اس سے انکا مقصد یہ تھا کہ طوفان مین علوم و فنون بربادی سے بچ جائین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ خیال بالکل لغو ہے اور جیسا کہ علامہ حموی نے لکھا ہے اسکی حقیقت خواب سے زیادہ نہین ہے[۲]، اہرام طوفان کے بہت بعد بنے ہین، انکے بنانے والے مصر کے چوتھے خاندان کے بادشاہ تھے، اور وہ مقبرہ کی غرض سے بنائے گئے تھے،

بانیان اہرام کے بعد مصر مین قبرون کا ایک دوسرا طریقہ رائج ہوا، اور وہ زمین کے اندر بننے لگین،

[۱] حاشیہ ابوالفلوس صالحانی بر مختصر الدول صفحہ ۱۱، [۲] معجم البلدان صفحہ ۵۵ جلد ۸، [۳] تاریخ الحضارۃ صفحہ ۱۱،

بعضون نے پہاڑون کو کاٹ کر قبرین بنائین، چنانچہ یہ قبرستان جو "مُردون کا شہر" کہلاتا تھا آبادی سے بالکل قریب تھا، اور شہر سے زیادہ وسیع اور بارونق تھا،

قدمائے مصر حملہ کرنے کے عادی نہ تھے، وہ نہ تجارت کرتے تھے، نہ سمندر کا سفر کرتے تھے، اور نہ ان مین ملاح ہوتے تھے، البتہ مصر کی چھبیسوین سلطنت نے قوت بحری کی طرف توجہ کی تھی،

علوم و فنون | طب، سحر، اخلاق، قصاید، رسائل، سفرنامے، تاریخ، ریاضی، طبیعی، کیمیا، طلسمات، نیرنجات، اور مرایای محرقہ اہل مصر کے خاص علوم ہین، اور ان مین انکے یہان بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہوئے ہین، چنانچہ انونیوس نے علم سیمیا ایجاد کیا، مابندروس (میندروس) المتوفی ۲۹۰ ق م نے شعر کی ایک قسم ایجاد کی جسکو قومیدیا (کومیڈی) کہتے ہین، اس مین انسان اور حیوانات کے مشترک قبائح بیان کئے جاتے ہین، ایک اور شاعر نے دوسری صنف ایجاد کی جو طراغوذیا (ٹریجڈی) کہلاتی ہے اسمین انسان اور فرشتون کے مشترک فضائل اور مراثے ہوتے ہین[۱]، ابلونیوس نجار نے ریاضی مین ایسی معرکہ کی دو کتابین لکھین جو اقلیدس کا سنگ بنیاد قرار پائین[۲]، چنانچہ اقلیدس نے جامیٹری مین جو کچھ لکھا ہے، وہ انہین کتابون کی تشریح ہے[۳]، میطن، اور اقطیمن دو ریاضی دانون کی تحقیقات جو انھون نے علم الفلک کے متعلق رصدخانہ اسکندریہ مین کی تھی، ۶۰۰ برس تک مسلّم مانی گئی[۴]،

علم الحیوانات مین یہان کے علماء کا ایک مستقل نظریہ ہے جسکو وصفی نے اخبار مصر مین لکھا ہے، اور وہ یہ ہے[۵]،

"انسان سے پہلے اس عالم کون و فساد مین حیوانات کی بہت سی قسمین رہتی تہین، جنکی عجیب

---

[۱] ابن عبری صفحہ ۳۴، [۲] اخبار الحکما صفحہ ۴، [۳] طبقات الامم صفحہ ۴۳ [۴] اخبار الحکما صفحہ ۵۰،
[۵] طبقات الامم صفحہ ۵۹،

وغریب صورتین ہوتی ہیتین، جب انسان پیدا ہوا تو اس نے بہت سی انواع کو مار مار کر فنا کردیا اور بعض کو جنگلون مین بھگا دیا۔"

یہ خیال اگرچہ آج آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے، اور علماے طبقات الارض بہت سے جانورون کے عجیب وغریب ڈہانچے اور انکی پتھرون پر بنی ہوئی صورتین زمین سے برآمد کر رہے ہین تاہم گذشتہ زمانہ مین اسقدر حیرت انگیز تہا کہ ابن صاعد کو اُسپر کسی طرح یقین نہین آتا چنانچہ فرماتے ہین:

فان کان ذلک حقا فما ابعدہ فی ھذا الرای من نظام الحکمۃ وقانون الفلسفۃ (طبقات الامم ص ۵۹)	اگر یہ سچ ہے تو تعجب ہے کہ یہ لوگ نظام حکمت اور قانون فلسفہ سے کسقدر دور جا پڑے ہین،

فن تحریر مین اہل مصر کا کارنامہ وہ مشہور ومعروف خط ہے جو ہیروغلیفی کہلاتا ہے، اور اہرام اور دوسری قدیم عمارتون پر کندہ ہے، اسکی ساخت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کا سب سے پرانا خط ہے، کیونکہ اسمین حروف کی بجاے خود اشیا کی صورتین بنی ہوئی ہین، اس خط کے بعد مصریون نے دو خط اور بھی ایجاد کئے تھے جو پہلے خط سے کسیقدر مختلف تھے[۱]،

علوم وفنون کی ترقی کا مصریون نے خاص اہتمام کیا تہا چنانچہ اسکندریہ مین فلسفہ اور طب کی تعلیم کے لئے انھون نے ایک اکاڈمی قائم کی تھی، وزیر جمال الدین قفطی اسکی نسبت لکھتے ہین[۲]،

والاسکندرانیون ھو الذین رتبوا بالاسکندریۃ دار العلم ومجالس الدرس الطبی........ ..	اسکندری حکما وہ ہین جنھون نے دار العلم اور مجالس طبی قائم کی تہین،

---

[۱] تاریخ الادب صفحہ ۵۶، [۲] اخبار الحکما صفحہ ۵۲،

باب التقریظ والانتقاد

تاریخ صحف سماوی

پروفیسر سید نواب علی ایم اے ہمارے ان ارباب قلم مین ہین جو ہر سال قوم و ملک کے سامنے اپنی محنت کا نیا تحفہ پیش کرتے ہین، ہمارے دوست نے امسال جو تحفہ پیش کیا ہے اس کا نام تاریخ صحف سماوی ہے،

سر ولیم میور کی تصنیف لائف آف محمد کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ پادری فنڈر نے انکو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانون کو اسلام سے برگشتہ کرنیکی بہترین تدبیر یہ ہے کہ انکے پیغمبر کی زندگی کا سیدھا سادھا نقشہ اُنکے سامنے پیش کردیا جائے، وہ خود دیکھکر فیصلہ کرینگے کہ حق کیا ہے؟ سر ولیم میور نے اس حکم کی تعمیل کی اور آخر انکو معلوم ہوگیا کہ حق کیا ہے -

بعینہ اسی طرح ہمارے مصنف نے قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی مین توراۃ اور انجیل کے درمیان موازنہ اور صحف آسمانی کی صحت کے اصول کی تشریح اور انکے جمع و ترتیب و اشاعت کے سیدھے سادھے واقعات کا یکجا کردینا ہی اس بات کے فیصلہ کے لئے کافی سمجھا ہے کہ حق کیا ہے؟

تاریخ صحف سماوی مین پروفیسر ممدوح نے اختصار کے ساتھ اول، دوم اور سوم تین ابواب کے تحت مین توراۃ، انجیل اور قرآن مجید کے جمع و ترتیب و حفاظت کا تاریخی موازنہ کیا ہے، اور اسی کے ضمن مین لفظی و معنوی تحریف کی بحث اور بعض علماے یورپ نے قرآن مجید پر جو ادبی و تاریخی اعتراضات کئے ہین انکا جواب دیا ہے، ان معترضین کا امام نولڈیکی ہے جس نے قرآن مجید پر ایک نہایت جاہلانہ مضمون لکھا ہے، اور تعجب ہے کہ ہمارے مستشرقین جنکی عربی دانی کا

ہم نہایت شہرہ سنتے ہین اس مضمون کے فقرون کو وحی آسمانی کی طرح اپنی تحریرون مین سنداً نقل کرتے ہین

قرآن مجید کی تاریخ جمع و ترتیب سے پہلے عربی زبان کے قدیم طریقۂ تحریر پر بھی بحث کی ہے، اور آثار قدیمہ کی مدد سے حروف تہجی کی جو قدیم شکلین معلوم ہوئی ہین انکا بھی نقشہ دیدیا ہے اس بات کے ثبوت ہین کہ کلام مجید ابتدا سے محفوظ ہے، بڑودہ کے ایک کلام پاک کے ایک صفحہ کا عکس بھی شامل کیا ہے، جسکی نسبت یہ مشہور ہے کہ وہ حضرت امام علی رضا کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے، امام موصوف کی ولادت ۱۵۳ھ مین اور وفات ۲۰۳ھ مین ہوئی ہے، اس بنا پر اگر یہ نسبت صحیح ہے تو اس سے زیادہ گران قیمت نعمت ہم مسلمانون کے لئے اور کیا ہو سکتی ہے، غالباً ۱۹۱۳ء مین جب مین بڑودہ گیا تھا تو اس قرآن مجید کی زیارت سے مشرف ہوا تھا، آخر مین امام موصوف کا نام لکھا ہے، لیکن طرز تحریر اور کاغذ کے ماہرین یہ فیصلہ کر سکتے ہین، کہ یہ کسی کاتب کا جعل ہے یا واقعی یہ اسیقدر پرانا ہے، خط یقیناً کوفی ہے۔

تورات اور انجیل کی جمع و تدوین کی جو تاریخ مصنف نے لکھی ہے وہ تمامتر انہین مذاہب کے علمار کی تحریرون سے ماخوذ ہے، طرز عبارت مناظرانہ نہین بلکہ مورخانہ ہے، اور اگر کہین کہین اسکے خلاف کوئی سطر نظر آتی ہے تو وہ فطرت انسانی کا عکس ہے، جسکو وہ بدلنے پر قادر نہین،

ابتدار مین صحف یہود کی فہرست دی ہے پھر بتایا ہے کہ ان مین سے کسقدر حصہ باقی ہے اور کسقدر تلف ہوگیا، تورات کی تحریفون کی تین مثالین، قصۂ داؤد و زن اوریا، قصۂ سلیمان و بت پرستی، قصۂ ہارون و گوسالہ پرستی کی پیش کی ہے، نہین معلوم ہمارے دوست نے لوط اور انکی بیٹیون اور حضرت سلیمان کے بیٹے اور اسکی بہن کا قصہ کیون چھوڑ دیا، شاید قلم کی سنجیدگی نے اس حد تک پہنچنے اترنے کی اجازت نہ دی ہو، اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جن واقعات کو لکھتے ہوے ایک انسان کا قلم کانپ اٹھتا ہے وہ خامۂ الٰہی کے نقوش وحی کیونکر ہو سکتے ہین؟

باب دوم مین عہد جدید، حواریون کی تعلیم، پال کا اختلاف، نیقہ کی کونسل، اناجیل کی فہرست قدیم فرق مسیحی، انجیل کے قدیم نسخے، اختلافات اناجیل، اناجیل اربعہ اور ولادت مسیح کے بیان کا اختلاف، ان مباحث پر محققانہ باتین لکھی ہین، تیسرے باب مین قرآن مجید کی تاریخ نزول و جمع وتدوین ہے، اور سب سے آخری فصل مین نولڈیکی کے چند اعتراضات کا جواب دیا ہے،

معارف مین بھی ان چند اعتراضات کا جواب چھپ چکا ہے، ابھی چند تاریخی اعتراضات اور باقی رہ گئے ہین، جنکی طرف بھی ہمارے دوست کو متوجہ ہونا چاہیئے تھا، منجملہ اسکے وہ آیت ہے جسمین بنی اسرائیل کو فرعون کی مملکت کا جانشین بنانے کا ذکر ہے، لفظ "ہامان" کی تحقیق مین "یا ھامان ابن لی صرحا" کے معنی بھی اپنی جدید تحقیق کے مطابق بتانے تھے، ہمارے دوست کی تحقیق ہے کہ "ہامان"، "آمان" کی تعریب ہے جو مصر کے بڑے دیوتا کا نام تھا، "اخت ہارون" کے بیان مین جمع محاورۂ عرب سے بھی استدلال ضرور تھا،

اس کتاب کا سب سے مہتم بالشان باب وہ ہے جسمین مصنف نے قرآن مجید اور توراۃ کے متحد قصہ کا باہم لفظی موازنہ کیا ہے، اور اسکے لئے انھون نے احسن القصص یعنی حضرت یوسف کے قصہ کا انتخاب کیا ہے، دو کالم کرکے ایک کالم مین قرآن مجید کی عربی عبارت اور دوسرے کالم مین توراۃ کی عبرانی عبارت بالمقابل نقل کی ہے، اور جابجا وجوہ ترجیح کا اظہار کیا ہے،

ہمارے نزدیک تو قرآن مجید اور توراۃ کے موازنہ کا بہترین طریقہ یہی ہے، کوئی شخص کچھ اور نہ کرے صرف اسقدر کرے کہ توراۃ و قرآن کے تمام متحد قصون کو لیکر بالمقابل ایک کالم مین توراۃ کا ترجمہ لکھدے اور دوسرے کالم مین قرآن مجید کا ترجمہ دیدے، عربی و عبرانی عبارت کا لکھنا گو توثیق کیلئے مناسب ہے لیکن اردو ترجمہ دینا فائدہ مندی کے لئے ضروری ہے،

ہم مصنف کو اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، جدید تعلیم یافتہ کہتے تھے کہ مغرب کے

جدید علمی سرمایہ مین بیدینی اور لامذہبی کے سوا کسی اور چیز کا مسالہ نہین، لیکن پروفیسر سید نواب علی یہ کیا کر رہے ہین کہ انہین سمی معدنیات سے تریاق اور اکسیر کے اجزا نکال نکال کر پیش کر رہے ہین،

بارک اللہ فی علمہ،

ضخامت ۲۲۵ صفحات، تقطیع متوسط کتابی، قیمت ۱ے، مصنف سے جامع مسجد بروڈہ کے پتہ سے ملیگی،

اُردو مین فلسفہ جدیدہ کا ایک مکمل اسکول

سلسلۂ برکلے

اپنی زبان کو دوسری زبانون سے مستغنی کرنیکی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ ان زبانون کے بہترین سرمایہ کو نہایت احتیاط اور ایمانداری کے ساتھ اپنی زبان مین منتقل کیا جاے، یورپ مین فلسفہ کے متعدد اسکول ہین، اور ہر اسکول مین چند نہایت اہم اور معرکۃ الآرا سلسلۂ تصنیفات ہین، دار المصنفین کا نظام الخیال (پروگرام) یہ ہے کہ متعدد اسکولون کی اہم تصنیفات کو اردو مین بہ ترتیب منتقل کیا جائے، چنانچہ یہ سلسلۂ برکلے اسی تخیل کا ثمرہ ہے، برکلے کا سب سے پہلے اسلئے انتخاب کیا گیا کہ یہ نسبتہً سہل ہے اور مذہب سے متصادم نہین ہوتا، ہمارے علماے کرام اور طلباے مدارس عربیہ جنکو حمایت مذہب کیلئے فلسفہ جدیدہ کی واقفیت ضروری ہے، انکو اسکا مطالعہ ناگزیر ہے،

اس سلسلہ کو اردو زبان مین ان مشاہیر اہل قلم نے منتقل کیا ہے جو دور حاضر مین ہماری قوم کے بہترین عالم فلسفہ ہین، یعنی مولوی عبد الماجد صاحب بی، اے اور پروفیسر مولوی عبد الباری ندوی، اس سلسلہ مین تین کتابین داخل ہین، برکلے اور اسکا فلسفہ، اسمین برکلے کی دلچسپ سوانح حیات، تصنیفات، اور ہر تصنیف پر تقریظ اور اُسکے خاص فلسفہ متصوریت کی تشریح ہے، مبادی علم انسانی اسکی اہم ترین تصنیف پرنسپلز کا سلیس بامطلب خیز ترجمہ، اور مکالمات، جسمین بصورت مکالمہ آسان پیرایہ مین اپنے فلسفہ کی اُسنے تشریح کی ہے ہر حصہ عمدہ کاغذ پر اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ چھپا ہے، ہر ایک کی قیمت عہ ہے، مجموعہ کی قیمت للعہ ،

ادبیات

فریادِ اکبر

یاد آرہی ہے مجھکو موسیٰ کی گفتگو اب　　ہون محوِ استعینوا باللہ و اصبروا

طاعتِ باری سے دل کو شاد رکھ　　ان وعد اللہ حق یاد رکھ

تیری دینی تربیت مین جو کہ سدِّ راہ ہین　　غالباً مصداقِ صدّوا عن سبیل اللہ ہین

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا مین ہے گرم　　لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے

کہتا ہین رازِ دہر "شکوہ" ہے توبہ　　اور "شکر" ہے یہ کہ موت آجاتی ہے

رباعیاتِ وحید

ہمارے پرانے دوست مولوی عبدالوحید صاحب ایم۔ اے ال ٹی جن سے معارف کے

ابتدائی نمبر روشناس ہین پورے ڈیڑھ برس کے بعد یاد فرماتے ہین،

کچھ بلبل و گل سے گفتگو کی ہم نے　　کچھ دیر و حرم مین جستجو کی ہم نے

جب اسکا پتہ کہین نہ پایا آخر　　عکسی تصویر رد برد کی ہم نے

اسرافِ زبان کو گفتگو کہتے ہین　　آشفتہ سری کو جستجو کہتے ہین

ذلت سمجھے ہوے ہین گمنامی کو　　رسوائی کو لوگ آبرو کہتے ہین

نرگس کو چمن مین ہمنے حیران دیکھا　　شبنم کو سرِ شام سے گریان دیکھا

جز حیرت و گریہ حاصلِ دید نہین　　آنکھون کو کبھی کسی نے خندان دیکھا

انسان بھی ہم ہوے تو کیا خاک ہوے — گو صاحب عقل و فہم و ادراک ہوے

طاہر نہوے، مرنے پہ بھی غسل کیا — جبتک نہوے خاک نہ ہم پاک ہوے

مسجد ہو کہ بتکدہ کہ میخانہ ہو — ہو سبحہ کہ زنار کہ پیمانہ ہو

پابندی رسم ہے بہر حال وحید — آزاد جو ہونا ہو تو دیوانہ ہو

مدت کے بعد نذر ہی یہ ہدیۂ سخن

بادا قبول خاطر تو اے سید زمن!

LIBRARY

غزل جناب مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دیر ہوئی کہ آسمان برسر اختلاف ہے — ایک مجھی پہ ہی عتاب سبکی خطا معاف ہے

جل کے بھی ہین نیے اف نہ کی لعنت دل وہی رہی — برسون دھوان اٹھا کیا پھر بھی یہ سینہ صاف ہے

راستی و وفا تجھے کس سے مقابلہ پڑا — شیوۂ حسن مہ رخان ہی تو گزاف و لاف ہے

وقت ہی امتحان کا کھینچ سکو خدا کرے — خنجر برا ہون مین تو ہون تیغ تو خوش غلاف ہے

واہ ری ہمت کرم آتش عشق پھونک کر — مین نے کہا خطا ہوئی دل نے کہا معاف ہے

خواہش امتیاز سے مل گئی عیب کو جگہ — کیسی ہی ٹھیک بات ہو حسن کو اختلاف ہے

مطلب شادی والم کن مین نہان ازل سے تھا — عالم حسن و عشق بھی جلوۂ نون و کاف ہے

آمد و رفت مین ہین محو حسرت و غم کے قافلے — کعبۂ دل کے گرد روز ایک نیا طواف ہے

آپکا تھا گناہگار، مین نہ کہ ابر و باد کا — میرا مزار تھا جہان اب وہ زمین صاف ہے

خوب تھا قصہ قفس سنتے جو میرے ہمنوا — قید مین ہون کہ مرگیا اسمین بھی اختلاف ہے

ثاقب دلحزین تجھے دوست کوئی ملی تو کیون — ایک وہی نہین خفا سارا جہان خلاف ہے

سیرۃِ فاروقی

عہد خلافت راشدہ کا ایک اسوۂ حسنہ

جناب مولوی سید حسن مرتضیٰ صاحب شفق رضوی عماد پوری

عہد فاروق میں جب فتح ہوا شام کا ملک
حامل رایتِ نصرت ہوئی جانباز سپاہ

اہل تثلیث کا قبلہ تھا جو بیت المقدس
شرک کو آکے وہان بھی نہ ملی جائے پناہ

جھک پڑی ہیبت اسلام سے سجدے کو صلیب
ہوا توحید کا خود خانۂ قدوس گواہ

جلوۂ حق سے ہوئی ظلمتِ باطل کا فور
چہرۂ ظلم ہوا عدل کی دہشت سے سیاہ

رعب سے دبکے ہوئے صلح کے خواہان آخر
شیر کے حملون کی جب تاب لائے روباہ

دی خبر حضرت فاروق کو اصحاب نے یہ
لائیں تشریف یہان آپ بصد عظمت و جاہ

اسطرح بے سر و سامان وہ چلے جانب شام
کہ کہان جانتے ہین یہ بھی نہ تھے اکثر آگاہ

چلتے چلتے جو قریب آگیا بیت المقدس
اونٹ منزل کا تھکا ماندہ نہ چل سکتا تھا راہ

جسم اطہر مین ادہر ایک عبا پارینہ
اور ادہر دھوم تھی آتا ہے مسلمانون کا شاہ

لوگ پوشاک نئی لائے بدلنے کے لئے
نہ جچی نظر دن مین وہ فقر تھا منظور نگاہ

اب تو وہ ذوق خود آرائی و خود بینی ہے
لذتِ نفس کے پیچھے ہین مسلمان تباہ

کھو گئے جتنے تھے اخلاق حمیدہ ہم مین
اب کہان صدق! کہان عدل کہان خوف آلہ

کون تھے آئے تھے کس کام کو کیا اسکی خبر
کیا تھے کیا ہوگئے اسکو بھی نہین جانتے آہ

خو کہان کی کہ نہین بو بھی شفق وہ باقی
اور اسپر ابھی باقی ہین ہم اِنّا للّٰہ

غزل فارسی

شادم که دل آلائشِ پندار ندارد　　آئینهٔ صافست که زنگار ندارد

هر کس که شناسندهٔ رازست همانا　　بر لب سخن از سبحه و زنار ندارد

ای وای بر آنکس که وجودش همه عشق است　　با هر کسے دل بازد و دلدار ندارد

دم سردی ضبط است که دل سوختهٔ تو　　در هجر تف آهِ شرربار ندارد

خاکِ قدمت ریخت جنون تا بسرِ من　　دل حسرتِ آرائشِ دستار ندارد

بر بام بیا زانکه تماشائی حسنت　　ذوقِ نظر از روزنِ دیوار ندارد

گیرم که تهی گشت سبو باده کش ده　　میخوار تو اندیشهٔ بسیار ندارد

واعظ نتوان زد دم از افسانهٔ الفت　　این آن بود افسانه که هشیار ندارد

گلبانگ انا الحق هم از آئینِ تو دوست　　منصورِ تو با خود رسن و دار ندارد

کیفیتِ صہبائے سخن بُرد ز ہوشم　　سرمستیم اندازه و مقدار ندارد

نیّر بود این گفتهٔ تو معجزهٔ نطق

در بزم کس این شیوهٔ گفتار ندارد

ابوالحسنات ندوی نیّر

مطبوعات جدیدہ

گیتان جلی، سر رابندر راناتھ ٹیگور یعنی ہندوستان کے وہ مایۂ ناز شاعر جنکی شاعرانہ فضیلت کو دنیا کا سب سے بڑا ادبی انعام دیکر یورپ نے بھی تسلیم کیا ہے، گتیان جلی انکی نظمون کا مجموعہ ہے، انکی اصلی زبان بنگالی ہے، جس سے خود مصنف نے انگریزی مین ترجمہ کیا، مولوی نیاز فتحپوری ندوی ملک کے شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے اردو مین ٹیگور کے خیالات منتقل کیے، اسمین شک نہین کہ اصل زبان مین جسقدر محاسن کلام ہوتے ہین وہ غیر زبان کے ترجمے مین نہین آسکتے، لیکن عام طور پر جو خصوصیات کلام ہوتے ہین وہ ترجمہ مین بھی نہین چھپ سکتے، طرز ادا کا حسن، خیالات کی رنگینی، تخیل کی وسعت، اور جذبات وافکار کی بوقلمونی، یہ ٹیگور کی شاعری کی معنوی خصوصیات ہین جو ترجمہ مین بھی باقی ہین، زبان صاف اور سلجھی ہوئی اختیار کیگئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ٹیگور کی شاعری کی بنیاد ہی چونکہ نزاکت بیان اور لطافت خیال پر ہے، اسلئے اکثر نظمون کو بغور اور بکرات ومرات پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے، ادب اُردو مین یہ ترجمہ قابل قدر اضافہ ہے، امید ہے کہ شائقین ادب اس سے پوری دلچسپی لین گے، لکھائی چھپائی صاف، عمدہ، صفحات ۱۱۱ تقطیع چھوٹی،

انسانی قربانیان - عربی مین "ضحایا البشریہ" ایک رسالہ ہے جسکا موضوع تمدنی ومعاشرتی غلطیون کی اصلاح ہے، شام کے عیسائی فاضل اہل قلم "ندرہ نقولا" کی یہ تالیف ہے، مولوی محمد حسین صاحب محوی نے اسکو اردو مین منتقل کیا ہے، اگرچہ اصل بیان مین جو لطافت دلآویزی اور زور بیان ہے، وہ ترجمہ مین نہین، تاہم موجودہ حالت مین بھی مترجم کی کوششین قابل تحسین ہین، اسکے اکثر مضامین عورتون کی اصلاح حالت سے متعلق ہین، اور گو مولف نے اصلاح معاشرت پر اپنی وطنی رسوم و رواج کے لحاظ سے بحث کی ہے، لیکن مشرقی دنیا مین معاشرت وتمدن کے امراض ہر جگہ یکسان ہین

حیات مالک، امام مالک کے حالات اور انکی حدیث موطا
پر نقد اور فقہ مدینہ پر تبصرہ ۱۲؍

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری عہ؍

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر ۲؍

" " دوسری ریڈر ۴؍

نوحۂ استاذ، مولانائے مرحوم کا اردو نوحہ ۲؍

رسالۂ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ
کے اصولی عقائد کی تحقیق۔ ۸؍

مولانا عبدالسلام، ندوی

انقلاب الامم، موسیو لیبان مصنف تمدن عرب کی اس
مشہور تصنیف کا دلچسپ اور فصیح ترجمہ جسمین قومون کی ترقی و تنزل
کے اسباب، یورپ کے تمدن کے زوال کی پیشین گوئی
اور دنیا کی تمام قومون کے خصائص طبعی کا تذکرہ ہے اور
جو اسکی تمام تصنیفات کا خلاصہ اور عطر ہے مع مقدمہ قیمت عمر

مولوی عبدالباری صاحب ندوی

برکلے اور اُس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات
زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح، زیر طبع

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی مشہور
کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ اور سنجیدہ
ترجمہ، قیمت ... ... عہ مجلد

مولوی عبدالماجد، بی، اے

مکالمات برکلے۔ مادیت کی تردید مین برکلے کے
مکالمات کا ترجمہ، زیر طبع،

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقائق الاسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ اور
عقلی تشریح قیمت ۶

منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال

انسان۔ علم خواص الاعضاء کے ابتدائی مسائل
سلیس عام فہم زبان مین قیمت ... ... ۸؍

رموز فطرت، طبعیات، طبقات الارض، ہیئت اور جغرافیہ
طبعی کے ابتدائی مسائل، عام فہم اور سلیس
عبارت مین ... ... عمر

بدیہہ گوئی، از جناب سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی
ایڈیٹر ذخیرہ، اس رسالہ مین عربی، فارسی، اُردو کے
برجستہ گو شعرا کے مختصر حالات اور وہ اشعار درج ہین جو
انہون نے کسی خاص واقعہ پر فی البدیہہ کہے، تقطیع چھوٹی
ضخامت ۲۰۰ صفحے۔

قیمت ... ... عہ؍

مطبوعات دار المصنفین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عمدہ لکھی اور چھپی ہوتی ہین۔ تاجرون کو
کمیشن معقول دیا جاتا ہے، یعنی ۲۵ فیصدی

مینیجر
دار المصنفین، اعظم گڈھ

حیات مالک، امام مالک کے حالات اور ان کی حدیث و علم
پر نقد اور فقہ مدینہ پر تبصرہ [illegible]

لغات جدیدہ، جدید عربی الفاظ کی تشریح [illegible]

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر [illegible]

دوسری ریڈر [illegible]

نوحۂ استاذ، مولانا مرحوم کا اردو نوحہ [illegible]

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ
کے اصولی عقائد کی تحقیق۔ [illegible]

مولانا عبدالسلام، ندوی

انقلاب الامم، از سید لیبان مصنف تمدن عرب کی اس
مشہور تصنیف کا دلچسپ اور فصیح ترجمہ جس میں قوموں کی ترقی و تنزل
کے اسباب، یورپ کے تمدن کے زوال کی پیشین گوئی
اور دنیا کی تمام قوموں کے خصائص طبعی کا تذکرہ ہے اور
جو اسکی تمام تصنیفات کا خلاصہ اور عطر ہے مع مقدمہ قیمت [illegible]

مولوی عبدالباری صاحب ندوی

برکلے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے حالات
زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح، زیر طبع

مبادی علم انسانی، مادیت کی تردید میں برکلے کی مشہور
کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فصیح اور سنجیدہ
ترجمہ، قیمت ... [illegible] مجلد

مولوی عبدالماجد بی۔ اے

مکالمات برکلے۔ مادیت کی تردید میں برکلے کے
مکالمات کا ترجمہ، زیر طبع

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقائق الاسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ اور
عقلی تشریح، قیمت [illegible]

منشی محمد مہدی صاحب نائب مہتمم تاریخ بھوپال

انسان۔ علم خواص الاعضاء کے ابتدائی مسائل
سلیس و عام فہم زبان میں قیمت ... [illegible]

رموز فطرت، طبیعیات، طبقات الارض، ہیئت اور جغرافیہ
طبعی کے ابتدائی مسائل، عام فہم اور سلیس
عبارت میں ... [illegible]

بدیہہ گوئی، از جناب سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی
ایڈیٹر ذخیرہ، اس رسالہ میں عربی، فارسی، اردو کے
برجستہ گو شعرا کے مختصر حالات اور وہ اشعار درج ہیں جو
انہوں نے کسی خاص واقعہ پر فی البدیہہ کہے۔ تقطیع چھوٹی
ضخامت ۱۰۰ صفحے۔
قیمت ... [illegible]

مطبوعات دارالمصنفین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ عمدہ لکھی اور چھپی ہوتی ہیں۔ تاجروں کو
کمیشن معقول دیا جاتا ہے یعنی [illegible] فیصدی

منیجر
دارالمصنفین، اعظم گڑھ

دائرۃ المعارف

یعنی

رسالہ معارف کی گذشتہ جلدیں

جن میں سے ہر جلد ۵۷۲ صفحون پر مشتمل ہے، اور مذہبی

علمی، تاریخی، اصلاحی، تعلیمی، ادبی اور تنقیدی مباحث و تحقیقات

سے مالامال ہے۔

فرمائش کے وقت مجلد یا غیر مجلد کی تفصیل کردینی چاہیے،

قیمت ہر جلد مجلد للعہ، غیر مجلد للعہ ۔

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین

اعظم گڈھ